ملفوظاتِ شاہ مینا رحمۃ اللہ علیہ

شیخ محمدؒ بن شیخ قطب المعروف بہ شاہ مینا لکھنویؒ

ترجمہ

لطیف اللہ

اِدارۂ ثقافتِ اسلامیہ

۲- کلب روڈ ○ لاہور

ملفوظاتِ شاہ مینا رحمۃ اللہ علیہ

شیخ محمد بن شیخ قطب المعروف شاہ مینا لکھنوی رح

ترجمہ

لطیف اللہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ
۲- کلب روڈ ○ لاہور

فہرست

پیش لفظ

شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار میں شیخ محمد شاہ مینا کے سوانح میں لکھا ہے کہ وہ پندرھویں صدی عیسوی میں لکھنو (یو۔ پی) کے صاحب ولایت بزرگ تھے۔ جنھوں نے رہ سلوک میں بڑی ریاضتیں اور مشقتیں اٹھائی تھیں۔ آپ نے تصوف میں عوارف المعارف جیسی بنیادی کتاب اپنے وقت کے فقیہہ اور عارف باللہ مولانا اعظم سے پڑھی تھی۔ آپ کے ایک مرید روشن ضمیر شیخ سعد الدین خیر آبادی نے جو خود بھی بہ قول شیخ عبدالحق عالم اور عارف باللہ تھے، رسالہ مکیہ کی شرح، "مجمع السلوک" کے نام سے لکھی تھی، جس کا ایک حصہ شاہ مینا کے حالات اور ملفوظات پر مشتمل تھا۔ یہ کتاب ۱۳۱۱ ہجری میں نول کشور سے شائع ہوئی۔ پھر ان ملفوظات کا فارسی ترجمہ بھی نول کشور ہی سے شائع ہوا۔ اسی فارسی نسخے کا اردو ترجمہ ابوالحسن فرید آبادی نے ۱۳۲۹ ھ میں شائع کیا تھا۔ ملفوظات کے یہ دونوں ترجمے ادھر ایک مدت سے بازار سے ختم ہو چکے تھے۔ اب جناب لطیف اللہ حاجب نے بڑی محنت اور دقت نظر سے ان ملفوظات کو فارسی سے اردو میں منتقل کیا ہے۔

موجودہ وقت میں ہمارے معاشرے کا اخلاقی اور روحانی بحران اس کتاب کی اشاعت کا باعث بنا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ حضرت شیخ کے ملفوظات سے ہمیں اپنی اخلاقی زندگی کو سنوارنے اور صحت مند بنانے میں مدد ملے گی۔

یہاں پر اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ ہم نے اس کتاب میں چند ایک بحثوں کو حذف کر دیا ہے، مثلاً:

۱۔ اس کتاب میں آں حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے محترم والدین اور حضرت ابو طالب کے بارے میں پرانی بحث کو چھیڑا گیا ہے کہ آیا وہ نجات یافتہ ہیں یا نہیں؟

۲۔ اسی قسم کی ایک دوسری ناپسندیدہ بحث فقہی مدارس کے بارے میں ہے کہ چاروں فقہی مذاہب میں کون سا مذہب افضل ہے۔

تاریخ نے اس المیے کا ذکر دکھ سے کیا ہے کہ اس قسم کی بحثیں مسلم جماعت میں فکری ژولیدگی، نفرت اور تشدد پر منتج ہوئی ہیں۔ اس لیے انھیں یہاں حذف کر دیا گیا ہے۔

۳۔ ایک وقت تھا جب علمائے حق اور مشائخ کا ذکر بڑے بڑے القاب کے ساتھ کیا جاتا تھا، لیکن آج یہ طرز تحریر متروک ہو چکا ہے، اس لیے ہم نے ترجمے میں ان القاب کو حذف کر دیا ہے، تاکہ شیخ کے ملفوظات سے استفادہ کرتے وقت قاری کی نظر القاب میں الجھ کر نہ رہ جائے۔

میں ادارہ ثقافت اسلامیہ کے پرانے رفیق مولانا محمد اسحاق بھٹی کا ممنون ہوں جنھوں نے اس اردو ترجمے کو قابل اشاعت بنانے کے لیے بڑی محنت اور تندہی سے کام کیا ہے۔

جون ۱۹۹۴ء رشید احمد جالندھری

دیباچہ

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جو جہانوں کا پروردگار ہے اور صلوۃ و سلام اس کے رسول محمد پر اور ان سب پر جو آپ کی آل، آپ کے اصحاب، آپ کی ازواج، آپ کے اہل بیت اور طاعت گزار بندے ہیں۔

بعدازیں بندہ کمترین مجتبےٰ علی بن مولوی سید مظہر علی اعزازی منصف اور رکن میونسپل بورڈ سندیلہ ضلع ہردوئی، جو مولانا حافظ کرم احمد شاہ صاحب قادری، چشتی، سہروردی کے مریدوں میں سے ہے، معزز ناظرین کی خدمت میں اس تالیف کی طباعت سے متعلق عرض کرتا ہے کہ یہ رسالہ حضرت مخدوم شیخ محمد بن شیخ قطب المعروف بہ شیخ مینا صاحب لکھنوی نور اللہ مرقدہ کے ملفوظات کے نام سے موسوم ہے۔ جسے میر محی الدین صاحب بن حسین الرضوی الحسن امیٹھوی نے مرتب کیا تھا، عرصہ دراز سے یہ رسالہ حافظ صاحب قبلہ کے کتب خانے میں دیگر قلمی کتابوں کی طرح تعلیمی استفادے کی غرض سے نجط قلمی محفوظ، موجود تھا۔

حافظ صاحب اور خاکسار کے بزرگوار چچا مولانا سید اظہر علی شاہ صاحب جانشین اول نیز مولانا حاجی حافظ خلیل الدین احمد سندیلوی نے کئی مرتبہ اس رسالے کو طبع کرانے کا ارادہ کیا لیکن اس قول کے مصداق کہ کل امر مرھون باوقاتھا یعنی تمام کام اپنے وقت پر ہوتے ہیں؛ وقت نہ آیا تھا اس لیے شائع نہ ہوسکا۔

اب اس خاکسار نے مولوی حیدر حسین صاحب گوپاموی خلیفہ دوم کے زمانہ

خلافت میں جناب شاہ حسام الدین صاحب کے اشارے کے مطابق جو حضرت مخدوم شاہ مینا صاحب کے پیر زادے ہیں اور ہمدم و رفیق دوستوں مکرم حاجی مشتاق احمد صاحب، منشی حسین احمد خیر آبادی اور شیخ معشوق حسین ولد شیخ محمد حسن صاحب سندیلوی کی تحریک پر جو حضرت حافظ صاحب کے مرید ہیں، اس نسخے کو دینی اور دنیاوی بھائیوں کے فایدے کی غرض سے طبع کرا دیا۔ جو صاحب اس رسالے سے استفادہ کریں وہ اس گنہ گار کو بھی دعائے خیر میں یاد رکھیں۔

خاندان چشتیہ اور سہروردیہ کے بزرگان کرام
شاہ مینا سے حافظ کرم احمد تک

حضرت مخدوم شیخ محمد المعروف شاہ مینا صاحب لکھنوی، آپ کے خلیفہ حضرت مخدوم شیخ سعد خیر آبادی، آپ کے خلیفہ حضرت مخدوم شاہ صفی صاحب صفی پوری، آپ کے خلیفہ مولانا شاہ قدرت اللہ صاحب صفی پوری، آپ کے خلیفہ مولانا شاہ عبداللہ صاحب سندیلوی، آپ کے خلیفہ مولانا محمد افضل شاہ صاحب سندیلوی، آپ کے خلیفہ مولانا سید معشوق علی شاہ صاحب خیر آبادی، آپ کے خلیفہ مولانا حافظ کرم احمد شاہ صاحب سندیلوی (رحمہم اللہ تعالیٰ)

صانع حقیقی کا بے قیاس شکر ہے کہ اس نے اہل دل حضرات کے اقوال کو ہدایت کا سبب بنایا، اور بے حد و حساب درود اس سردار پر جس کے طغرائی القاب کے طفیل ارباب ہدایت نے ولایت کا علم بلند کیا، اس کے بعد (سنت کی) پیروی کے آرائش کرنے روح حیوانی کے ظاہر و باطن کو زیور شریعت اور لباس طریقت سے آراستہ کیا، اور ان اصحاب پر جن کو طوطی شیریں بیان انا افصح نے اصحابی کالنجوم کے پاکیزہ خطاب سے نوازا۔

حمد و نعت کے بعد پروردگار عالم کی رحمت کا امیدوار محی الدین بن حسین الرضوی الحسن عرض کرتا ہے کہ بعض طالبین کی خواہش دل کا احترام کرتے ہوئے قدرے قلیل احوال و اقوال شیخ محمد بن شیخ قطب المعروف بہ شیخ مینا تحریر کیے گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی برکات کو ہمارے درمیان ہمیشہ قائم رکھے۔

آپ اہل تقوی کے طریق پر عمل کرتے ہیں اور ایسے ولی ہیں جو خود کامل ہیں اور دوسروں کو کامل بنا دیتے ہیں۔ آپ انبیا کی پیروی میں لوگوں کو تعلیم دیتے ہیں اور اس وصف میں بہت زیادہ نمایاں ہیں۔

آمد ندادر گوش ما، اے پر ہنر شاغل چرا
روپیش قطب رہنما بنمائے فن شاعری

میرے کان میں غیب سے یہ آواز آئی کہ اے ہنرمند شعر کہنے والے تو کیوں رہنمائی کرنے والے قطب کی خدمت حاضر ہو کر فن شاعری پیش نہیں کرتا۔

شیخ محمد قطب دیں، قطب است در عالم یقیں
ہر یک مرید از روم چیں درذات ہر ہمہ حاضری

(وہ رہنما کون ہیں؟) وہ بے شک و شبہ قطب دین شیخ محمد ہیں۔ ان کا ہر رنگ و نسل کا مرید رومی ہو یا چینی ان سے فیض یاب ہوتا ہے۔

بندہ کریم بے نوا، بنواز اکنوں کن دعا
حاجات من گردد روا برہاں مرا از مضطری

اے بے سامان غلام کریم آخر میں یہ دعا کر کہ (دوسروں کے مانند) مجھ پر بھی نوازش ہو، میری حاجتیں پوری ہو جائیں اور مجھے پریشانیوں سے رہائی نصیب ہو۔

اس تصنیف میں شیخ قوام الحق و الشرع و الدین العباسی کے بعض فرمودات، نیز شیخ سارنگ کے بعض احوال جو پیر طریقت، اور عالم باعمل شیخ سعد اللہ نے اپنی

تصنیف " شرح رسالہ مکیہ "میں نقل کیے ہیں اور جنھیں بزرگان سلسلہ نے تواتر کے ساتھ بیان کیا ہے، تحریر کیے گئے ہیں۔ اللہ تعالی ہی توفیق دینے والا ہے۔ بزرگوں کے اخلاق حسنہ سے امید ہے کہ

هر حرف خطا که جسته باشد ز قلم

شویند به آب عفو و باران کرم

قلم سے جو بات غلط تحریر ہوگئی ہے اسے عفو و درگزر کے پانی اور کرم کی بارش سے دھو ڈالیں گے (نظر انداز فرمائیں گے)۔

حضرت شیخ مینا قدس سرہ کی ولادت اور ابتدائی زندگی کے حالات

جان لیں کہ شیخ مینا چشتی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ کے والد بزرگوار شیخ قطب دارالحکومت دہلی سے جون پور منتقل ہوئے۔ کچھ عرصے بعد وہاں سے قصبہ دلمو میں قیام پذیر ہوئے، پھر کچھ مدت گزرنے کے بعد لکھنو میں، شیخ قوام الدین کی خدمت میں حاضری سے مشرف ہوئے۔ شیخ قوام الدین ان سے بہت زیادہ لطف و کرم کا سلوک فرماتے تھے، حتی کہ نماز کی صف میں کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ ان دونوں کے درمیان کھڑا ہو۔ اس قدر ربط و تعلق قائم ہونے کے بعد شیخ قوام الدین نے شیخ قطب کو نکاح کرنے کا حکم دیا اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ہم آپ کی پشت میں ایسے فرزند کو دیکھ رہے ہیں جس سے حق تعالی ہماری نسبت قائم فرمائیں گے اور جس کی ذات سے سلسلہ چشتیہ کو تازگی حاصل ہو گی، چنانچہ اس زمانے میں بھی اس پیش گوئی کا ظہور جاری ہے کہ شیخ قوام الدین کی تعریف اس طرح کی جاتی ہے کہ وہ شیخ مینا کے مرشد ہیں۔

بیان کیا جاتا ہے کہ شیخ قوام الدین کے فرزند کو، جن کا نام شیخ نظام الدین تھا، سلطان محمد بن فیروز شاہ نے علم اور نقارے کا اعزاز عطا کیا تھا۔ ایک دن اچانک یہ صاحب زادے نقارہ بجواتے ہوئے شیخ ممدوح کے جماعت خانے کے صحن میں آموجود ہوئے۔ (یہ دیکھ کر) شیخ نے فرمایا، اے نابرخوردار قوام الدین کے گھر کے فرش پر گھوڑا کیسے آسکتا ہے۔ چنانچہ اس واقعے کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ وہ فرزند شکار کھیلنے گئے اور گھوڑے سے گر کر وفات پا گئے۔

القصہ جب شیخ قوام الدین کی زوجہ محترمہ بی بی خاصہ کو یہ خبر ملی کہ حضرت

(ں بددعا) ہے بیٹے کا کام تمام کر دیا تو غصے میں بھری ہوئی گھر سے باہر آئیں اور (شیخ سے مخاطب ہو کر) کہا، اے سانپ تو نے میرے بیٹے کو ڈس لیا۔ شیخ نے فرمایا کہ تیر نشانے پر بیٹھ چکا، اب تدارک ناممکن ہے۔ ہاں انشاء اللہ تعالیٰ شیخ قطب کے ہاں فرزند تولد ہو گا، ہمیں یہی بہت ہے کہ وہ ہمارے لیے بیٹے کی مانند ہو گا۔

منقول ہے کہ شیخ قوام الدین نے اپنی زوجہ بی بی خاصہ عارفہ کو وصیت کی تھی کہ جب شیخ قطب کے ہاں بیٹے کی ولادت ہو تو تم ہی اس کو دودھ پلانا اور اچھی طرح سے اس کی نگہداشت کرنا۔ آخر کار شیخ قوام الدین کی وفات کے چالیس دن بعد قطب عالم کی ولادت ہوئی۔ (حسب وصیت) حضرت بی بی خاصہ آپ کی پرورش و نگہداشت میں مصروف ہو گئیں، کبھی کبھی (شیخ کی وصیت کے مطابق) قطب عالم کو اپنا دودھ پلاتی تھیں۔ اگرچہ چالیس سال قبل سے بی بی صاحبہ دودھ پلانے کے لائق نہ رہی تھیں، دودھ پیدا ہو گیا، بی بی صاحبہ نے بڑے اہتمام سے آپ کی ظاہری اور باطنی تربیت فرمائی۔ تہجد کے وقت فرماتیں کہ بچے کو جگا دو تاکہ اسے صبح صبح جاگنے کی عادت ہو جائے۔ خود بی بی خاصہ سحر خیزی کی اس قدر پابند تھیں کہ شیخ قوام الدین بھی کبھی اس باب میں ان سے سبقت حاصل نہ کر سکے۔ بی بی خاصہ کی ملک میں جو کچھ تھا بصورت مکان یا کتاب وغیرہ سب کا سب قطب عالم کی ملکیت میں دے دیا۔ جب قطب عالم طفولیت کی عمر کو پہنچے تو تربیت کے لیے شیخ قوام الدین کے ایک مرید قاضی فریدوں کے سپرد کر دیے گئے۔

قاضی فریدوں کی توبہ کا قصہ

قاضی فریدوں ہمیشہ شراب کے نشے میں مست رہتے تھے۔ ان کی عمر کا بیشتر حصہ اسی طرح کی ممنوع باتوں میں گزرا تھا۔ وہ شراب کے اس قدر رسیا تھے کہ گزر بسر

کے لیے جو کچھ انھیں حاصل ہوتا تھا گھر لانے کے بجائے شراب خانے میں لٹا دیتے تھے۔
ایک دن ان پر شیخ قوام الدین کی نگاہ کیمیا اثر ایسی پڑی جب وہ شراب کے نشے میں دھت تھے۔ شیخ نے فرمایا، اے فریدوں ایک ہفتہ اور جی بھر کر شراب پی لو اور سارے ارمان نکال لو، اس کے بعد ہمارے پاس آنا۔ قاضی فریدوں نے اس فرمان کے مطابق عمل کیا اور ایک ہفتے بعد غسل کر کے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے جو گنہ گاروں کے لیے ہدایت بخش تھے ان کی تربیت فرمائی اور انھیں واصل بحق کے مرتبے پر پہنچا دیا اور فرمایا کہ تم شیخ قطب کے بیٹے کی تربیت کرو گے۔ شیخ کے حکم کے مطابق قاضی فریدوں نے قطب عالم شیخ مینا کی پرورش کی اور آپ کو علم دین کی تعلیم دی۔
جب قطب عالم نے "کافیہ" پڑھنا شروع کیا تو اچانک قاضی فریدوں کے گوش ہوش میں موت کا پیغام پہنچا (یعنی موت کا وقت قریب آگیا) قاضی صاحب نے بارگاہ حق تعالی میں التجا کی کہ اے پریشان حالوں کی دعا قبول کرنے والے جب تک شیخ مینا "کافیہ" ختم نہ کر لیں مجھے موت سے امان میں رکھ۔ دعا قبول ہوئی اور قاضی صاحب کی موت کا وقت ٹل گیا۔ جب اس واقعے کی خبر قطب عالم کو ملی، آپ نے ایک لمبے دھاگے میں جو آپ کے پاس تھا روزانہ ایک گرہ ڈالنی شروع کر دی۔ جب (کتاب) کافیہ ختم ہوئی، آپ نے تمام گرہوں کو شمار کیا تو ایک سال کی مدت شمار میں آئی۔ بہر حال قاضی فریدوں کے (اللہ تعالی سے) کیے ہوئے وعدے کا وقت آن پہنچا تھا۔ انھوں نے تمام بزرگوں اور مخلصوں کو الوداع کہا اور جان کو جان آفرین کے سپرد کر دیا۔ ان کی قبر مبارک لکھنو شہر کی آبادی میں ہے اور اتنی شکستہ ہوگئی ہے کہ شاید اس کا نشان تک باقی نہ رہے۔

(قاضی فریدوں کی وفات کے بعد) قطب عالم ضروری علم کی تحصیل میں مشغول رہے اور جس علم کے بغیر چارہ کار نہ تھا، صرف اسے ہی حاصل کیا، حتی کہ (فقہ کی)

کتاب کنز الدقایق، کے باب عبادات میں سے زکوۃ اور نکاح کے مسائل کا مطالعہ بھی نہیں کیا۔ فرمایا کہ ہمیں مال جمع نہیں کرنا ہے کہ زکوۃ دینی واجب ہو، نہ نکاح کریں گے کہ طلاق کے مسائل جاننے کی ضرورت ہو، بنا بریں غیر ضروری علم کی تحصیل ضیاع وقت ہے۔

حضرت قطب عالم اپنے شیخ قوام الدین کے روضہ مبارک میں ریاضت کرتے تھے اور اپنے مرشد ملک بدر شیخ سارنگ کی خدمت میں مدتوں حاضر رہ کر تربیت حاصل کرتے تھے۔ بالآخر شیخ سارنگ کی خلافت کے شرف سے مشرف ہوئے۔ جب یہ خبر حضرت مخدوم ابوالفتح نے سنی کہ قطب عالم کو لباس خرقہ عنایت ہوا ہے تو یہ شعر پڑھا:

ہزاراں درود و ہزاراں سپاس
کہ گوہر سپردند گوہر شناس

(ہزاروں دعائیں اور ہزار ہا شکر کہ گوہر شناس نے اہل شخص کو گوہر سپرد کیا (ایک اہل شخص کو خلافت ملی)

آپ کی ریاضت و خلوت کا ذکر

شرح رسالہ مکیہ میں منقول ہے کہ ابتدائے سلوک میں، قطب عالم پر کبھی کبھی موسم سرما کی راتوں میں جو بہت زیادہ سرد ہوتیں، اگر نیند کا غلبہ ہوتا تو اپنا مبارک کرتہ پانی میں بھگو کر دوبارہ پہن لیتے اور شیخ قوام الدین کے مزار کے صحن میں بیٹھ جاتے تھے۔ چاروں جانب سے سرد ہوا آپ کے جسم کو لگتی، اس طرح انتہائی سردی کے باعث نیند کا غلبہ ختم ہو جاتا۔ کبھی اپنی ٹوپی ٹھنڈے پانی میں تر کر کے گھٹے ہوئے سر پر رکھ لیتے۔ کبھی پتھر کے ٹکڑوں کو جمع کر کے اپنے گرد بکھیر لیتے اور بیٹھے رہتے اور تمام رات یاد الہی میں مشغول رہتے۔ اس حالت میں اگر نیند آنے لگتی تو پتھر

کے ان بکھرے ہوئے ٹکڑوں پر لوٹنا شروع کر دیتے۔ ظاہر ہے کہ سنگ ریزوں کے بستر پر کس طرح نیند آسکتی ہے۔ (اسی طرح) دیوار سے گر پڑنے کے خوف سے ہرگز نیند نہیں آتی۔ غرض اسی کیفیت میں تمام رات ریاضت میں گزار دیتے تھے۔ بعض اوقات آپ سرد ہواؤں میں پانی گرم کرتے۔ یکایک آگ کی حرارت سے نفس کو تھوڑی سی راحت ملتی تو صرف وضو کرنے پر اکتفا فرماتے یا دل میں خیال آتا کہ کچھ دیر کے بعد وضو کروں گا، اسی وقت گرم پانی چھوڑ کر کھڑے ہو جاتے اور ٹھنڈے پانی سے غسل کر کے نماز پڑھنے میں راتیں بسر فرماتے۔ آپ اکثر متواتر روزے رکھتے تھے اور لکڑی کی کھڑاؤں پہنتے تھے۔ کبھی پابرہنہ اپنے مرشد شیخ سارنگ قدس سرہ کی خدمت میں بارہ کوس پیدل چل کر حاضر ہوتے۔

مرداں بسعی و رنج بجائے رسیدہ اند

تو بے خبر کجا رسی از نفس پروری

(اہل ہمت کوشش کر کے اور مشقت برداشت کر کے منزل مقصود تک پہنچے ہیں، اے غافل تو نفس پروری کر کے ہرگز مرتبہ کمال حاصل نہیں کر سکتا۔)

حق تعالیٰ کی راہ میں قطب عالم نے جو تکلیفیں اور سختیاں برداشت کی ہیں، ان کو (ایک کتاب میں) بیان کرنا ناممکن ہے۔ سوائے فضل الٰہی کی تائید کے ایسی تکالیف اور ریاضات کا برداشت کرنا انسانی حوصلے اور طاقت سے بعید ہے۔ قطب عالم فرماتے تھے کہ ایک شب حضرت جنید (بغدادی) کو غسل کی ضرورت پیش آئی۔ اس رات سخت سردی پڑ رہی تھی۔ شیخ کو اندیشہ پیدا ہوا کہ اگر اس سردی میں غسل کرتا ہوں تو ہلاک ہو جاؤں گا۔ شریعت نے ایسے موقعے پر ہلاکت سے بچنے کے لیے دیر کرنے کی اجازت دی ہے چنانچہ میں بھی گرم پانی میسر ہونے تک غسل میں تاخیر کرتا ہوں۔ اس خطرے کے دل میں آتے ہی شیخ حوض کی طرف دوڑے اور گدڑی سمیت خود کو پانی میں ڈال دیا۔

چوں کہ سردی مہلک اور جان لیوا ہوتی ہے حضرت جنید کو حوض سے باہر نکلنے کی ہمت نہ ہوئی۔ القصہ ہزار حیلوں سے حوض سے باہر نکلے اور بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ حق تعالی نے جنگلی ہرنوں کے ایک غول کو وہاں بھیج دیا تا کہ شیخ کو گرم گرم سانسوں کی حرارت پہنچائیں۔ جب شیخ کا جسم مبارک گرم ہوا تو ہوش میں آگئے۔ وہاں سے اٹھ کر نماز فجر ادا کی اور اس خطرے کے کفارے میں چھ ماہ تک گدڑی کو دھوپ میں نہ ڈالا، بلکہ سردی کی قاتل اور ہلاک کرنے والی ہوا میں اسے جسم مبارک سے علیحدہ تک نہ کیا۔

منقول ہے کہ ایام ریاضت میں قطب عالم کو مرغن کھانوں سے شدید نفرت تھی اور بے روغن کھانا کھانے کی ایسی عادت ہو گئی تھی کہ اگر کبھی گھی یا کسی اور قسم کی چکنائی کی بو آپ کے دماغ میں پہنچتی تو برداشت نہ کر پاتے اور مکروہ خیال فرماتے۔

منقول ہے کہ قطب عالم فرماتے تھے کہ میں (جن دنوں) شیخ قوام الدین (رئیس العارفین) کے روضے میں قیام پذیر تھا، مفلسی نے مجھے بے اختیار کر رکھا تھا۔ بعض اوقات مسافر آجاتے اور کھانا کم ہوتا۔ میں ان کے سامنے کھانا رکھتا اور چراغ کو ٹھیک کرنے کے بہانے کھڑا ہوتا اور گل کر دیتا۔ اس طرح اندھیرے میں انھیں کھانا کھانے میں مشغول رکھتا۔ ظاہرا طور پہ کھانے میں جلدی جلدی ہاتھ ڈالتا لیکن کچھ نہ کھاتا تھا تاکہ وہ لوگ سیر ہو کر کھا سکیں۔ ہاتھ کو جلد جلد حرکت دینے کی مصلحت یہ تھی کہ مہمان یہ جان لیں کہ میں بھی ان کے ساتھ کھانے میں شریک ہوں حالانکہ میں کچھ نہ کھاتا تھا اور بھوکا ہی رہتا تھا۔

قطب عالم یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک روز شیخ قوام الدین کے روضے میں چند مہمان آگئے۔ والدہ صاحبہ حیات تھیں۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ کچھ لوگ آگئے ہیں، کوئی چیز ان کے کھانے کے لیے چاہیے۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا تم جا کر اپنے کاموں میں

مشغول رہو، کھانا تیار ہو جائے گا۔ کافی رات گزر گئی لیکن کھانا نہ آیا۔ چنانچہ میں تاخیر کی وجہ معلوم کرنے کے لیے گیا، دیکھا کہ تھوڑا سا آٹا ہے جسے والدہ صاحبہ گوندھ رہی ہیں۔ میں نے دریافت کیا کہ جب اتنا ہی آٹا تھا تو اس قدر تکلف کی کیا ضرورت تھی۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا، بیٹے آٹا تو اسی قدر تھا کوئی اور تدبیر بھی نہ تھی لیکن تمھارے بھانجے بھانجیاں جاگ گئے تھے۔ ان کی وجہ سے رکنا پڑا کہ جب یہ دوبارہ سو جائیں گے تو آٹا گوندھوں۔ اگر ان کے جاگتے میں آٹا گوندھ کر روٹی ڈالتی تو سب اپنی خوراک کے مقدار روٹیاں لے جاتے اور مہمانوں کو اس قدر کم کھانا کافی نہ ہوتا۔ اس باعث کھانا تیار کرنے میں تکلف کرنا پڑا۔ بہر حال جب کھانا تیار ہو گیا تو مہمانوں کو کھلایا لیکن بچوں کے بھوکا سو جانے کے خیال سے دل کو بہت قلق ہوا۔ قطب عالم نے بارہا فرمایا کہ اب جو ظاہری فارغ البالی مجھے حاصل ہے میرا خیال ہے کہ اسی رات کی برکت کے باعث ہے اور فقر کی یہ آبرو والدہ صاحبہ کی ذات گرامی کی بدولت ہے۔

منقول ہے کہ (آپ کی مجلس میں) شیخ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول کا ذکر ہوا کہ فتوت (مروت جواں مردی) ایک خلق ہے جو سوائے مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی انسان کو بدرجہ کمال حاصل نہیں ہوا، اس لیے کہ کل قیامت کے دن ہر شخص نفسی نفسی (ہائے میری جان میری جان) پکارے گا مگر مصطفٰے علیہ السلام امتی امتی (میری امت میری امت) فرمائیں گے۔ جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ فتوت شام سے، زبان عراق سے، اور صدق خراسان سے مخصوص ہے۔ اس موقعے پر قطب عالم نے فرمایا، ایک دن ایک درویش اپنے سینکڑوں مریدوں کے ساتھ حضرت جنید کے ہاں دور سے سفر کرتے ہوئے پہنچے۔ شیخ نے خادم کو بلا کر فرمایا کہ جا ایک اونٹ ذبح کر تاکہ تمام لوگوں کے لیے کافی ہو سکے۔ دوسرے دن بھی ایک اونٹ ذبح کیا گیا، تیسرے دن بھی یہی کیا گیا۔ درویش نے محسوس کیا کہ شیخ کسی قدر پریشان ہیں تو

وہاں سے رخصت ہونے کا ارادہ کیا۔ وقت رخصت انھوں نے شیخ سے کہا کہ اگر آپ میرے ہاں تشریف لائیں تو میں آپ کو فتوت سکھاؤں گا۔ شیخ جو طالب دین تھے، اگرچہ بہ اعتبار لغت و اصطلاح فتوت کے معنی جانتے تھے تاہم (علم میں اضافے کی غرض سے) درویش کے ہاں گئے۔ درویش نے خادم کو حکم دیا کہ جنید کے ہمراہ جتنے آدمی ہیں ان کو شمار کر کے اتنا ہی پانی سالن میں ڈال دینا۔ جب افطار کا وقت ہوا تو روٹی اور شوربا سامنے رکھا گیا۔ جنید چند دن وہاں رہے اور اس درویش سے استفسار کیا کہ میں آپ کے اس وعدے پر یہاں آیا تھا کہ آپ نے کہا تھا کہ جب تم میرے ہاں آؤ گے تو میں تم کو فتوت کا مطلب سمجھاؤں گا۔ درویش نے جواب دیا کہ فتوت کا مفہوم تو میں نے اسی وقت سمجھا دیا تھا جب آپ تشریف لائے تھے۔ بزرگوں کے نزدیک فتوت و جواں مردی یہی ہے وہ نہیں جو آپ نے کی تھی کہ ہر روز ایک اونٹ ذبح کرتے رہے اور فکر و اندیشے میں مبتلا ہوئے۔ اگرچہ یہ درست ہے کہ آپ اس زحمت سے تنگ نہیں آئے تھے، جب کہ میں نے اس گوشت اور شوربے کی مقدار میں جو روزانہ میرے ہاں استعمال ہوتا تھا، آپ کے احباب کی تعداد کے مطابق پانی ڈلوا دیا تھا۔ اگر آپ برسوں میرے ہاں رہتے تو مجھے کوئی فکر و اندیشہ نہ ہوتا۔ فتوت اسی کو کہتے ہیں کہ جواں مردی اس طور سے کی جائے کہ تکلیف و تشویش میں مبتلا نہ ہونا پڑے۔

منقول ہے کہ قطب عالم اکثر و بیشتر روزہ رکھتے اور اپنے احوال لوگوں پر ظاہر نہ فرماتے تھے۔ ایک روز والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضر تھے۔ والدہ نے فرمایا کہ تھوڑا سا کھانا موجود ہے تناول کر لو۔ قطب عالم روزے سے تھے۔ آپ نے اس کا اظہار پسند نہ کیا، والدہ سے عرض کیا کہ مہمان خانے میں لوگ ہیں، کھانا وہیں لے جاتا ہوں۔ جب کھانا مہمانوں کے سامنے رکھا تو انھوں نے کہا آپ بھی ہمارے ساتھ شریک ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اندر والدہ روک رہی تھیں۔ غرض آپ نے اس طور سے بات کی کہ ان کو یہ

معلوم نہ ہوسکا کہ آپ روزے سے تھے۔ آپ کو افطار کرانے والے (خادم) کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ قطب عالم نفلی روزے سے تھے۔ ایک شخص نے درخواست کی کہ وہ سرائے جا رہا ہے، حضرت اپنے آگے کا بچا ہوا کھانا مرحمت فرمائیں۔ اسے قطب عالم کے روزے کا علم نہ تھا۔ باوجود اس کے کہ نماز عصر کا وقت تھا، آپ نے روزہ افطار کر لیا اور اپنے آگے کا بچا ہوا کھانا شخص مذکور کو دے دیا۔ شیخ سعد نے عرض کیا کہ نفلی روزے کا افطار، خواہ میزبان کی خاطر سے ہو، عصر کے وقت بھی جائز نہیں ہے۔ حضرت نے فرمایا، میاں سعد روزہ توڑنے کی تو قضا ہے لیکن خود پسندی اور تکبر کی (بسبب گناہ عظیم کے) کوئی تلافی نہیں ہے۔ غرور اور تکبر نے بہت لوگوں کو برباد کر دیا ہے۔ کیا ہوا ہم روزہ توڑنے کی قضا کر لیں گے۔ سبحان اللہ آپ کے اخلاق حسنہ اور شوق عبادت کا کیا کہنا۔

منقول ہے کہ قطب عالم کثرت ریاضت اور مسلسل روزہ رکھنے کے سبب اس قدر ناتواں ہو گئے تھے کہ ایک روز آپ کے پائے مبارک لڑکھڑا گئے اور آپ زمین پر گر پڑے۔ پھر اٹھ کر فرمایا، اللہ کے نیک بندو! راستے سے اینٹ تو ہٹا دیا کرو (یہ فرمانا اس لیے تھا) تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ اینٹ سے ٹھوکر کھا کر پاؤں لڑکھڑا گئے نہ کہ روزے کے ضعف سے۔

شیخ مینا اور بعض دوسرے مشائخ کے اقوال و اعمال کے بیان میں

بیان کیا جاتا ہے کہ قطب عالم شیخ مینا بارہا نالہ کش ہو کر فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ اپنے دور کے کس بزرگ نے کس زمانے (حق تعالیٰ سے) فریاد کرتے ہوئے یہ اشعار کہے:

نہ طفلے بر سر بامے نہ برنائے سر کوئے
نہ پیرے بر در مسجد، ہمیں خالی ہماں خالی

(نہ کوئی لڑکا بالا خانے پر نہ کوئی جوان گلی کے نکڑ پر (نظر آتا ہے) نہ کوئی بزرگ شخصیت مسجد کے دروازے پر دکھائی دیتی ہے۔ یہ جگہ بھی خالی پڑی ہے اور وہ بھی خالی ہے۔)

مجالس حلقہ رو رفتہ مدارس مندرس گشتہ

مساجد جملہ بشکستہ منابر ہمچناں خالی

(علم کی) مجلسیں ناپید ہو گئیں، مدرسے ویران ہو گئے، تمام مسجدیں کھنڈر بن گئیں اور منبر خالی پڑے ہیں۔)

ملایک می کند نوحہ کہ یا رب ایں چہ روز آمد

کہ تا پیش از قیامت شد زمردم ایں جہاں خالی

(فرشتے ماتم کر رہے ہیں کہ پروردگار! یہ کیسے دن آگئے کہ قیامت سے پہلے ہی دنیا انسانوں سے خالی ہو گئی۔)

افسوس صد افسوس! قیامت قریب ہے۔ توبہ اور استغفار کرنی چاہیے اور ایسے کاموں سے بچنا چاہیے جو حق تعالی کی یاد سے غافل کر دیں۔

منقول ہے کہ (ایک دفعہ) مفید باتوں کو جو مشائخ بیان کرتے ہیں، تحریر کرنے کا ذکر ہونے لگا۔ اس مجلس میں شیخ سعد نے بیان کیا کہ جب اس فقیر نے "رسالہ مکیہ" کی شرح، جو شیخ قطب الدین دمشقی کی تصنیفات میں سے ہے، اپنے پیر قطب عالم کے فوائد کے ساتھ لکھنی شروع کی تو مجھے کچھ عرصے تک قطب عالم کے مزار پر حاضری کی فرصت نہ مل سکی۔ ایک شب میں نے پیر ممدوح کے جمال جہاں آرا کو اس جگہ خواب میں دیکھا جہاں آپ حالت حیات میں دن کے وقت آرام فرماتے تھے۔ آپ لیٹے ہوئے تھے۔ جیسے ہی آپ نے اس فقیر کو دیکھا اسی لطف و کرم کے ساتھ جو (میرے حال پر) رکھتے تھے، اپنی موتی برسانے والی زبان سے ارشاد فرمایا۔ خیریت ہے، میں نے کچھ عرصے سے تم کو دن میں نہیں دیکھا۔ میرے دل پر خوف طاری ہو گیا۔ بے ساختہ میری زبان

سے نکلا کہ میں رسالہ مکیہ کی شرح میں ان فوائد کو جو میں نے حضرت سے سنے ہیں شامل کر کے ملفوظ کے اسلوب میں لکھ رہا ہوں۔ ان کلمات کو سن کر قطب عالم بہت مسرور ہوئے۔ آپ کی قلبی مسرت آپ کے تبسم اور چہرے کی تازگی سے عیاں تھی۔ آپ نے "عوارف (المعارف) کا ایک بہت اچھا نسخہ تکیے کے نیچے سے نکال کر اس فقیر کے ہاتھ میں دیا کہ اس کا مطالعہ کرو اور اس کا دیباچہ (غور سے) پڑھو۔ جب میں نے پڑھا تو عرض کیا کہ بعض مقامات پر اس کا اور رسالہ مکیہ کا دیباچہ ہم مضمون ہیں۔ فرمایا ہاں جیسا تم کہتے ہو ویسا ہی ہے، اس میں سے بھی فوائد تلاش کرو۔ بے شک اس شاہ جہاں اور سردار زماں کو مسرت کیوں نہ ہو گی کہ علم سلوک میں جو تمام علوم میں سب سے اعلیٰ اور تمام کاموں کا مقصود ہے، مشغول ہونا کامل اثر رکھتا ہے، نیز ان فوائد کا جو شیخ سے سنے گئے ہیں تحریر کرنا بے حد ثواب کا حامل ہوتا ہے۔ قطب عالم نے بار بار فرمایا کہ مخدوم شیخ نظام الحق والدین نے قطب العالم شیخ قطب الحق کی گفتگو سے (کچھ باتیں) "راحت القلوب" میں تحریر کی ہیں۔ سبحان اللہ! وہ مرید باسعادت ہے جو اپنے شیخ کی زبان سے جو کچھ سنتا ہے اس پر اپنی توجہ مرکوز رکھتا ہے اور پھر اس کو ضبط تحریر میں لاتا ہے کیونکہ بزرگان دین کے جو اقوال روایتوں میں بیان کیے گئے ہیں جب مرید اپنے پیر سے سن کر تحریر کرتا ہے تو (کارکنان قضا و قدر) ہر حرف کی تعداد کے حساب سے جو تحریر ہو اطاعت کا ثواب اس کے اعمال نامے میں ثبت کر دیتے ہیں اور مرنے کے بعد اس کی جگہ علیین میں ہوتی ہے۔

ابواب کے فصوص (نگینوں) کے بیان میں:

اگر کسی شخص نے اپنی نادانی کے باعث کسی جاہل (پیر) کی یا اہل بدعت میں سے کسی فرد یا ایسے شخص کی جس میں بدعت کا تھوڑا سا بھی اثر ہو پیروی کی اور

ارادت اختیار کی یا اس کے ہاتھ سے باطل خرقہ پہنا تو اس پر لازم ہے کہ وہ واپس اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہو اور تجدید بیعت کرے اور شیخ کی رضا سے خرقہ پہنے تا کہ گمراہی سے بچے اور ہلاکت و ضلالت کے گڑھے میں نہ گرے۔

(اسی نکتے پر) شیخ قوام الدین کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ علمائے شریعت جو حق کی طرف حق کے ساتھ ہدایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ اگر مقتدیوں نے کسی امام کے پیچھے اس گمان کے ساتھ نماز پڑھی کہ وہ باوضو ہے اور بعد نماز انھیں معلوم ہوا کہ امام بے وضو تھا تو تمام نمازیوں پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز دہرائیں، اسی طرح (اکابر صوفیہ) کا فتویٰ ہے کہ ایسے مرید جو نیک گمان کے ساتھ (اپنے شیخ) کی کامل فرمانبرداری اور صوفیہ کے مسلمہ طریقے کے مطابق پیروی کرتے ہیں، جب بعض علامات سے ان پر یہ امر واضح ہو جائے کہ وہ ایسے شخص کی تقلید کرتے رہے جس کا عمل سنت سے خالی تھا تو جیسا کہ شیخ (سہروردی) نے عوارف میں فرمایا ہے " من یوھل بالاقتدا. و من لا یوھل (کون اقتدا کی اہلیت رکھتا ہے اور کون اہلیت نہیں رکھتا) ان پر از روئے طریقت واجب ہے کہ ناقص پیر کی تقلید چھوڑ کر شیخ حقانی کی جانب متوجہ ہوں، تا کہ حق تعالیٰ ان کو کمال عطا کرے۔ اگر اس کے باوجود کوئی مرید اسی نقصان میں رہے اور اسی ناقص شیخ کو پسند کرے نیز کمال کا طلب گار نہ ہونا چاہے اور اولیائے الٰہی کا پسندیدہ طریقہ اختیار نہ کرے تو ابد تک نقصان میں رہے گا اور اولیا کے طریق سے جو حق تعالیٰ کا خاص اور تائید کیا ہوا راستہ ہے محروم رہے گا۔

منقول ہے کہ (مجلس میں) رسالہ مکیہ کی شرح کا ذکر آ گیا کہ بعضے مشائخ نماز عصر کے بعد غروب آفتاب تک، یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم کا ذکر کرتے ہیں گویا حق تعالیٰ کے تین ہزار نام اور ان ناموں کو پکار کر جو تحریر میں آ چکے ہیں، زیادہ فضل حاصل کرتے ہیں۔ اس موقعے پر قطب عالم نے فرمایا کہ "فوائد الفواد" میں آیا ہے کہ اگر کوئی

شخص کسی بیماری یا مصیبت میں گرفتار ہو جائے اور وہ تکلیف کسی تدبیر اور علاج سے رفع نہ ہو تو اسے چاہیے کہ جمعے کے دن نماز عصر کے بعد کسی کام میں مشغول ہونے کے بجائے ان کلمات یعنی یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم کا مسلسل ذکر کرے (انشاء اللہ) اسے اس تکلیف سے چھٹکارا حاصل ہو جائے گا۔

• بیان کیا گیا ہے کہ (مجلس میں) سائل کو کھانا کھلانے کا ذکر آ گیا۔ اس موقعے پر قطب عالم نے فرمایا۔ (ایک دفعہ) ایک کافر نے حضرت ابراہیم سے کھانا طلب کیا۔ حضرت ابراہیم نے اسے کھانا دینے میں تامل فرمایا۔ حق تعالی نے آپ پر وحی بھیجی کہ ہم برسہا برس سے اسے رزق عطا کر رہے ہیں اور آپ ایک وقت کا کھانا کھلانے سے تنگ آ گئے۔ حضرت ابراہیم اس شخص کے پیچھے دوڑے تاآنکہ آپ نے اسے جا پکڑا، اور اس کی خوب خاطر مدارات کی۔ اس کافر نے آپ سے دریافت کیا

من ادبک قال ابراھیم ادبنی اللہ فاسلم الکافر و قال
نعم الرب ربا عاتب لخلیلہ بسبب عدوہ

یعنی آپ کو کس نے ادب سکھایا، ابرہیم نے فرمایا کہ مجھ کو حق تعالی نے یہ ادب سکھایا (یہ جواب سن کر) وہ کافر مسلمان ہو گیا اور کہنے لگا کہ کیسا اچھا پروردگار ہے کہ غیروں کی خاطر اپنوں پر عتاب فرماتا ہے۔

منقول ہے کہ اس بات کا ذکر ہونے لگا کہ خدائے تعالی نے اس قدر آفتیں مقرر کیں، پھر اپنے فضل و کرم سے ہم کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔ نفس و شیطان کو مقرر کیا ہے، چنانچہ ان کی کوشش ہوتی ہے کہ ہم پر حق تعالی کے کرم کی راہ نہ کھلے۔ اس موقعے پر قطب عالم نے فرمایا کہ ایک شخص نے سالہاسال اپنی عمر طاعت الہی میں بسر کی اور ایک ساعت بھی احکام الہی سے تجاوز نہ کیا۔ ناگاہ وہ شخص کسی گناہ میں

مبتلا ہو گیا۔ اس نے چاہا کہ ارحم الراحمین کی بارگاہ میں (توبہ کر کے) بندگی اختیار کرے۔ شیطان نے اسے ورغلایا کہ تجھے شرم نہیں آتی کہ (گناہ کی) آلودگی کے ساتھ تو خدائے پاک کی مقدس بارگاہ میں قدم رکھ رہا ہے۔ (غرض شیطان نے) چاہا کہ اسے راستے سے بھٹکا دے اور توبہ سے باز رکھے۔

شیخ قوام الحق والدین فرماتے ہیں:

گر مفسدم من زان او ور مصلحم من زان او
او زان من من زان او تو درمیان کیستی

(اگر میں فساد کرنے والا ہوں تو اس کا ہوں اور اصلاح کرنے والا ہوں تو اس کا ہوں۔ میں اس کا ہوں وہ میرا ہے، تو کون ہے جو ہمارے درمیان آتا ہے؟)

منقول ہے کہ توحید سے متعلق ذکر چھڑ گیا، بایزید رحمۃ اللہ علیہ نے توحید کے میدان میں تقریر کی یہاں تک کہ وہ دارالتفرید کے قریب ہو گئے حتی کہ معرفت کی وادی سے ملحق ہو گئے، پھر تجھے پیاس لگے گی تو حق تعالی تجھے پلائیں گے جس کے بعد تجھے کبھی پیاس نہیں لگے گی۔ بعض اہل تحقیق نے کہا ہے کہ التوحید بحر لاساحل له، توحید ایسا سمندر ہے جس کا ساحل نہیں ہے۔ جو اس گہرے سمندر میں غرق ہو گیا، اس کی تشنگی روز بروز بڑھتی رہے گی جیسا کہ شیخ فخر الدین عراقی نے کہا ہے:

ماچنیں تشنہ و زلال وصال
ہمہ عالم گرفتہ مالا مال

(ہم اسی طرح سے پیاسے ہیں اور تمام عالم وصال کے میٹھے صاف پانی سے لبریز ہے)

غرق آبیم و آب می جوئیم
در وصالیم و بے خبر ز وصال

(پانی میں غرق ہو چکے ہیں پھر بھی پانی تلاش کر رہے ہیں۔ حالت وصال میں ہیں لیکن

وصال سے بے خبر ہیں۔)

قال بعضهم التوحيد اسقاط الاضافات یعنی بعضے بزرگوں نے کہا ہے، توحید یہ ہے کہ (حق تعالی کی ذات میں) کسی غیر حق شے کا اضافہ نہ کیا جائے۔ شیخ فرید الدین عطار اس حقیقت کو اس طرح بیان کرتے ہیں:

نکو گوی نکو گفت است در ذات

کہ التوحید سقاط الاضافات

(تو نے اچھی بات کہی کہ ذات کے بارے میں کیا خوب کہا گیا ہے کہ توحید (ذات الٰہیہ پر کسی شے کا) اضافہ نہ کرنے کو کہتے ہیں۔)

لوگوں نے کسی بزرگ سے دریافت کیا کہ توحید کسے کہتے ہیں؟ بزرگ نے جواب دیا کہ اس سوال سے تین معنی لازم آتے ہیں، اول توحید کا وجود، دوم توحید کو وجود میں لانے والے کا وجود، اور سوم توحید کو ماننے والے کا وجود۔ (ظاہر ہے) کہ اس صورت میں یہ مسئلہ ثالث ثلثہ سے مشابہت رکھتا ہے اور بنیادی طور پر توحید کی نفی کرتا ہے۔ اس حقیقت کے پیش نظر حسین منصور (الحلاج) نے فرمایا ہے، ابرئک عما یوحدک الموحدون یعنی میں تجھے بری کرتا ہوں اس توحید سے جس کے (عام) موحد قائل ہیں۔

پاک زانہا کہ غافلاں گفتند

پاک تر زانکہ عاقلاں گفتند

(اے اللہ تو ان باتوں سے پاک ہے جو بے خبر لوگ کہتے ہیں اور ان باتوں سے پاک تر ہے جو اہل عقل کہتے ہیں۔)

امام فخر الدین رازی (حقیقت) توحید پر گفتگو کر رہے تھے۔ ایک بوڑھی عورت بھی اس مجلس میں موجود تھی۔ اس نے کہا (اے امام) آپ کو سورہ اخلاص سے شرم

نہیں آتی جو توحید پر گفتگو کر رہے ہیں اور یک تائی کی راہ میں گام زن ہیں۔ امام فرماتے تھے کہ میں نے اس بوڑھی عورت سے (توحید) سیکھی۔

توحید صحیح قل اللہ بس است

(صحیح توحید یہی ہے، کہدے اللہ ہے)

اس موقعے پر قطب عالم شاہ مینا نے فرمایا کہ امام فخر الدین رازی نے چند کتابیں توحید (کے مسئلے) پر لکھی تھیں۔ایک عورت نے دریافت کیا اے امام آپ نے معرفت حاصل کرنے کے بعد توحید پر لکھا ہے یا معرفت حاصل کرنے سے پہلے۔ اگر آپ کا جواب ہے معرفت حاصل کرنے کے بعد، تو یہ بتائیں کہ حصول معرفت کے بعد (اس مسئلے پر) کچھ لکھنے کی کیا گنجائش ہے اور اگر آپ یہ کہیں کہ یہ تحریر حصول معرفت سے پہلے کی ہے تو بتائیں کہ کسی مسئلے پر اس کو سمجھے بغیر لکھنے کا حاصل کیا ہے؟

ایک بزرگ کا قول ہے کہ (معرفت) توحید کی علامت توحید کو بھول جانا ہے، یعنی موحد مقام مشاہدہ میں حق تعالی کی وحدانیت میں اس قدر غرق ہو جائے کہ (استغراق کا) احساس تک مٹ جائے اور سوائے مشاہدہ حق کے کچھ باقی نہ رہے۔ اسی بنا پر قطب عالم شاہ مینا فرماتے تھے کہ توحید کا دعوی ایسے شخص کو زیب دیتا ہے کہ اس کی زبان سے نہ تلخ بات نکلے نہ شیریں۔

آنحضرت پر درود و سلام کے بارے میں چند ارشادات پیغمبر

فصل ذکر آگیا کہ مصابیح میں فرمایا گیا ہے، من صلی علی صلوۃ صلی اللہ علیہ عشر واحطت عنه عشر خطیئات ورفعت له عشر درجات (یعنی جس نے مجھ پر ایک بار درود پڑھا، اللہ تعالی اس پر دس بار رحمت فرمائے گا اور اس کے دس گناہ معاف ہو جائیں گے اور اس کے دس درجے بلند ہو جائیں گے)۔ اس موقعے پر قطب عالم نے فرمایا کہ آں حضرت نے فرمایا :من صلی علی مرۃ لم یبق من الذنوب ذرۃ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس نے مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھا، اس کے

گناہوں میں سے ایک ذرہ بھی باقی نہ رہے گا۔) اسی سلسلے میں قطب عالم نے یہ بھی فرمایا کہ آں حضرت کی یہ حدیث شعر کے اسلوب میں ہے اور قرآن مجید میں ہے وما علمناہ الشعر و ما ینبغی له (اور ہم نے آپ کو شاعری کا علم نہیں دیا اور نہ وہ آپ کے شایان شان ہے) اس لیے کہ اس میں نفع کم ہے اور مشقت زیادہ ہے۔ پھر (قطب عالم نے) خود ہی جواب میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیث قصداً نظم و شعر کے اسلوب میں نہیں فرمائی، اسی طرح آں حضرت نے فرمایا، انا النبی لاکذب انا ابن عبدالمطلب یعنی بے شک و شبہ میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں ہے، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

میں کہتا ہوں کہ فقہ کی کتابوں میں شعر کو دانائی کی کتابوں میں اختصار پیدا کرنے، اسلام کی مدد کرنے اور حق تعالی کی حمد و ثنا کرنے کی بنا پر جائز قرار دیا گیا ہے چنانچہ حدیث مذکور جو شعر کے اسلوب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی گئی ہے اختصار کلام کے ضمن میں آتی ہے اور اختصار کلام فن شعر میں داخل نہیں ہے۔

منقول ہے کہ کسی شخص نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھا۔ اس نے ان کے حال کے بارے میں معلوم کیا کہ آپ کا معاملہ کیا رہا اور حق سبحانہ تعالی نے آپ کو کیا انعام دیا؟ انھوں نے جواب دیا:

مجھے علم اور عمل نے اتنا نفع نہیں دیا جتنا پانچ درودوں نے۔ پس تحقیق میں ان پانچ درودوں کے باعث بخشا گیا جو میں آپ پر پڑھتا رہا۔ وہ پانچ درود یہ ہیں:

اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیج بشمار ان لوگوں کے جنھوں نے ان پر درود بھیجا۔

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیج بشمار ان لوگوں کے جنھوں نے درود نہیں بھیجا۔

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیج جیسے آپ محبوب رکھتے ہیں اور پسند فرماتے ہیں کہ ان پر درود بھیجا جائے۔

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیج جیسا آپ نے ہمیں ان پر درود بھیجنے کا حکم دیا ہے۔

اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت بھیج جیسا کہ ان پر درود بھیجنے کا حق ہے۔

اس محل پر شیخ سعد نے بیان کیا ہے کہ ایک رات میں نیند سے بیدار ہوا اور تہجد کے نوافل ادا کرنے کے بعد سبق پڑھنے میں مشغول ہو گیا۔ اس دوران مجھے اونگھ آ گئی۔ یکایک میں نے خواب میں دو ہستیوں کو دیکھا۔ ان میں سے ایک نے دوسری ہستی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے مجھے بشارت دی اور کہا کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ میں نے خواب ہی میں آپ کے جمال جہاں آرا کے دیدار کو سعادت دارین یقین کرتے ہوئے اپنے حقیر چہرے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے مبارک پر ملا اور ان کے بوسہ دینے کو ایسا جانا کہ دولت کونین حاصل ہو گئی۔ حضور علیہ السلام نے فارسی زبان میں گفتگو فرمائی اور فرمایا: تم یہ پانچ درود پڑھا کرو اللھم صل علی محمد بعدد من صلی علیہ آخر تک میں نے اما بنعمت ربک فحدث (الضحی : ۱۱) کے حکم کے مطابق اس بشارت کو لکھنا اور کہنا واجب محسوس کیا کہ طالبین یہ درود پڑھا کریں اور قدیم ہی سے بزرگوں کا یہ دستور رہا ہے کہ طالبین کے اندر شوق پیدا کرنے کے لیے غیبی حقائق کو بیان کرتے ہیں اور انھیں بارگاہ الٰہی تک لے جاتے ہیں۔

چنانچہ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ میں نے پروردگار عالم کو (خواب میں) ہزار مرتبہ دیکھا۔ ہر بار میں نے عرض کیا، باری تعالی عذاب اور سختی سے نجات پانے کی کیا صورت ہے۔ حق تعالی نے ہر بار یکسوئی کے ساتھ قرآن حکیم پڑھنے کا حکم دیا۔ پھر میں نے عرض کیا، سمجھ کر یا بغیر سمجھے ہوئے۔ حق تعالی نے فرمایا خواہ سمجھ کر پڑھو یا

بغیر سمجھے۔

حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی فرمایا ہے کہ میں نے رسول اللہ علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا، یا رسول اللہ کیا یہ درست ہے کہ آپ صوفیہ کے سماع کو نامنظور فرماتے ہیں۔ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا، میں نامنظور نہیں کرتا لیکن صوفیوں سے کہو کہ سماع شروع کرنے سے پہلے اور ختم کرنے کے بعد کلام الہی پڑھا کریں۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ لوگ مجھے اذیت دیتے ہیں اور مجھ پر سختی کرتے ہیں؛ آپ نے فرمایا انھیں چھوڑ دو۔

بیان کیا گیا ہے، (مجلس) میں اس بات کا ذکر تھا کہ رفیق دائمی وہ شخص ہوتا ہے کہ جس قدر مال و دولت اس کے پاس ہے وہ دوست پر نچھاور کر دے۔ اس پر قطب عالم نے فرمایا کہ ایک دن رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا، میں کسی وقت مکے سے مدینے ہجرت کروں گا۔ جب آں حضرت علیہ السلام نے مکے سے باہر نکلنے کا قصد فرمایا تو آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو انتظار کرتے ہوئے پایا۔ آپ نے فرمایا، اے ابو بکر آپ کو کس نے میرے جانے کی اطلاع کی۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول جس دن آپ نے فرمایا تھا کہ میں کسی وقت ہجرت کر جاؤں گا، اسی دن سے میں (ساتھ چلنے کے) انتظار میں ہوں، ہر رات چند ساعت در دولت پر حاضر ہوتا ہوں اور حالات معلوم کرتا رہتا ہوں۔ چنانچہ (آج) اس سعادت سے بہرور ہوا کہ آپ کی رکاب میں رہوں۔

ہر کہ او ہم رنگ یار خویش نیست

عشق او جز رنگ و بوئے بیش نیست

(وہ عاشق جس نے خود کو اپنے محبوب کے رنگ میں نہیں رنگا، اس کا عشق ظاہر پرستی سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔)

فصل ۔ منقول ہے کہ پرہیز گاری کا ذکر چل نکلا کہ تابعین میں سے ایک بزرگ انگور نہیں کھاتے تھے۔ لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ انگور کیوں نہیں کھاتے حالانکہ اس حضرت نے انگور تناول فرمائے ہیں، علاوہ ازیں حق سبحانہ تعالی نے بندوں پر انگور کھانے کے احسان کا واضح طور پر ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے، فانبتنا فیھا حبا و عنبا (عبس : ۲۷) (ہم نے پیدا کیا اس میں غلہ اور انگور)۔ انھوں نے جواب دیا، مجھے معلوم ہے کہ اس حضرت نے انگور تناول فرمائے ہیں لیکن مجھے اس بات کا علم نہیں کہ آپ نے جفت کی صورت میں تناول فرمائے یا طاق عدد میں۔ جب تک آپ کے تناول فرمانے کا طریقہ تحقیق نہ ہو میں کس طرح انگور کھا سکتا ہوں، مبادا میرا عمل خلاف سنت ہو جائے۔

اس محل پر قطب عالم نے فرمایا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اکثر و بیشتر ایک ہی شب میں جملہ شرائط آداب اور حضوری قلب کے ساتھ تین سو رکعت نوافل ادا فرمائے تھے۔ ایک دن آپ نے اپنے کانوں سے سنا کہ ایک شخص دوسرے شخص سے کہہ رہا تھا کہ یہ صاحب (ابو حنیفہ) ایک رات میں پانسو رکعت نماز پڑھتے ہیں۔ امام اعظم نے اسی دن پانسو رکعتیں اپنے اوپر لازم کرلیں، محض اس لیے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریقہ تھا کہ اگر کوئی شخص ان کو کسی عمل صالح کا عامل گمان کرتا اور اگرچہ ان کا عمل گمان کردہ افعال حسنہ پر نہ ہوتا تو وہ اس شخص کے حسن ظن کے مطابق اس فعل حسنہ پر عمل شروع کر دیتے تاکہ انھیں یحبون ان یحمدو ابما لم یفعلوا (آل عمران : ۱۸۸) (اور جو کام نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو) میں شامل نہ کیا جائے۔ امام اعظم نے دوسری بار ایک رہ گزر میں ایک بچے کی زبان سے سنا کہ ابو حنیفہ ایک رات میں ایک ہزار رکعت نماز پڑھتے ہیں چنانچہ آپ نے اس دن سے ایک ہزار رکعتیں اپنے اوپر لازم کرلیں۔ پھر کسی دن راستے میں جاتے ہوئے آپ نے کسی شخص سے سنا کہ ابو حنیفہ تمام شب قیام کرتے ہیں اور ایک لمحہ آرام نہیں کرتے۔ مسلمانوں کے امام نے عہد کر

لیا کہ آج سے رات کو نہیں سوؤں گا چنانچہ اس دن سے تین سال تک آپ عشا کے وضو سے نماز فجر ادا کرتے رہے۔

داؤد طائی سے متعلق بعض واقعات

قطب عالم یہ بھی فرماتے تھے کہ امام داؤد طائی زہاد صحابہ رضوان اللہ علیہم سے فیض حاصل کرنے والے لوگوں میں سے تھے۔ ایک خراب و خستہ مکان ان کی ملکیت تھا۔ اس کا بھی یہ حال تھا کہ آدھے مکان میں سایہ رہتا اور آدھے مکان میں دھوپ رہتی۔ جب آفتاب بلند ہونے لگتا تو ان کی شفیق والدہ ان پر سایہ کر دیتیں۔ امام داؤد حق تعالیٰ کی یاد میں اس قدر غرق رہتے تھے کہ انھیں دھوپ اور سایے کا احساس ہی نہ ہوتا تھا۔ ایک روز ان کی والدہ کسی کام میں مشغول ہو گئیں اور انھیں امام پر سایہ کرنے کا خیال نہ رہا۔ امام اسی تیز دھوپ میں مشغول بہ حق رہے۔ والدہ نے کام سے فارغ ہو کر (دیکھا تو وہ دھوپ میں بیٹھے ہوئے تھے) ان سے کہا بیٹے سایے میں کیوں نہ آ گئے، دھوپ میں بیٹھے جل رہے ہو۔ امام نے عرض کیا، مادر مہربان میں یاد حق میں اتنا محو تھا کہ گرمی اور دھوپ کا احساس ہی نہ ہوا:

تا ذوق در دلم خبرے می دہد ز دوست
از طعنہ دشمن بخدا گر خبر ہستم

(جب تک ذوق میرے دل کو محبوب کی خبر دیتا ہے، خدا کی قسم میں دشمن کے طعنے سے بے خبر ہوتا ہوں۔)

قطب عالم یہ بھی فرماتے تھے کہ امام داؤد طائی کے نزدیک نماز باجماعت فرض ہے۔ جب وہ جماعت کے لیے گھر سے نکلتے تو مخلوق ان کی زیارت کے لیے دوڑ پڑتی حتی کہ ایک بھیڑ ان کے گرد جمع ہو جاتی۔ امام بھیڑ سے بہت گھبراتے تھے۔ انھوں نے بارگاہ الٰہی میں گڑگڑا کر دعا کی بار الٰہا! میرے نزدیک جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا فرض ہے، لیکن لوگ ہمیشہ اس فرض کی ادائیگی میں میرے آڑے آتے ہیں۔ ان کی بھیڑ بھاڑ

مجھے پسند نہیں۔ مجھے کسی ایسی مصیبت میں مبتلا کر دیجیے کہ مجھ پر نماز باجماعت ساقط ہو جائے اور میں گھر سے نہ نکل سکوں تاکہ اس بھیڑ بھاڑ سے چھٹکارا مل جائے اور میں اطمینان سے گھر کے گوشے میں بیٹھا ہوا آپ کی یاد میں مشغول رہوں ماشغلک عن الحق فھو ضم (ذم او مردود) والشھرۃ آفۃ و الخمولۃ راحۃ (یعنی اگر تیرا شغل تجھے اللہ سے دور رکھے تو یہ بات ناپسندیدہ ہے اور شہرت آفت ہے اور گوشہ گیری میں راحت ہے۔) حق تبارک وتعالی نے ان کی دعا قبول فرما لی اور ان پر ہوا مسلط کر دی جس کے باعث امام اپنی جگہ سے نہ تو ہل سکتے تھے نہ گھر سے باہر جاسکتے تھے۔

قطب عالم نے یہ بھی فرمایا کہ مولانا ضیاء الدین برنی کی تصنیف "حسرت نامہ" میں تحریر ہے کہ خلیفہ بغداد ہارون رشید جو آں حضرت علیہ السلام کے چچا (حضرت عباس) کی اولاد میں سے تھا، رات کے وقت امام داؤد اور دوسرے زاہدوں سے ملاقات کرنے جاتا تھا لیکن وہ ہارون رشید سے نہیں ملتے تھے۔ اس کے بعض ملازمین نے ملامت کی کہ آپ اولوالامر (النساء : ۵۹) اور مصطفےٰ علیہ السلام کے عم زاد ہیں، آپ کا ان زاہدوں اور فقیروں کے دروازے پر جانا اچھا نہیں لگتا۔ ہارون نے جواب دیا کہ بے شک وہ لوگ مجھ سے ملاقات نہیں کرتے لیکن میرا ان کے ہاں جانا محض اللہ کے لیے ہے تاکہ میں اپنی زندگی کی ایک دو گھڑی کو برائی سے اچھائی میں تبدیل کر سکوں۔ ایک اعتبار سے میرا یہ عمل دنیا میں ملوث ہونے کا کفارہ ہے، اس کے علاوہ مجھے ثواب کی بھی امید ہے۔ ان حضرات نے حق تعالی کی محبت میں دنیا کو اپنا دشمن قرار دیا ہے اسی باعث مجھے اندر نہیں بلاتے اور ملاقات نہیں کرتے۔

(بعد ازاں) بعض مخبروں نے ہارون کو خبر دی کہ امام داؤد ہر شب جمعہ کو اپنے ہمسائے کے ہاں جو اپنی محنت سے روزی کماتا ہے اور تارک الدنیا ہے، جاتے ہیں۔ اگر خلیفہ اس ہمسائے کو واسطہ بنائے تو امام داؤد سے ملاقات ہو سکتی ہے۔

رات کو خلیفہ پیدل چل کر داؤد طائی کے ہمسائے کے گھر گیا۔ اس نے بہت سی معذرت کی اور کہا کہ میں ایک غریب آدمی ہوں اور محنت کر کے اپنے بال بچوں کا پیٹ پالتا ہوں۔ مجھ جیسے مفلس کے ہاں روئے زمین کے خلیفہ جو تشریف لائے تو ایسی کون سی غرض ہو سکتی ہے جو میں پوری کروں۔ اگر اہل بغداد یہ بات سنیں کہ خلیفہ پا پیادہ اس خادم کے ہاں تشریف لائے تھے تو سب کے سب غریب خانے پر ہجوم کریں گے۔ میں ان لوگوں کی پذیرائی کے سبب، روزی پیدا کرنے سے قاصر رہوں گا تو بال بچوں کا خرچ کہاں سے مہیا کروں گا۔ خلیفہ نے اس شخص کی غایت درجے سچائی اور بے چارگی کو محسوس کر کے اس کی معذرت کو سنا۔ اشرفیوں سے بھری ہوئی دو تھیلیاں اس کے سامنے رکھیں۔ زاہد نے عرض کیا کہ میں مدتوں سے اپنے گھر کے گوشے میں چند رکعت نماز ادا کرتا رہا ہوں اور مجھے رد کرنے یا قبول کرنے کے بارے میں کچھ علم نہیں ہے۔ اس معمولی طاعت کے علاوہ کوئی مال نہیں رکھتا کہ اسے صدقہ کروں نہ مجھ میں قوت ہے کہ جہاد کے لیے چلا جاؤں، نہ ترک عیال کر کے زندگی بسر کرنے کی صلاحیت رکھتا ہوں۔ اتنا علم بھی نہیں رکھتا جو دوسروں تک پہنچاؤں۔ آپ کی عطا کردہ اشرفیوں کی یہ تھیلیاں میرے کس کام کی ہیں۔ مجھ میں یہ تاب و مجال کہاں کہ مالک بیت المال کا قرب حاصل کروں۔ کل قیامت کے دن کس طرح اشرفیوں کی ان دو تھیلیوں کا حساب دے سکوں گا۔

ادھر زاہد اپنی مجبوری بیان کرتے جاتے تھے ادھر خلیفہ بے اختیار روتا جاتا تھا، بالآخر اس نے اپنے خادموں کو حکم دیا کہ ان زاہد کے سامنے سے دونوں تھیلیاں اٹھا لیں اور بہت ہی انکسار کے ساتھ زاہد سے کہا کہ میں تو آپ کی خدمت میں ایک حاجت لے کر آیا ہوں، اگر آپ پوری کر سکتے ہیں تو کر دیں۔ زاہد نے کہا، اگر میرے بس میں ہے تو کوئی کسر اٹھا نہ رکھوں گا۔ خلیفہ نے کہا، میں نے سنا ہے کہ داؤد طائی ہر شب

جمعہ کو آپ کے ہاں آتے ہیں۔ آپ ان کی خدمت میں میری جانب سے عرض کریں کہ میں صاحب امر ہوں، قبیلہ قریش سے ہوں، خاندان بنی ہاشم سے ہوں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی اولاد ہوں (میری گزارش صرف یہ ہے کہ) جب میں آپ کی زیارت کے لیے آؤں تو آپ مجھے نصیحت فرمایا کریں تاکہ میں اس پر عمل کروں۔ آپ کی نصیحتوں کے باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت، کو بہت نفع حاصل ہو گا۔ آپ مجھ سے ملنے میں دریغ نہ کریں۔ زاہد نے خلیفہ کی یہ بات مان لی کہ اگر شب جمعہ کو داؤد طائی تشریف لائیں گے تو میں آپ کا پیغام (اس شرط کے ساتھ) ان تک پہنچا دوں گا کہ خلیفہ اطمینان سے واپس چلے جائیں اور دوبارہ غریب خانے پر تشریف لانے کی زحمت نہ کریں۔ اگر خلیفہ پھر تشریف لائے تو میں بغداد سے کہیں چلا جاؤں گا۔ خلیفہ نے کہا کہ جب آپ نہ میرے سامنے آتے ہیں نہ مجھے اندر بلاتے ہیں تو مجھ تک داؤد طائی کا جواب کس طرح پہنچے گا۔ زاہد نے جواب دیا کہ اپنے کسی خادم سے کہنا کہ وہ جمعہ کی صبح کو یہاں آجائے اور داؤد طائی کا جواب لے جائے۔

جب شب جمعہ کو داؤد طائی زاہد کے ہاں آئے تو انھوں نے خلیفہ کا پیغام ان کی خدمت میں عرض کیا۔ داؤد طائی نے خلیفہ کا پیغام سنا تو رونے لگے اور کہا معلوم نہیں خلیفہ مجھ سے کیوں ملنا چاہتا ہے۔ وہ اگر زہد کا طلب گار ہے تو اسی شہر بغداد میں بہت سے زاہد ہیں جو مجھ سے بہتر ہیں (افسوس) اگر میں مشہور نہ ہوتا تو خلیفہ مجھ سے ملاقات کی تمنا نہ کرتا۔ داؤد طائی نے زاہد سے کہا کہ آپ خلیفہ کو کہلوا دیجیے کہ مجھے یہ معلوم ہے کہ تم صاحب امر اور رسول خدا کے چچا کی اولاد ہو۔ میں صرف اس خیال سے تم سے نہیں ملتا اور ہدیہ قبول نہیں کرتا کہ انجام کار میں لوگوں میں زاہد مشہور ہو جاؤں گا۔ بالفرض میں خلیفہ سے ملاقات کرنے لگوں اور اس کا ہدیہ قبول کروں تو اس صورت میں ہمارے بعد جو شخص زہد اختیار کرے گا اسے اس بات کا علم ہو چکا ہو گا کہ بادشاہوں

سے ملاقات کرنے اور ان سے کوئی چیز قبول کرنے سے درویشی باطل نہیں ہوتی کیونکہ (سلف میں) داؤد طائی بادشاہوں سے ملاقات کرتے اور ان سے ہدیہ قبول کرتے رہے ہیں۔ اگر خلیفہ میرے گھر اس خیال سے آنا چاہتا ہے کہ قیامت میں اس سے دنیا میں ملوث ہونے کی پوچھ گچھ نہ ہو تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ عاشقی کا دامن تھامنا عاشقان خدا سے سیکھے اور خود کو حق تعالی کی حمایت کے سپرد کر دے تاکہ ہر اس تکلیف سے جو اسے پہنچنے والی ہے اس سے چھٹکارا حاصل ہو جائے، زاہدوں کے دروازے سے یہ مقصد حاصل نہیں ہوسکتا۔ بہرحال جو حقیقت میرے علم میں تھی وہ میں نے بتا دی ہے، اب میں خلیفہ کے میرے ہاں آنے کے حق سے بری الذمہ ہوں۔ خواہ وہ میری نصیحت سنے یا نہ سنے یہ اس کا فعل ہے۔ جب خلیفہ کا خادم جمعہ کی صبح کو زاہد کی خدمت میں حاضر ہوا تو انھوں نے داؤد طائی کا جواب اسے سنا دیا تاکہ وہ خلیفہ تک اسے پہنچا دے۔

قطب عالم فرماتے ہیں کہ ایک دن خلیفہ ہارون رشید نے امام ابویوسف سے بے حد اصرار کیا کہ آپ امام داؤد سے میری ملاقات کرائیں۔ امام ابویوسف نے خلیفہ کے اصرار کو قبول کر لیا۔ دونوں ایک ساتھ داؤد طائی کے مکان پر پہنچے اور انھیں اپنے آنے کی اطلاع کرائی۔ امام داؤد کی والدہ باہر تشریف لائیں تو امام ابویوسف نے ان سے عرض کیا کہ آپ اپنے فرزند سے کہیں کہ خلیفہ آپ سے ملاقات کرنا چاہتا ہے۔ اگر حکم ہو تو میں اور خلیفہ دونوں اندر آجائیں۔ امام داؤد نے اندر سے کہلوایا کہ اے امام! خلیفہ سے کہو کہ وہ ایسے کام میں پڑے جو اسے بہتر معلوم ہو، میں خود ایسے کام میں مشغول ہوں جسے (سب کاموں سے) بہتر خیال کرتا ہوں۔ کل حزب بمالدیھم فرحون (المومنون : ۵۳) (ہر گروہ کے پاس جو دین ہے وہ اسی میں خوش ہے)۔ وللناس بما یعشقون مذاھب ۔ امام ابویوسف نے دوبارہ امام داؤد کی والدہ سے کہا، اپنے فرزند سے کہو، میں نے جو علم اسے سکھایا ہے اس کے حق کو مدنظر رکھتے ہوئے خلیفہ کو اندر آنے

کی اجازت دیں۔

امام داؤد نے جواب میں کہلوایا کہ اے امام وہی علم تو مجھے خلیفہ سے ملاقات کرنے سے باز رکھ رہا ہے۔ میں نے آپ سے یہ پڑھا ہے کہ ظالم شخص کے چہرے کو دیکھنا دل کو سیاہ کرتا ہے۔ اس دل کو جسے میں نے مدتوں نور محبت سے منور کیا ہے، میں نہیں چاہتا کہ ظالم شخص سے ملاقات کر کے اسے سیاہ کروں۔ آپ مجھے معاف رکھیں

امام ابو یوسف نے امام داؤد کی والدہ سے کہا کہ میں نے خلیفہ سے وعدہ کیا ہے کہ داؤد سے اس کی ملاقات کرا دوں گا۔ کوئی صورت ایسی ہونی چاہیے کہ داؤد خلیفہ سے ملنا قبول کرلیں تاکہ مجھے خلیفہ سے شرمندہ نہ ہونا پڑے۔ والدہ نے (اندر جا کر) داؤد سے کہا کہ میں نے تجھے جو دودھ پلایا ہے اس کا حق ادا کرتے ہوئے خلیفہ سے ملاقات کرو اور اس سے ملنے میں تکلف نہ کرو۔ (والدہ کا حکم سن کر) امام داؤد بارگاہ الٰہی میں رونے لگے اور گڑگڑا کر عرض کیا کہ بارالہا! آپ کا حکم ہے کہ جن لوگوں کا تم پر حق ہے ان کے حقوق کی رعایت کرنی چاہیے۔ اہل حقوق مجھے مجبور کر رہے ہیں، آپ مجھے معاف فرما دیں اور اس کام کے کرنے سے مجھے کسی عذاب میں مبتلا نہ کریں۔ امام داؤد نے اصحاب حقوق (استاد اور والدہ) کا مطالبہ منظور کرلیا لیکن یہ شرط رکھی کہ خلیفہ رات کو تنہا آ کر ملے۔

جب رات آئی تو امام ابو یوسف اور خلیفہ دونوں امام داؤد کے پاس آ گئے۔ امام داؤد نے چراغ گل کر دیا تاکہ اندھیرے میں خلیفہ کا چہرہ نظر نہ آئے کیوں کہ "ظالم شخص کے چہرے کو دیکھنا دل کو سیاہ کرتا ہے۔" امام ابو یوسف نے مصافحہ کے لیے ہاتھ بڑھایا لیکن امام داؤد نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ اس پر امام ابو یوسف نے کہا اے داؤد مجھ سے مصافحہ کرنے میں کیوں شک کرتے ہو۔ داؤد نے جواب دیا، اے امام مجھے معلوم ہے کہ آپ کا ہاتھ خلیفہ کے کھانے سے آلودہ ہے اور خلیفہ کا کھانا حرام کے شبہے سے خالی

نہیں، اس لیے ناچار میں نے اپنا ہاتھ مصافحہ کرنے سے روک لیا۔ ایک گھڑی بعد خلیفہ نے ایک ہزار دینار امام داؤد کے آگے رکھے اور عرض کیا کہ یہ دینار مجھے میرے والد کے ترکے سے ملے ہیں، انھیں قبول فرمائیں۔ امام داؤد نے کہا کہ اگر یہ دینار میں تم سے لے لوں تو امام اعظم جو میرے استاد بھی ہیں ان کی اپنی کمائی سے وہ چار سو درم جو وہ مجھے دینے کے لیے لائے تھے کیوں نہ قبول کروں۔ بہر حال امام داؤد نے خلیفہ کا ہدیہ قبول نہیں کیا۔

جب امام ابو یوسف اور خلیفہ مجلس سے اٹھے تو امام ابو یوسف نے امام داؤد کی والدہ سے دریافت کیا کہ داؤد کی گزر بسر کس طرح ہوتی ہے۔ والدہ نے جواب دیا کہ اپنے والد کے ترکے سے چند (سو) درم انھیں ملے تھے ان ہی سے اپنا کام چلا رہے ہیں۔ سارے درم ایک بقال کے حوالے کر دیے ہیں، ان میں سے روزانہ ایک دانگ سے سامان خور و نوش مہیا کر لیتے ہیں اور دعا کرتے رہتے ہیں کہ خدایا جب اس مال میں سے کچھ باقی نہ رہے تو داؤد کو یہاں سے اٹھا لینا۔ امام ابو یوسف نے بقال سے معلوم کیا تو پتہ چلا کہ اب صرف چند درم باقی رہ گئے ہیں۔ امام نے اپنے دل میں حساب لگایا تو چند دنوں کا خرچ باقی رہ گیا تھا۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ تمام درم صرف ہو جانے کے بعد داؤد حیات جاودانی کی جانب گام زن ہو جائیں گے، چنانچہ جس دن امام داؤد کے درم ختم ہوئے امام ابو یوسف نے ایک شاگرد کو بھیجا کہ داؤد کا حال معلوم کرے کہ آیا زندہ ہیں یا وفات پا گئے۔ جب شاگرد ان کے مکان پر پہنچا تو خبر ملی کہ داؤد صبح کو اس سرائے فانی سے ملک جاودانی کی طرف کوچ کر گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر رحمت واسعہ فرمائے۔

شرح التعرف (لمذہب اہل التصوف) میں بیان کیا گیا ہے کہ امام داؤد، امام ابو حنیفہ کے شاگرد تھے اور ان کے اصحاب میں سب سے زیادہ علم دین کے جاننے والے تھے۔ اتفاقاً ایک مسئلے پر امام ابو یوسف اور امام محمد کے درمیان اختلاف پیدا ہو گیا۔ امام

داؤد کو منصف مقرر کیا گیا۔ جب دونوں حضرات ان کے پاس (فیصلے کے لیے) آئے تو امام داؤد نے امام ابو یوسف کی طرف پشت کر لی اور امام محمد کی جانب رخ کر کے بیٹھے۔ (اسی صورت سے) امام ابو یوسف کو مخاطب کرتے ہوئے کہا، ہمارے استاد کو کوڑے لگائے گئے کہ وہ عہدہ قضا قبول کریں لیکن وہ کسی طرح رضا مند نہ ہوئے اور کوڑوں کے زخموں کے باعث ان کی موت ہوئی (بر خلاف اس کے) تم نے قاضی ہونا پسند کیا چنانچہ جو شخص اپنے استاد کے طرز عمل کے خلاف ہو، میں اس سے گفتگو کرنا گوارا نہیں کرتا۔

اگر امام داؤد سے اس اختلافی مسئلے پر رائے دینے کے لیے کہا جاتا اور وہ امام محمد کے قول کو درست خیال فرماتے تو کہتے کہ صحیح بات یہی ہے جو امام محمد نے کہی ہے اور اگر امام ابو یوسف کی بات زیادہ صحیح ہوتی تو وہ کہتے کہ یہی قول صحیح ہے اور امام ابو یوسف کا نام ہرگز زبان پر نہ لاتے۔ اللہ تعالیٰ سب پر رحمت واسعہ فرمائے۔

بزرگان دین سے محبت و عقیدت کا ذکر

فصل۔ منقول ہے کہ بزرگوں کی پیروی کا ذکر ہونے لگا کہ حق تعالیٰ کی رحمت نیکوں کی پیروی کرنے والے پر ہوتی ہے، اسی طرح قیامت تک ایک دوسرے کی پیروی کا یہ سلسلہ قائم رہتا ہے اور جب تک دنیا باقی ہے یوں ہی ہوتا رہے گا۔ پس اللہ تعالیٰ کی رحمت اس پیروی کرنے والے پر ہو جو اپنے مقتدا کی پیروی حسن نیت اور اخلاص کے ساتھ کرتا ہے اور اپنی عمر عزیز اسی (تگ و دو) میں گزار دیتا ہے۔

اس حقیقت کی مناسبت سے شیخ سعد فرماتے ہیں، یہ فقیر بے نوا سعد اپنے مرشد قطب عالم شیخ مینا کی پیروی اگرچہ جیسی ہونی چاہیے ویسی نہیں کرتا تاہم اپنی عمر مرشد کی محبت میں بسر کرتا ہے اور مجھے پوری امید ہے کہ اس محبت و الفت کے طفیل جو میں اپنے شیخ سے رکھتا ہوں کل قیامت کے دن بارگاہ رب العزت میں شرمندہ نہ ہوں گا۔

چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پشتیباں

(جب آپ جیسا سہارا دینے والا موجود ہو تو امت کی دیوار کو (شکستہ ہونے کا) کوئی اندیشہ نہیں)

یہ خاکسار، گنہ گار، نفس امارہ کے ہاتھوں عاجز اگرچہ مرشدوں کے مقام کے ہرگز لائق نہیں لیکن مرشد نے اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمایا ہے اور خرقہ خلافت مجھے پہنایا ہے۔ میں ان کے طفیل ہزارہا ہزار بار پر امید ہوں اور ہمیشہ لاتقنطوا من رحمتہ اللہ (زمر : ۵۳) یعنی تم خدا کی رحمت سے ناامید مت ہو، کا ورد کرتا رہتا ہوں۔ شیخ مینا کو ارادت و خلافت شیخ سارنگ قدس سرہ سے حاصل ہوئی۔ شیخ مینا ہمیشہ قولاً و فعلاً اپنے شیخ کی پیروی کرتے رہے اور ان کے علاوہ قطعی طور پر کسی دوسرے کی جانب متوجہ نہیں ہوئے۔ اگر کوئی غیر مرید ان سے کلاہ محبت طلب کرتا تو اس سے دریافت فرماتے کہ تمھارا مرشد زندہ ہے؟ اگر وہ کہتا کہ ہاں زندہ ہے تو اسے ہرگز کلاہ محبت عنایت نہ کرتے بلکہ اس سے فرماتے کہ اس قدر محبت (جو تم مجھ سے کرتے ہو) اپنے مرشد سے کرو، کیونکہ ہمارے دل میں اپنے مرشد سے جس قدر محبت اور وابستگی زیادہ ہوگی اسی قدر (روحانی) ترقی زیادہ حاصل ہوگی۔

فرماتے تھے کہ خواجہ کریم الدین جو سلطان ابراہیم کے منشی تھے، میرے چچا تھے۔ وہ حضرت مخدوم جہانیاں جلال الدین کے مرید تھے۔ خواجہ کریم الدین ایک مرتبہ شیخ نور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ شیخ نور نے انھیں کلاہ محبت پیش کی۔ انھوں نے عرض کیا کہ مجھے ایک بزرگ مخدوم سے بے حد عقیدت ہے۔ اپنے شیخ کے ہوتے ہوئے میں کسی سے محبت نہیں کرسکتا، کیونکہ ایک دل میں دو چیزوں کی محبت نہیں سما سکتی، چنانچہ جس قدر محبت میں آپ سے کروں اسی نسبت سے شیخ جلال الدین سے کیوں نہ کروں۔ شیخ نور ان کی اس بات سے نہایت خوش ہوئے اور فرمایا، اے دوستو! عقیدت کا طور اور مریدی کی حقیقت خواجہ کریم الدین سے سیکھو کہ اگرچہ مرشد کے

انتقال کے بعد دوسرے بزرگ سے رجوع کرنے کو جائز کہا گیا ہے با ایں ہمہ وہ توجہ نہیں دیتے۔ سبحان اللہ کیا اعتقاد کمال ہے اور مرحبا کیا ارادت حال ہے۔ اس کے بعد شیخ نور (سجادے سے) اٹھے اور خواجہ سے بغل گیر ہوئے اور اپنے سر سے دستار اتار کر خواجہ کو عطا فرمائی۔ خواجہ نے دستار قبول کی اور اپنے سر پر باندھی اور عرض کیا کہ یہ دستار مجھے قبول ہے۔ لیکن مرشد سے شرمندہ ہونے کے احساس کے ہوتے ہوئے جو ہمہ وقت مجھ پر طاری رہتا ہے، دوسرے کی کلاہ محبت قبول نہیں کر سکتا۔

اسی مناسبت سے قطب عالم مینا شاہ نے فرمایا کہ ایک روز شیخ بہاء الدین زکریا پالکی میں بیٹھے ہوئے جا رہے تھے۔ کہار اتنے تھک گئے کہ پالکی اٹھا کر چلنے کے قابل نہ رہے۔ شیخ کے احباب و مریدین حسن اعتقاد کے سبب باری باری سے پالکی اٹھاتے رہے۔ اس اثنا میں ایک قلندر، جو حضرت مخدوم کا مرید نہ تھا کسی طرف سے آ گیا۔ اس نے مخدوم کی پالکی کو کہاروں کے ساتھ اٹھا کر منزل تک پہنچا دیا۔ دوران سفر حضرت مخدوم کو نیند آ گئی تھی، حضرت مخدوم کے احبابؓ اور مریدوں نے اس قلندر کا قطعی ساتھ نہ دیا۔ جب منزل پر پہنچ گئے تو حضرت مخدوم کو معلوم ہوا کہ قلندر بہت دور سے پالکی اٹھا کر لایا ہے تو بے حد خوش ہوئے اور فرط مسرت میں اپنا لعاب دہن قلندر کے منہ میں ڈالا۔ قلندر میں ایک (خاص) حالت پیدا ہوئی اور وہ حق تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے والوں میں شامل ہو گیا۔

دگر کردند خوباں شیوہ حسن
حسن زاہر سخن عرزے دگر بود

(اہل حسن نے حسن کا نیا انداز پیدا کیا اور حسن کی ہر بات نئے اسلوب سے ظاہر ہوئی)

قلندر انتہائی خوشی میں رقص کرنے لگا اور کہتا جاتا تھا، میرے مرشد نے مجھ

کو یہ نعمت عطا فرمائی کہ براہ غفلت سے راہ حقیقت میں لے آئے۔ حضرت مخدوم کے مرید اس سے جھگڑنے لگے کہ تمہارے مرشد یہاں کہاں ہیں (یہ ہمارے شیخ کی عطا ہے) قلندر نے کہا کہ اے عزیزو! اگر میرے مرشد مجھ پر کرم نہ فرماتے تو حضرت مخدوم مجھ پر مہربان نہ ہوتے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جن لوگوں کو اہل دل قبول کرتے ہیں وہ مقبول جہاں ہو جاتے ہیں۔ حضرت مخدوم اس قلندر پر ازراہ انصاف بہت زیادہ مہربان ہوئے۔ اور اسے مزید نعمت روحانی عطا فرمائی اور فرمایا کہ شیوہ اعتقاد اور پیشہ ارادت اس قلندر سے سیکھو، واقعی مریدی کا پیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ بجز اپنے مرشد سے اعتقاد، ربط اور تعلق قائم کیے کوئی کوئی کام بر نہیں آتا۔ بلاشبہ اعتقاد ایسی نعمت ہے جو (سالک کو) منزل تک پہنچا دیتی ہے۔

فصل۔ حضرت شیخ سعد کا بیان ہے کہ سوائے شیخ مینا اور مخدوم مولانا حسام الدین صوفی کے کوئی تیسرا شخص شیخ سارنگ کا خلیفہ نہ تھا۔ البتہ شیخ کے نواسے شیخ محمد سجادہ نشین مقرر کیے گئے تھے۔ اسی طرح اس سعد بڈھنی کے سوا شیخ مینا کا کوئی اور خلیفہ نہیں ہے اور حضرت کے بھتیجے شیخ قطب الدین صاحب سجادہ ہیں۔ اس حقیقت کے برعکس جو کوئی اپنے آپ کو ان کا خلیفہ مشہور کرتا ہے وہ جھوٹا اور افترا پرداز ہے۔

چراغے کذب را نبود فروغے

(جھوٹ کا چراغ کبھی روشن نہیں ہوتا)

افسوس ہزار افسوس اس شخص پر جو اولیائے الٰہی پر جھوٹ اور افترا باندھنے میں دلیری دکھاتا ہے اور مخلوق خدا کو فریب دے کر اس سے مخلوق کو کوئی دینی نفع بھی حاصل نہیں ہوتا، اللہ کے دوستوں سے دور رہتا ہے۔

اے عزیز! دنیا میں بڑا درجہ رکھنے والے بعض بزرگوں اور راہ یقین پر چلنے والوں نے باوجود اس حقیقت کے کہ کامل مرشدوں نے انھیں خلافت عطا کی تھی،

انھوں نے لوگوں کو مرید کرنے سے گریز کیا اور اپنے ہاتھ کو بیعت کی ذمہ داری سے باز رکھا۔ اسی طرح بعضوں نے باوجود اس کے کہ انھیں (اپنے شیخ سے) حقیقی اجازت و خلافت حاصل تھی اپنے ہاتھ بیعت لینے کے لیے نہیں کھولے۔

اس سلسلے میں (یہ واقعہ بیان کیا گیا) ہے کہ جب قطب عالم کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ نے چھ ماہ پہلے سے لوگوں سے بات کرنا چھوڑ دیا تھا اور زیادہ تر حجرے میں تشریف رکھتے تھے۔ اسی دوران ایک شخص حجرے میں داخل ہوا، اور وہاں سے ایک کرتہ پہن کر نکلا اور کہنے لگا کہ قطب عالم نے مجھے خرقہ عنایت فرمایا ہے۔ پھر قطب عالم نے خود ہی ظاہر فرمایا کہ یہ بات غلط ہے اور شیخ قادن قنوجی نے خلافت کا جو دعویٰ کیا تھا وہ بھی خلاف واقعہ تھا۔

اس (موضوع کی) مناسبت سے شیخ مینا فرماتے تھے کہ حضرت قاضی فخر الدین بجنوری، شیخ نظام الدین کے مرید تھے۔ حضرت مخدوم نے ان کو خلافت عطا نہیں کی تھی۔ مخدوم شیخ نظام الدین کی وفات کے بعد، وہ شیخ نصیر الدین محمود سے ملاقات کرنے گئے۔ قاضی فخر الدین نے بعض درویشوں کے لیے جو مخدوم شیخ نصیر الدین کی خانقاہ میں مشغول بحق تھے سفارش کی کہ ان حضرات کو خرقہ خلافت عطا ہو جائے تو مناسب ہے۔ شیخ نصیر الدین نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ ان میں سے کوئی اس لائق نہیں ہے نیز مشائخ کی خلافت و امانت نااہل کے سپرد نہیں کی جاتی اور اہل کو سپرد کرنے سے دریغ نہیں کیا جاتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے ان اللہ یأمرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا (النساء : ۵۸) (یعنی بے شک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق پہنچا دیا کرو۔) البتہ اگر آپ خلافت قبول کریں تو بہتر ہے۔ قاضی فخر الدین نے عرض کیا کہ میں بھی لائق خلافت نہیں ہوں، اگر اہل ہوتا تو شیخ نظام الدین مجھے خلافت عطا فرماتے۔ شیخ نصیر الدین نے فرمایا اس وقت آپ اس لائق نہ ہوں گے۔ لیکن

اب ہر طرح لائق ہیں۔ قاضی فخر الدین نے کہا، آپ عجیب بات فرما رہے ہیں۔ میرے شیخ کی نظر ایسی تھی کہ میری ابتدا اور انتہا کو انھوں نے ملاحظہ فرمالیا تھا۔ مخدوم نصیر الدین نے ہر چند اصرار کیا لیکن حضرت قاضی فخر الدین نے خلافت قبول نہ کی اور (مخدوم نصیر الدین کو) اس کام سے باز رکھا۔

قطب عالم نے یہ بھی فرمایا کہ ایک روز، ایک سردار مخدوم شیخ عبدالعزیز ساکن قصبہ بنگرمو کی خدمت میں جو حضرت شیخ نظام الدین کے خلیفہ تھے، حاضر ہوا، اور مرید کرنے کی درخواست کی۔ مخدوم عبدالعزیز نے منع کر دیا اور اسے کلاہ عنایت نہیں فرمائی۔ سردار نے کہا کہ اس قدر درویش (پیری مریدی کی) دکان لگائے ہوئے ہیں اور کلاہ دیتے ہیں، آپ باوجود اس کے کہ شیخ نظام الدین کے خلیفہ ہیں اور بہت ہی صاحب کمال ہیں، اپنی دکان کیوں نہیں لگاتے۔ عبدالعزیز مسکرائے اور فرمایا بے شک ایسا ہی ہے۔ فقیر دکان داری کا سامان رکھتا ہے لیکن میری نیت دکان لگانے کی نہیں ہے کیونکہ الشهرة آفة و الخمولة راحة (شہرت آفت ہے اور گوشہ نشینی راحت ہے)۔ (میری اس روش کو) شیخ نظام الدین بھی معاف فرمائیں گے۔ سبحان اللہ بزرگان دین اور اہل صدق اس طرح (مرید کرنے سے) پرہیز کرتے تھے اور اس حقیقت کے باوصف کہ انھیں صحیح جگہ سے خلافت حاصل تھی، بیعت لینے کے لیے ہاتھ نہیں کھولتے تھے۔

زیادہ عجیب بات تو یہ ہے کہ لوگ جھوٹ اور فریب سے کام لے کر خود کو کسی شیخ کا خلیفہ ظاہر کرتے ہیں اور اپنی عمر عزیز کو اسی جھوٹ اور فریب کے ساتھ گزارتے ہیں۔

اے عزیز! یہ دنیا کسی دور میں افترا پرداز اور جھوٹے لوگوں سے خالی نہ تھی اور نہ کبھی خالی رہے گی، چنانچہ دو شخصوں نے شیخ سارنگ سے بھی خلافت پانے کا جھوٹا دعوی کیا اور زندگی کو تمام تر جھوٹ کے ساتھ بسر کیا۔ اسی طرح گزشتہ بزرگوں (کے

سلسلوں) میں بھی بہت لوگوں نے اسی قسم کا طریقہ اپنایا اور بزرگوں سے دغابازی روا رکھی۔ ایسے لوگوں کے نام ظاہر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ان کے معاملات سے خوب واقف ہے۔ (علاوہ ازیں) بعضے لوگ پہلے بھی تھے اور اب بھی ہیں جنھوں نے اپنی خلافت کا ثبوت خواب میں دیکھا (اور دعویٰ کیا) کہ میرے شیخ نے مجھے خواب میں خلافت عطا فرمائی ہے۔ ظاہر ہے کہ خواب کی کوئی بات احکام شرع سے ثابت نہیں ہوتی، پھر خلافت جس کا ثبوت حیات و زندگی سے متعلق ہے کس طرح ثابت ہوسکتی ہے۔

اس شخص کا نام جس نے حضرت قطب عالم سے جھوٹی نسبت قائم کی، تحریر کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اس کی دغابازی اور جھوٹ خاص و عام پر سورج اور چاند کی مانند عیاں ہے۔ اے عزیز کل قیامت کے دن معلوم نہیں کس کس کا پردہ چاک ہو اور کس کے لیے کیا حکم دیا جائے۔

سوف تری اذا انجلی الغبار

افرس کان تحتک ام حمار

(عنقریب تو دیکھ لے گا جب غبار چھٹ جائے گا کہ تو گھوڑے پر سوار ہے یا گدھے پر)

اے عزیزو! اگر انصاف کی نظر سے دیکھو تو مریدوں کی یہی ٹوپیاں راہ طریقت کا پردہ بن جاتی ہیں اور ثواب کے راستے سے بیکار راستے پر ڈال دیتی ہیں۔

راہ رابا جاہ آمیزش مداں

جاہ جز در زیر قعر چاہ نیست

چند گوئی راہ راہمراہ کو

اے پسر ایں راہ راہمراہ نیست

(طریقت کی راہ کو دنیاوی عزت کے ساتھ ملا ہوا یقین نہ کر۔ دنیاوی عزت کنویں کی گہرائی کے نچلے حصے کے سوا کچھ نہیں ہے۔ کب تک کہے گا کہ راہ میں کوئی ہم سفر نہیں ہے۔اے بیٹے اس راہ میں ہم سفر ہوتا ہی نہیں ہے)۔

ہمت کو بلند رکھنا چاہیے تا کہ باطنی اور ظاہری برائیوں کی تمام زنجیریں توڑ دے اور بارگاہ الٰہی میں متوجہ رہے۔ حضرت قطب عالم کے مرشد شیخ قوام الحق والدین فرماتے ہیں:

فرمان شد ففروا با خلق ساختیم

مردی اگر زخلق زمانے بکن فرار

(حکم صادر ہوا ہے کہ "دوڑ جاؤ" اور ہم مخلوق سے موافقت کر رہے ہیں۔ اے شخص اگر تو مرد ہے تو زمانے تک مخلوق سے فرار اختیار کر)۔

تفرید رونہ داد وز تجرید بے نصیب

اے عالم زمانہ تو شرمی زحق بدار

(تفرید حاصل نہ ہوئی اور تجرید سے بھی بےنصیب رہے۔اے زمانے کے عالم (اپنے عمل کی کوتاہی پر) حق تعالی سے شرمندہ ہو)۔

حاصل نہ شد وصول و تعبد نداد رو

باحق انکار بریم زعصیان آشکار

(مقام وصول حاصل نہ ہوا، اور بندگی سے بھی بے بہرہ رہے۔ صاف نظر آنے والے گناہ کے سبب حق تعالی کا انکار کیا)۔

رو ترک خلق گیر چو فرماں تبتل است

بے انقطاع قرب محال است ہوش دار

(جب ماسوی اللہ سے کٹ کر اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہے تو پھر

مخلوق سے کنارہ کش ہو جا۔ ہوش رکھ کہ مخلوق سے کنارہ کش ہوئے بغیر حق تعالی کا قرب محال ہے)۔

چندیں ہزار مردم و بیدار حاضر اند

زیں مجمع عظیم تو یک منقطع بیار

(اتنے ہزار آدمی موجود ہیں اور بیدار ہیں۔ اس عظیم مجمع سے تو صرف ایک کٹنے والے کو لے کر آ۔ یعنی ہزاروں انسانوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ملتا جو سب سے کٹ کر اللہ تعالی کی جانب متوجہ ہو)

ایسے زمانے میں جب کہ دین صرف رسوم بن کر رہ گیا ہے اور لوگوں کی ہدایت کرنے والے اللہ کے دوستوں اور اس کی طرف بلانے والوں نے اپنے چہرے نقاب میں چھپا لیے ہیں اور خود کو (ویرانے میں رہنے والے) الو کی مثل بنالیا ہے، آج کل ہر گوشے اور مقام میں اس کثرت سے خلافت کی جو نمائش ہو رہی ہے اس پر کیسے اعتماد کیا جاسکتا ہے؟ یہ لوگ باوجود باطنی ابتری اور روحانی انتشار کے خود کو جنید و شبلی کی مانند تصور کرتے ہیں اور مخلوق کے سامنے ان ہی کی طرح ظاہر ہوتے ہیں۔ یہ روش گمراہی اور خطا پر مبنی ہے۔ اللہ تعالی ان کی صحبت اور دید سے پناہ میں رکھے۔

دوزخ آساں می برند ایشاں واینہا کاملاں

ایں سگاں راکے تواں ہم سنگ ایشاں داشتند

(یہ لوگ آسانی سے دوزخ حاصل کرتے ہیں اور انھیں کامل خیال کیا جاتا ہے (اے مخاطب) یہ (دنیا کے) کتے ہیں، ان کو کس طرح کاملوں کے برابر خیال کیا جاسکتا ہے)۔

جان لیں کہ شیخ سارنگ، شیخ قوام الحق والدین کے مرید تھے اور بارگاہ حضرت سہروردی سے خلافت بتوسط سید راجو بخاری حاصل ہوئی تھی۔ شیخ سارنگ ہمیشہ قولاً و فعلاً

دونوں بزرگوں کا اتباع کرتے رہے اور ان حضرات کی پیروی سے ہرگز تجاوز نہیں کیا، چنانچہ قطب عالم فرماتے تھے کہ ایک روز شیخ سارنگ برساتی کی تراش کی قبا جو علمائے ظاہر کا لباس ہے پہنے ہوئے تھے۔ ہم نے عرض کیا، یہ بات تحقیق ہو چکی ہے کہ حضرت شیخ قوام الدین نے برساتی کی تراش کی قبا نہیں پہنی ہے۔ فرمایا کہ مجھے یاد نہیں رہا اور اسی وقت درزی کو طلب کیا کہ قبا کو تراش کر، استقبال کرنے والے ملازم جس طرح کا لباس پہنتے ہیں ویسا بنا دیں۔

اس ملفوظ کی مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا کہ ایک روز حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ اپنے حجرے میں مشغول بحق تھے، حسین منصورؒ (حلاج) چپکے چپکے انھیں دیکھ رہے تھے۔ جنید نے محسوس کر لیا (کہ کوئی انھیں دیکھ رہا ہے) فرمایا کہ یہ کون ہے جو چوروں کی طرح تاک جھانک کر رہا ہے۔ مجھے معلوم ہے کہ دیوانہ نہیں ہے۔ چوروں میں سے ہے جسے سولی پر چڑھائیں گے۔ حسین منصور نے کہا کہ جس روز مجھے سولی دیں گے آپ اس لباس درویشی میں نہ رہیں گے، آپ کو یہ لباس بدلنا پڑے گا۔ جب اس پیش گوئی کے پورا ہونے کا وقت آیا تو حسین منصور نے "انا الحق" کا نعرہ بلند کیا۔

علمائے ظاہر نے جن کو شریعت کی پاس داری کے علاوہ دوسرا کام نہیں ہے حسین منصور کے قتل اور دار پر چڑھانے کا محضر نامہ لکھا۔ محضر لکھنے کے بعد فتوی لینے والے اسے تائیدی دستخط کے لیے جنید کی خدمت میں لے گئے۔ جنید جو عارف تھے، فتوے کی تائید کے سلسلے میں تذبذب میں پڑ گئے۔ جب رات ہوئی تو خداوند تعالی کی بارگاہ میں درخواست کی کہ بارالہا! آپ کی کیا حکمت ہے جو حسین منصور کو اس طرح مرواتے ہیں۔ آپ تو قادر مطلق ہیں، آپ چاہیں تو اسے چھٹکارا حاصل ہو سکتا ہے۔ غیب سے ندا آئی، اے جنید کیا تمھیں یہ بات پسند نہیں کہ ہمارا دوست ہم سے آن ملے۔ بہر حال فیصلہ یہی ہے کہ جو شخص ہمارے راز کو فاش کر دے اور صحرا میں عام کرے ہم

اسے بیابان ہی میں پھانسی دلواتے ہیں کہ افشاء سر الربوبیتہ کفر (ربوبیت کے راز کو افشا کرنا کفر ہے)۔ جب صبح ہوئی تو علمائے ظاہر پھر جمع ہوئے اور جنید سے دستخط کرنے کا اصرار کرنے لگے۔ حسین منصور جو مست الست تھے، وہ بھی وہاں پہنچ گئے اور اپنے قتل (کے فتوے) کو عام کر دیا۔ جنید فتوے کی تائید کے مسئلے میں تذ تذب میں تھے۔ حسین منصور نے کہا، اے جنید فتوے پر دستخط کرنے سے کیوں جھجک رہے ہو اور شب گزشتہ جو پیغام تمھیں ملا تھا اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ جلدی کرو اور جو حکم صادر ہوا ہے اس پر نگاہ رکھو اور فتوے پر دستخط کرنے میں تذبذب نہ کرو۔

جنید مکان کے اندر گئے تاکہ صوفیوں کا جو لباس پہنا ہوا تھا، اسے بدل ڈالیں، چنانچہ وہ بالا پوش جو علمائے دنیا اور اہل عزت مفتیوں سے مخصوص ہے پہن کر باہر آئے۔ قلم ہاتھ میں لیا، ہر چند چاہتے تھے کہ دستخط کریں لیکن آنسوؤں کی جھڑی نے فرصت نہ دی۔ زار و نزار روتے تھے اور چیخیں نکل جاتی تھیں۔ بالآخر جس بات کا حکم دیا گیا تھا بجا لائے اور منصور کے قتل کے فتوے پر دستخط کر دیئے۔

جان لیں کہ شیخ قوام الدین، شیخ نصیر الدین محمود اودھی کہ مرید تھے اور خلافت حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الدین سے حاصل ہوئی، اور قطب العالم سید راجو کو بھی اپنے بڑے بھائی حضرت مخدوم جہانیاں سے خلافت حاصل تھی اور مخدوم جہانیاں کو شیخ نصیر الدین محمود کے علاوہ دوسرے مشائخ سے بھی خلافت حاصل ہوئی تھی، چنانچہ شیخ زکریا کی جانب سے بھی مخدوم جہانیاں کو خلافت عطا ہوئی تھی۔ لیکن چونکہ ہندوستان کی ولایت حضرات چشت کے سپرد کی گئی ہے اس لیے یہاں کے بیشتر مشائخ خلافت چشت کے حامل ہیں، اور شیخ نصیر الدین محمود نیز دوسرے مشائخ سے لے کر حضرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہر ایک کی خلافت معروف و مشہور ہے۔ بہر حال چشت اور سہرورد کے شجروں میں تحریر ہے کہ ہر بزرگ نے دوسرے بزرگ کی

(جن سے اسے خلافت حاصل ہوئی) پیروی کی اور اپنے شیخ کی رضا سے ایک قدم تجاوز نہیں کیا۔

فصل۔ ذکر ہونے لگا کہ مرید صادق وہ ہے جو اپنی توجہ کلی طور پر حق تعالی کی طرف اور اپنے قلب کو ہمیشہ شیخ کے ساتھ رکھتا ہے اور کامل ارادت کے ساتھ شیخ کی روحانیت کو (ہمہ وقت) حاضر جانتا ہے۔ اور شیطانی خیالات اور نفس کی برائیوں کے غلبے کے وقت شیخ کی ولایت کے سائے میں پناہ لینے کے لیے دوڑتا ہے۔ شیخ کے حضور میں خود کو ایسا سمجھتا ہے جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

(اے طالب) آخر کب تک جوانی کی غفلت اور لایعنی شغل میں مبتلا رہے گا۔ جیسا کل کا دن ویسا ہی آج کا دن (جامد اور بے مقصد) افسوس! جس شخص کے دو دن ایک جیسے گزرے وہ گھاٹے میں رہا۔ فرصت کا زمانہ غنیمت ہے۔ تیرے پلک جھپکنے تک، موت قیامت کی گھات میں پہنچا چاہتی ہے۔ وما امر الساعة الا کلمح البصر (سورہ النحل: ۷۷) (یعنی قیامت کا معاملہ بس ایسا (جھٹ پٹ) ہوگا جیسے آنکھ جھپکنا) اور تو اسی طرح خواب غفلت میں مغرور اور دنیا کے لہو و لعب اور فریب میں مگن ہے۔ بزرگان صادقین اس جہان سے رخصت ہو چکے۔ تھوڑے سے لوگ جو دنیا کے طالب اور آخرت سے غافل ہیں پیچھے رہ گئے ہیں۔ کار دنیا روز بروز مشکل تر ہوتا جا رہا ہے۔ دین کی خصوصیات میں سے باہمی گفتگو (جس میں ردوبدل ہو) باقی رہ گئی تھی، آج وہ بھی کلی طور پر نابود ہو گئی ہے۔ قطب عالم (اس بربادی پر) اکثر روتے اور یہ شعر پڑھتے تھے:

نہ طفلے بر سر بامے نہ برنائے نہ کوئے

نہ پیرے بر در مسجد، ہمیں خالی ہماں خالی

(نہ کوئی لڑکا بام پر اور نہ کوئی جوان گلی کے سرے پر نظر آتا ہے۔ نہ مسجد کے دروازے پر کوئی بوڑھا دکھائی دیتا ہے، وہ جگہ بھی خالی ہے یہ جگہ بھی خالی ہے)۔

اے عزیز! جب تک غیر حق سے کلی طور پر علیحدہ نہ ہو جائے باطنی پاکیزگی حاصل نہیں ہوتی، بعضے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو کوئی سب سے بے تعلق ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے شراب محبت پلاتے ہیں۔ شیخ نصیر الحق والدین فرماتے ہیں:

این رہ مابوئے عدم می زند

کیست دریں رہ کہ قدم می زند

(ہماری یہ راہ عدم (فنا) کی خوشبو بکھیرتی ہے۔ وہ کون (صاحب ہمت) ہے جو اس راستے میں قدم رکھتا ہے)۔

ہر کہ دریں راہ مجرد رواست

بر سر کونین علم می زند

(جو کوئی اس راستے میں سب سے بے تعلق ہو کر چلتا ہے وہ دونوں جہانوں پر پرچم لہراتا ہے)۔

در دل محمود اثرے نیست زاں

لاف محبت بہ ستم می زند

(محمود کے دل میں اس کا اثر ہی نہیں ہے (لیکن) ناانصافی سے محبت کی ڈینگ مارتا ہے)۔

شیخ قوام الحق والدین فرماتے ہیں

مے راں سمند وحدت پامال کن دو کون

اے شہسوار قرب چہ زیباست صفدرے

(وحدت کے گھوڑے کو دوڑا کر دونوں جہان پامال کر دے۔ اے شہسوار! صف شکن کے لیے قرب کس قدر زیبا ہے)۔

باطنی پاکیزگی سے متعلق ایک باریک بات

قطب عالم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ یعنی اللہ کے دوست تھے۔ ان پر فرشتوں نے طعن کیا کہ وہ بہت سا مال و دولت اور بکریاں رکھتے ہیں۔ ان کا دل ان ہی میں لگا رہتا ہے۔ وہ کس طرح خلیل اللہ ہوسکتے ہیں۔ حق تعالی نے حضرت جبریل کو ان کے پاس انسان کی شکل میں بھیجا۔ جبریل نے ان کے سامنے تین بار حق سبحانہ تعالی کا نام "یا قدوس" لیا۔ حضرت ابراہیم نے (اس اسم پاک پر) تمام مال و دولت اور مویشی نثار کر دیے۔ حق تعالی نے فرشتوں سے کہا! (تم نے دیکھا) کہ ابراہیم کا دل مال اور بکریوں میں الجھا ہوا نہیں ہے۔ فرشتوں نے عرض کیا کہ ابراہیم کا دل فرزندوں میں اٹکا ہوا ہے۔ حق سبحانہ نے جگر گوشہ فرزند کو قربان کرنے کا حکم دیا۔ ابراہیم نے اس حکم کی اطاعت اور بجا آوری کی اور بیٹے کو قربان کرنے کے لیے لے گئے۔ ملائکہ کو معلوم ہو گیا کہ ان کا دل اولاد میں بھی مشغول نہیں ہے۔ پھر عرض کرنے لگے کہ ابراہیم اپنی ذات کو دوست رکھتے ہیں۔ حق تعالی نے صورت حال کو اس قدر دشوار کر دیا کہ نمرود لعین نے آپ کو منجنیق میں ڈال دیا تا کہ آگ میں پھینک دے۔ حق تعالی نے فرشتوں کے گمان کو ختم کرنے کے لیے جبریل کو بھیجا۔ جبریل نے حضرت ابراہیم سے معلوم کیا کہ اگر آپ فرمائیں تو میں آپ کو اس آزمائش سے چھٹکارا دلا دوں۔ ابراہیم نے فرمایا، اما الیک فلا (اگر تیری طرف سے ہے تو میرا انکار ہے) اور جبریل پر کوئی توجہ نہ دی اور اپنے آپ کو رضائے الہی کے سپرد کر دیا۔ جب ملائکہ نے حضرت ابراہیم کا یہ حال دیکھا تو اقرار کیا کہ ان کا دل اولاد، مال اور مویشی میں مشغول نہیں ہے، بلاشبہ وہ خلیل اللہ یعنی اللہ تعالی کے دوست ہونے کے اہل ہیں اور رضائے حق پر قائم ہیں۔ سو جو کوئی حق تعالی کی دوستی اور باطن کی پاکیزگی کا دعوی کرتا ہے، اس پر لازم ہے کہ وہ حضرت

خلیل اللہ کی پیروی کرے، مال و اولاد کو ترک کرے اور اللہ کی طرف دوڑے۔

بیان کیا گیا ہے کہ (آپ کی مجلس میں) یہ گفتگو ہوئی:

اے عزیز جب اہل محبت کے سردار ابراہیم (بن ادہم)
طاعت الٰہی کی جانب متوجہ ہوئے اور غفلت پیدا کرنے والی
باتوں کو یکسر ترک کیا تو جیسا کہ مشہور ہے انھوں نے بادشاہت؛
عزت اور سرداری کو مردانہ وار ٹھوکر لگائی اور ماسوی اللہ کی محبت کو
دل میں جگہ نہ دی اور دنیائے مردار سے یک لخت بے تعلق ہو گئے۔

اس گفتگو کی مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا کہ جب ابراہیم ادہم کا غفلت سے دور ہونے اور حق تعالی کی طاعت و محبت میں قدم رکھنے کا وقت آیا تو ایک روز شکار گاہ کی طرف گئے اور ایک شکار کے پیچھے گھوڑا ڈال دیا۔ شکار نے ابراہیم ادہم کی طرف رخ کر کے کہا، الھذا خلقت یا ابراھیم یعنی اے ابراہیم کیا آپ کو اللہ نے شکار کرنے کے لیے پیدا فرمایا ہے، یہی آواز زین کے اٹھے ہوئے کناروں سے آنے لگی۔ ابراہیم ادہم پر دہشت اور ہیبت طاری ہوگئی، بعدازاں ہوش میں آئے تو (بارگاہ الٰہی میں) توبہ کی اور دل کو حق تعالی کی طاعت و محبت کے سپرد کر دیا اور اہل معرفت کے بادشاہ ہوئے اور اپنی جان عزیز اسی محبت میں نذر کر دی:

بسوزاں لشکر و خانہ سرائے باغ و بستاں ہم
کسے کو انس حق جوید مقام اوست ویرانی

(لشکر، مکان، سرائے اور باغ و بوستان سب پھونک دے۔ جو کوئی حق تعالی کی محبت کا طالب ہے اس کی جگہ ویرانہ ہے)۔

زمیں زن تاج نخوت راپس آنگہ ترک عالم گو
کسے کو قرب حق جوید نخواہد عالم فانی

(تاج غرور کو زمین پر دے مار' اس کے بعد دنیا ترک کرنے کا ارادہ کر۔ جو کوئی قرب حق کا جویا ہے وہ دنیائے فانی کا طلب گار نہیں ہوتا)۔

قطب عالم نے یہ بھی فرمایا کہ فضیل بن عیاض اگرچہ رہزن تھے لیکن اس کے باوجود خدا ترس تھے۔ ایک دفعہ ان کے ساتھیوں نے ایک قافلے پر حملہ کیا اور بہت سا مال و اسباب لوٹا۔ لوٹ مار سے فارغ ہونے کے بعد کھانا کھانے میں مصروف ہو گئے۔ اس دوران میں قافلے والوں میں سے ایک شخص نے ان سے دریافت کیا کہ تمھارا سردار کون ہے؟ رہزنوں نے جواب دیا کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں ہے اور ایک درخت کی جانب اشارہ کیا کہ اس کے نیچے نماز پڑھ رہا ہے۔ اس شخص نے کہا کہ یہ وقت تو نماز کا نہیں ہے۔ انھوں نے کہا کہ نفل نماز پڑھ رہا ہے۔ اس شخص نے پھر پوچھا کہ تمھارے ساتھ کھانے میں کیوں شریک نہیں ہوا؟ جواب ملا کہ وہ روزے سے ہے۔ اس شخص نے کہا کہ یہ مہینا تو رمضان کا نہیں ہے۔ رہزنوں نے کہا کہ اس نے نفلی روزہ رکھا ہے۔ قافلے والا بہت حیران ہوا۔ وہ فضیل کے پاس آیا' دیکھا کہ وہ بہت خشوع اور خضوع سے نماز ادا کر رہے ہیں۔ نماز کے ختم ہونے تک وہ تمام وقت وہیں کھڑا رہا۔ جب فضیل نماز سے فارغ ہو چکے تو اس شخص نے کہا' اے عزیز الضدان لایجتمعان (دو ضدیں ایک ساتھ جمع نہیں ہوسکتیں) مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم روزے سے ہو اور رہزنی بھی کرتے ہو' نماز پڑھتے ہو اور مسلمانوں کو قتل بھی کرتے ہو۔ یہ تمام باتیں کیسے ممکن ہیں۔ فضیل نے اس سے پوچھا کہ تم قرآن پڑھنا جانتے ہو۔ اس نے جواب دیا ہاں جانتا ہوں اور یہ آیت پڑھی:

و آخرون اعترفوا بذنوبهم خلطوا عملا صالحاو آخر سيئا عسى الله ان يتوب عليهم ،ان الله غفور رحيم (سورہ التوبہ : ۱۰۲) (یعنی کچھ اور لوگ ہیں جنھوں نے اپنی خطا کا اقرار کرلیا' انھوں نے ملے جلے عمل کیے تھے' کچھ بھلے کچھ برے (سو) اللہ سے امید ہے کہ ان کے حال پر رحمت کے ساتھ توجہ فرما دیں (یعنی توبہ قبول کرلیں) بلاشبہ

اللہ تعالی بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں)۔حق تعالی نے فضیل کو ہدایت کی توفیق بخشی، انھوں نے توبہ کی اور بارگاہ الٰہی سے رجوع کیا۔

اس حکایت کی مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا کہ فضیل بن عیاض رہزنی کرتے تھے۔جس مسافر کا مال لوٹتے اس کا نام، رہنے کی جگہ، خاندان، تاریخ اور لوٹی ہوئی چیزوں کی تفصیل ایک فہرست میں لکھ لیتے تھے۔ توبہ کرنے کے بعد انھوں نے مالکوں کو (تلاش کر کے) اپنا قصور معاف کرایا۔ ایک دفعہ فہرست دیکھ رہے تھے۔ایک جگہ ان کی نظر پڑی کہ میں نے نیشاپور کے فلاں یہودی سے فلاں مقام پر چالیس ہزار اشرفیاں لوٹی تھیں لیکن اسے ابھی تک راضی نہ کرسکا۔ چنانچہ وہ اس یہودی کے پاس گئے اور کہا کہ میں فضیل ہوں۔ میں نے تم سے چالیس ہزار دینار لوٹے تھے۔اب میں نے رہزنی سے توبہ کر لی ہے اور جن لوگوں کا مال لوٹا تھا ان سے اپنا قصور معاف کروا رہا ہوں۔ اس وقت میرے پاس واپس کرنے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ تمھارے پاس اس لیے آیا ہوں تم جو چاہو کرسکتے ہو۔ خواہ مجھ سے مزدوری کرالو خواہ مجھے معاف کر دو۔ یہودی نے کہا میری رقم مجھے واپس کر دو، میں تم سے راضی ہو جاؤں گا۔ چنانچہ فضیل اس یہودی کے گھر میں نوکری کرنے لگے۔ یہودی نے توریت میں پڑھ رکھا تھا کہ حضرت محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جو کوئی سچے دل سے توبہ کرتا ہے، اگر مٹی کو ہاتھ لگائے تو سونا بن جاتی ہے۔اب میں اس بات کی تحقیق کرتا ہوں۔یہودی گھر کے اندر گیا اور تھیلیاں مٹی سے بھر کر طاق میں رکھ دیں۔ اس کے بعد باہر آیا اور فضیل سے کہا میں نے قسم کھائی تھی کہ تجھ سے اپنا سونا وصول کروں گا لیکن اب میں نے ایک حیلہ نکالا ہے۔میرے گھر کی فلاں طاق میں سونے سے بھری تھیلیاں رکھی ہیں، وہ مجھے لا کر دے تاکہ (قسم پوری ہو جائے اور) میں تجھ سے راضی ہو جاؤں۔فضیل گھر کے اندر گئے اور طاق سے تھیلیاں لا کر یہودی کے آگے ڈال دیں (اللہ تعالی کی قدرت دیکھیے) فضیل

نے یہودی سے جتنا سونا لوٹا تھا یہ اتنا ہی سونا تھا۔ یہودی نے کہا کہ آپ نے میرے کفر کے تانبے کو خالص سونا بنا دیا ہے۔ مجھے مسلمان کر لیجیے۔ آپ ہی کا دین سچا ہے۔ الغرض یہودی اسی وقت ستر آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

منقول ہے کہ امر کا ذکر ہوا، کہ حاکم شرع کی مدد (کی امید کرنا) پہاڑ کی رکاوٹ کے مانند ہے (لیکن) سب کو معلوم ہے کہ اللہ تعالی کی مدد کام کو کس قدر آسان بنا دیتی ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ وہ کام جس کی تکمیل انسان کے بس میں نہیں ہے، اللہ تعالی کی مدد سے انجام پا جاتے ہیں اور ان ہی کی توفیق سے حل ہو جاتے ہیں۔

اس سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا ہے کہ ایک دفعہ سلطان ابراہیم نے (دشمن پر) لشکرکشی کی۔ مخدوم قاضی شہاب الدین رحمۃ اللہ علیہ بھی بادشاہ کے ساتھ تھے۔ (ایک دن) وہ قضائے حاجت کے لیے جنگل کی طرف جا رہے تھے، ناگاہ ان کا گزر گانے بجانے والوں کے خیموں میں ہوا۔ ایک خیمے سے ایک بدکار عورت کے رونے کی آواز سنائی دی۔ سوچنے لگے کہ گانے بجانے والوں کے خیموں میں گریہ و زاری کا کیا محل ہے۔ بے تاب ہو کر گھوڑے سے اترے۔ کچھ دیر کھڑے رہے اور سوچنے لگے کہ میرے خیمے میں داخل ہونے اور حالات معلوم کرنے سے لوگوں میں طرح طرح کی بدگمانیاں پیدا ہوں گی۔ جب اس عورت کی گریہ و زاری بڑھنے لگی تو وہ خیمے میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ وہ فاحشہ تنہا ہے اور پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہے۔ جب اس نے مخدوم کو دیکھا تو کہا، اے عزیز میں شرعی عذر کی حالت میں ہوں اور معذور ہوں، جو حریف پہلے آئے تھے انھیں لوٹا چکی ہوں، تم بھی واپس چلے جاؤ۔ مخدوم نے اس عورت سے کہا، کیا تم دیکھ نہیں رہی ہو کہ میں ایک متعلم ہوں اور صالح لوگوں کے لباس میں ہوں۔ میں بدکاروں میں سے نہیں ہوں۔ اس نے عرض کیا تو آپ یہاں کس لیے آئے ہیں؟ مخدوم نے فرمایا، تمھاری گریہ و زاری مجھے یہاں لے آئی ہے۔ تم یہ بتاؤ کہ تمھارے رونے دھونے کا سبب کیا ہے۔ وہ

عورت خاموش رہی۔ جب مخدوم نے بہت اصرار کیا تو اس نے راز ظاہر کر دیا اور کہا:
اے عزیز، آج میرے دل میں یہ خیال گزرا کہ مخلوق مجھے فاحشہ کہتی ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کل قیامت کے دن حق تعالی اسی نام کی وجہ سے مجھے عذاب میں مبتلا کر دیں۔ مخدوم نے پوچھا کہ تم بدکاری میں ملوث نہیں ہو؟ اس نے کہا میں ایسے کاموں سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں۔ میں بدکاری نہیں کرتی۔ جب بھی کوئی بدکار آتا ہے تو جو عذر میں نے تم سے کیا تھا وہی عذر اس سے کرتی ہوں اور اس حیلے سے اسے لوٹا دیتی ہوں۔ مخدوم نے دریافت کیا کہ اے ولیہ تم آزاد ہو یا لونڈی ہو۔ عورت نے جواب دیا کہ میں ایک شخص کی کنیز ہوں۔ اس کے حکم کی بجا آوری کرتی ہوں اور یہاں بیٹھی رہتی ہوں، تمام دن عبادت الٰہی میں مشغول رہتی ہوں اور جب جانے لگتی ہوں تو وہ چار جیتل جو میرے مالک نے مجھ پر مقرر کر دیے ہیں جانماز کے نیچے سے مجھے مل جاتے ہیں؛ وہ میں مالک کو ادا کر دیتی ہوں۔ مخدوم نے پھر دریافت کیا کہ اگر کوئی حریف رات کو آتا ہے اور مالک تجھے اس کے سپرد کرتا ہے تو تم کیا کرتی ہو؟ اس نے جواب دیا: میں جب مکان میں جاتی ہوں، تو وہی جملہ اس کو ایسے سخت بخار میں مبتلا کر دیتا ہے کہ اسے اپنے آپے کا اور دنیا کا ہوش نہیں رہتا۔
قطب عالم نے فرمایا کہ توبہ کرنے کے لیے بشر حافی نے زندگی اس طرح بسر کی کہ ننگے سر اور ننگے پیر رہتے تھے۔ فرماتے تھے کہ جس دن حق تعالی کی توفیق میرے شامل حال ہوئی میں اسی حال میں تھا۔ حق سبحانہ تعالی نے چوپایوں کو حکم فرما دیا تھا کہ جس جگہ عارف موجود ہوں وہاں گوہ گوبر نہ کریں۔ ایک دن (کہیں جا رہے تھے کہ) راستے میں گوبر پڑا ہوا نظر آیا۔
لوگوں نے کہا کہ اب بشر دنیا میں نہیں رہیں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، جب تفتیش کی گئی معلوم ہوا کہ بشر حافی اس سرائے فانی سے گزر کر اپنی جان حق تعالی

کے سپرد کر چکے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر رحمت واسعہ فرمائے۔

سالک کے لیے درد و محبت کی ضرورت

فصل۔ منقول ہے کہ ذکر آ گیا، سالک و طالب کو درد و محبت بھی درکار ہے کیونکہ اس راہ میں درد و عشق کے بغیر سلوک نصیب نہیں ہوتا۔ وہ لوگ جو نماز اور روزے کا اجر پا کر خوش ہوئے وہ شوق مقام اور رفعت حال سے بے خبر رہے۔ ایک بزرگ کہتے ہیں:

آں کو بہ ہزار جاں گرفتار تو نیست
واں کہ بہ ہزار دل خریدار تو نیست
از پردہ بروں آئی بہ کویش زنہار
روبازی کن عاشقی کار تو نیست

(وہ جو کہ ہزار جان سے تیرا گرفتار نہیں ہے اور ہزار جان سے تیرا خریدار نہیں ہے (اس سے کہہ دو) اے شخص تو محبوب کے کوچے میں ہرگز حجاب سے باہر نہیں آئے گا۔ کوئی اور کھیل اختیار کرے عاشقی تیرے بس کا کام نہیں ہے)۔

اسی مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا کہ بہت نماز پڑھنا، بے شمار روزے رکھنا اور قرآن کی تلاوت کرنا، یہ کام ہر شخص کرسکتا ہے لیکن درد و محبت جو سالک کی عظیم بنیاد ہے ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔ اس راہ کی اساس درد ہے جو شخص اس راہ میں درد سے محروم ہے حقیقت میں وہی بے راحت ہے۔ آپ نے یہ اشعار بھی پڑھے:

مارا نہ مرید ورد خواں می باید
نے زاہد، نے حافظ قرآں می باید
صاحب دردے سوختہ جاں می باید
آتش زدہ بخانماں می باید

(ہم کو ورد کرنے والے مرید کی ضرورت نہیں ہے، نہ زاہد کی، نہ حافظ قرآن کی - ہاں صاحب درد سوختہ جاں انسان چاہیے جو اپنا گھر بار پھونک کر سب سے فارغ ہو گیا ہو)۔

آپ نے یہ مثنوی بھی پڑھی :

در سینہ چو درد یار دارم

صد ملک ازیں دیار دارم

اے درد! مرو زسینہ بیروں

زنہار کہ باتو کار دارم

(میں اپنے سینے میں دوست کا درد رکھتا ہوں (گویا) اس علاقے کے سو ملک میرے پاس ہیں - اے درد میرے دل سے ہر گز جدا نہ ہو کیونکہ مجھے تو تجھ سے ہی سروکار ہے)

درد عشق کی نشانی یہ ہے کہ (صاحب درد کو) اہل دنیا کی صحبت زہر قاتل محسوس ہوتی ہے - اس کا دل دنیا کی طلب، عزت سرداری، دولت و جائداد سے سرد ہو جاتا ہے اور وہ خواہشات نفسانی سے کلی طور پر آزاد ہو جاتا ہے۔ خواجہ سنائیؒ فرماتے ہیں :

نہ کند عشق نفس زندہ قبول

نہ کند باز موش مردہ شکار

(عشق زندہ نفس کو قبول نہیں کرتا۔ باز مردہ چوہے کا شکار نہیں کرتا)۔

ہمیشہ غم خانے میں غم زدہ کی طرح رہتا ہے۔ چنانچہ ایک عارف باللہ کہتے ہیں :

ہر غم زدہ قامت محبوب کو دیدم

خاکے بسر انداختہ دستے بہ کمرہا

(میں نے قامت محبوب کے ہر غم زدہ (مشتاق) کو دیکھا کہ اس کے سر پر

خاک پڑی ہوئی تھی اور ہاتھ بے بس تھا)۔

(حقیقت یہ ہے کہ) طریقت کے کام اور تصوف کے معاملات عقل سے بالاتر ہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ فلاں شخص نے عام کپڑے پہنے ہیں میں بھی ایسے ہی کپڑے پہنوں یا فلاں شخص بہت نماز پڑھتا ہے میں بھی بہت نماز پڑھوں۔ راہ طریقت ان لوگوں کے لیے ہے جو ساری دنیا سے بے خبر ہو چکے ہیں اور مخالفت نفس میں اپنے نفس سے جنگ کرتے ہیں، درد وغم برداشت کرتے اور پوری سچائی سے عشق کرتے ہیں۔ امیرخسرو فرماتے ہیں:

ایوان مراد بس بلند است
آنجا ہوس رسیدہ نتواں

ایں شربت عاشقی ست خسرو
جز خون جگر چشیدہ نتواں

(مراد کا محل بہت بلند ہے۔ اس مقام تک ہوس کی رسائی محال ہے۔ اے خسرو یہ شربت عاشقی ہے، خون جگر چکھے بغیر اسے نہیں پیا جاسکتا)۔

شیخ قوام الحق والدین فرماتے ہیں:

ایں کار کسانے ست کہ خیزند ز سر و جاں
ایں خانہ خرابی رہ ہر بوالہوسے نیست
سیمرغ تواند کہ کند خانہ کوہ قاف
ایں شیوہ ہموں داند کارے مگسے نیست

(یہ کام ان لوگوں کا ہے جو سر اور جان کی پروا نہیں کرتے۔ یہ خانماں بربادی ہر بوالہوس کی راہ نہیں ہے۔ سیمرغ ہی کوہ قاف میں آشیانہ بنا سکتا ہے، یہ طریقہ وہی جانتا ہے مکھی کے بس کی بات نہیں)۔

اسی ملفوظ کی مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا کہ شیخ نظام الدین کے زمانے میں مولانا عمید بدایونی ایک صاحب عزت عالم تھے۔ برسوں تک ان کا مشغلہ گلہ بانی رہا۔ ایک دن توفیق ازلی ان کو حاصل ہوئی، تمام مشاغل چھوڑ چھاڑ کر ملامتیوں کا طریقہ اختیار کرلیا۔ عورتوں کا لباس اور زیور پہن کر ایک رخسار کو سرخ اور دوسرے کو سیاہ کر کے شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ زانو پر زانو رکھ کر بیٹھ گئے اور کہا، مولانا نظام الدین جو کام میں نے کیا ہے کیا آپ کر سکتے ہیں۔ آپ ہمیشہ غرور کے سجادے اور رعونت کو توشک پر بیٹھے رہتے ہیں اور اپنے آپ کو سچے طالبوں اور سالکوں میں شمار کرتے ہیں۔ شیخ نے مولانا عمید کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا، خاموش رہے۔ انھوں نے دو تین مرتبہ اپنی بات کو دہرایا اور کہا کہ آپ میری بات کا جواب کیوں نہیں دیتے؟ شیخ نے فرمایا، جو کام آپ نے کیا ہے بہت سہل ہے، یہ تو بیاہتا عورتوں اور زنخوں کا شیوہ ہے، مردان خدا کا کام دوسرا ہے۔ مولانا عمید بہت حیران ہوئے اور عرض کیا کہ وہ کیا کام ہے؟ شیخ نے فرمایا، مردان خدا کا کام یہ ہے کہ ہمیشہ درد عشق میں جلتے ہیں، قلب کی پاسبانی کرتے ہیں اور خطرے کو (دل میں) داخل نہیں ہونے دیتے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ ایک درویش شیخ نظام الدین کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ذکر کیا کہ فلاں بزرگ ایسا ایسا کشف اور ایسی ایسی کرامت رکھتے ہیں۔ شیخ نے فرمایا، (یہ بتاؤ کہ) آن بھی رکھتے ہیں، یعنی عشق، اصطلاح صوفیہ میں عشق کو آن کہتے ہیں۔

اس سلسلے میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک مرید شیخ نصیر الدین کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کی کہ کوئی ایسا ورد تلقین فرمائیں جس کے پڑھنے سے حق تعالی کی محبت نصیب ہو۔ شیخ نے فرمایا کہ نماز عصر کے بعد سورہ نساء کی تلاوت کیا کرو۔ (انشاء اللہ) خدائے تعالی کی محبت کے اسیر ہو جاؤ گے۔ شیخ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے شیخ نظام الدین (کی زبان مبارک) سے سنا ہے کہ جو کوئی مسبعات عشر کے بعد یا تحیۃ الوضو

کی دو رکعت ادا کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے، حق سبحانہ تعالیٰ اسے اپنی محبت کا اسیر بنائے گا اور اسے عشق و محبت کی راہ چلنے والوں میں شامل فرمائے گا۔ اللھم احینی محبا لک و امتنی محبا لک واحشرنی یوم القیامۃ فی تحت اقدام کلاب احبابک (یعنی اے اللہ آپ مجھے اپنے محب کی حیثیت سے زندہ رکھیے اور اپنے محب کی حیثیت سے موت دیجیے اور قیامت کے دن میرا حشر اپنے دوستوں کے کتوں کے پیروں کے تلے کیجیے)۔

ایک گروہ نے کہا ہے، محبت کی انتہا عشق ہے۔ محبت کی ابتدا موافقت سے ہوتی ہے۔ اس کے بعد "میل" اس کے بعد "موانست" اس کے بعد "مودت" اس کے بعد "ہوا" اس کے بعد "خلت" اس کے بعد "محبت" اس کے بعد "شفقت" اس کے بعد "تم" اس کے بعد "ولہ" اس کے بعد "عشق" (کا درجہ) ہے۔

"موافقت" یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے دشمنوں یعنی دنیا، شیطان اور نفس سے دشمنی رکھو اور اس کے دوستوں سے دوستی رکھو، ان کی صحبت اختیار کرو اور وہ جو حکم دیں ان کو بجا لاؤ تا کہ تم ان کے دل میں جگہ پا سکو کیونکہ جس شخص نے کسی صاحب دولت بزرگ کے دل میں جگہ حاصل کی اور ان کا منظور نظر بنا وہ خود بھی صاحب نعمت ہو گیا اور بامراد ہوا۔

تانہ یفتد بر تو مردے را نظر

از وجود خویش کے یابی خبر

(جب تک اس کی نظر خاص تجھ پر نہیں پڑتی تو اپنی ہستی کی حقیقت سے بے خبر ہی رہتا ہے)۔

"موانست و میل" یہ ہے کہ تم سب سے گریزاں رہو اور ہر دم اللہ تعالیٰ کی جستجو میں لگے رہو، جسے اللہ تعالیٰ سے انس ہو گیا اسے غیر اللہ سے وحشت ہوتی ہے۔

"مودت" وہ ہے کہ تم یکسوئی سے عجز و زاری ، انتہائی شوق اور بے قراری کے ساتھ مشغول رہو۔

"ہوا" اس کیفیت کو کہتے ہیں کہ تم اپنے دل کو ہمیشہ مجاہدے میں رکھو اور اسے فنا کر دو ، جیسے مصطفےٰ علیہ السلام راتوں کو اٹھ کر نماز پڑھتے تھے اور آپ کے پائے مبارک پر ورم ہو جاتا تھا۔

"خلت" اسے کہتے ہیں کہ تم اپنے اعضا کو دوست (کے ذکر) سے معمور کر دو اور غیر دوست (کے ذکر) سے خالی کر دو۔

"محبت" یہ ہے کہ تم اپنی ذات کو ناپسندیدہ اخلاق سے پاک کر لو اور اپنے اندر پسندیدہ اخلاق پیدا کرو (کیونکہ) جیسے جیسے برے اخلاق ختم ہوتے جاتے ہیں روح جاذبہ محبت کی طرف کھنچنے لگتی ہے اور اس میں اخلاق حمیدہ بالیدہ ہونے لگتے ہیں۔

"شفقت" اسے کہتے ہیں کہ تم انتہائی جرات شوق سے دل پر پڑے ہوئے پردے کو پارہ پارہ کر دو ، اور حیا کرو تاکہ تمھاری محبت کا علم نہ ہو کیونکہ محبت ربوبیت کا راز ہے اور ربوبیت کے راز کا افشا کفر ہے مگر اس صورت میں کہ غلبہ حال سے چھپانے کی طاقت نہ رہے اور بے اختیار ہو جائے (تو قابل عذر ہے)۔

خواہم نہ کنم نالہ و لیکن ز درد دل

ہم ناخواستہ می بر آید فریاد

میں چاہتا ہوں کہ آہ و فغاں نہ کروں لیکن نہ چاہتے ہوئے بھی فریاد نکل جاتی ہے۔

"تتم" یہ ہے کہ تم خود کو محبت کا غلام اور قیدی جانو اور اپنے باطن میں دنیا سے بے تعلقی اور اپنی ذات سے بیگانگی کے اوصاف پیدا کرو۔

"ولہ" اسے کہتے ہیں کہ تم آئینہ دل کو جمال دوست کے سامنے رکھو اور اس کے

حسن سے مست ہو جاؤ اور بیماروں کی طرح رہو۔

"عشق" یہ ہے کہ اپنی ہستی کو فراموش کر دو اور بے قرار ہو جاؤ جیسے مصطفےٰ علیہ السلام کبھی کبھی فرماتے تھے کلمنی یا حمیرا (اے عائشہ مجھ سے بات کرو) ارحنی یا بلال (اے بلال اپنی اذان سے راحت پہنچائیے)۔

قطب عالم نے فرمایا کہ فوائد الفواد میں تحریر ہے کہ ایک روز حضرت شیخ نظام الدین کی مجلس میں سلوک سے متعلق گفتگو ہونے لگی۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ سالک کی توجہ کمال پر رہتی ہے یعنی جب تک سالک سیر سلوک میں رہتا ہے اسے کمال حاصل کرنے کی امید رہتی ہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک سالک ہے ایک واقف اور ایک راجع ہے۔ سالک وہ ہے جو راستے پر چلتا رہتا ہے۔ واقف وہ ہے جو راہ سلوک میں (کسی جگہ) ٹھہر جائے۔ بندے نے عرض کی، کیا سالک راہ سلوک میں ٹھہر بھی جاتا ہے۔ فرمایا ہاں، جب سالک کی عبادت میں کسی طرح فتور واقع ہو جائے، مثلاً عبادت میں جو ذوق حاصل ہوتا ہے، وہ ذوق حاصل نہ ہو تو سالک کی ترقی رک جاتی ہے۔ اگر جلد کامیاب ہو جائے اور توبہ کرے تو پھر سالک کے درجے میں آجاتا ہے اور اگر، اللہ اپنی پناہ میں رکھے، اسی ٹھہراؤ کی حالت میں رہے تو راجع ہو جاتا ہے۔

(آپ کی مجلس میں) اس بات کا ذکر ہوا کہ سالک کا پہلا حال "محاضرہ" ہے، پھر "مکاشفہ" اور آخر میں "مشاہدہ" ہے۔ فاما المحاضرة لا رباب التلوین و المشاهدة لارباب التمکین والمکاشفة بینها الی ان یستقر المشاهدة والمحاضرة لاهل علم الیقین والمکاشفه لاهل عین الیقین والمشاهدة لاهل حق الیقین، یعنی محاضرہ صاحبان تلوین کے لیے اور مشاہدہ صاحبان تمکین کے لیے ہے اور مکاشفہ دونوں کے درمیان ہے۔ یہاں تک کہ مشاہدہ پختہ ہو جائے (یہ کیفیت تو حال کے درجے میں ہے، اور یقین کے درجے میں) محاضرہ علم الیقین والوں کے لیے ہے، مکاشفہ عین الیقین والوں

کے لیے اور مشاہدہ حق الیقین کے درجے پر فائز ہونے والوں کے لیے ہے۔

اس مقام پر قطب عالم نے فرمایا کہ مشاہدہ اور مکاشفہ کے درمیان بہت ہی باریک فرق ہے۔

ورائے حسن بر روئے تو چیز است

کہ کس آں رانمی داند چہ نام است

(تیرے رخ پر، حسن سے ماورا بھی ایک بات ہے لیکن کوئی نہیں جانتا کہ اس کا کیا نام ہے)۔

تجلی - حق تعالی کی ذات اور صفات کے ظہور کو کہتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ تجلی کے بغیر مشاہدہ نہیں ہوتا۔

لطائف (الاشارات، قشیری) میں بیان کیا گیا ہے کہ المشاهدة هی رویته الحق من غير شبهة یعنی خدائے تعالی کو دل کی آنکھ سے بغیر شک و شبہ کے دیکھنا کانه رای العین گویا آنکھ سے دیکھنا ہے۔

سید محمد حسینی (سید بندہ نواز گیسو دراز) فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کے بندے ایسے بھی ہیں جو اس دنیا میں دل کی آنکھ سے خدائے تعالی کو دیکھتے ہیں (وہ اس طرح کہ) یہی آنکھیں جو چہرے پر ہیں تبدیل ہو کر دل کی آنکھ بن جاتی ہیں، ان ہی متبدل آنکھوں سے (خدائے تعالی) کو دیکھتی ہیں۔

فتاوی سراجی میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی کو خواب میں دیکھنا درست ہے۔ اور عقیدہ حافظیہ میں ہے کہ حق تعالی کو خواب میں دیکھنا صحیح ہے کیونکہ پہلے بزرگوں نے خدائے تعالی کو خواب میں دیکھا ہے۔

ذکر آگیا کہ "خزانہ" میں بیان کیا گیا ہے، توبہ پر مضبوطی سے قائم رہنے کی نشانی یہ ہے کہ ان دوستوں کی صحبت ترک کر دی جائے جو بد اعمالی اور بدکاری میں مبتلا

تھے (بلکہ) اس جگہ بھی نہ جائے جہاں اس سے بدکاری سرزد ہونے کا خدشہ ہو اور لایعنی باتیں کرنے اور سننے سے خود کو محفوظ رکھے، من حسن اسلام المرء ترک ما لا یعنیه (کسی شخص کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی باتیں ترک کر دے)

اس محل پر قطب عالم نے فرمایا کہ بعضے (بزرگ) کہتے ہیں کہ جو کچھ فرض، واجب، سنت، مستحب اور دوستوں کی راحت کے سوا ہے، لایعنی ہے۔

بعضے کہتے ہیں کہ ہر عمل اور قول جو خالص نیت کے بغیر وجود میں آتا ہے، بے فائدہ ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ ہر وہ بات جو خدائے تعالیٰ سے دور رکھتی ہے، بے ہودہ ہے۔

نووارد مرید کے لیے لازمی ہے کہ وہ دنیا پرستوں سے دوستی اور تعلق نہ رکھے، ان کی دوستی زہر قاتل ہے۔

بیان کیا گیا ہے (مجلس میں) ذکر آ گیا کہ ملاحدہ کا ایک گروہ کہتا ہے کہ (بندے کو) اتنی زیادہ طاعت کرنی چاہیے کہ وہ اللہ کا ولی ہو جائے، جب وہ اللہ کا ولی ہو جاتا ہے تو اس پر بندگی کے احکام کی پابندی نہیں رہتی یہ (صریح) گمراہی ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ جب آں حضرت علیہ السلام پر جو تمام علوم اور کمالات کے حامل تھے احکام بندی ساقط نہیں ہوئے بلکہ آپ کو حکم دیا گیا واعبد ربک حتی یاتیک الیقین (سورۃ الحجر :۹۹) (یعنی آپ اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے یہاں تک کہ آپ کو موت آجائے) تو پھر دوسروں پر طاعت کے احکام کیسے ساقط ہو سکتے ہیں۔ جس قدر (حق تعالیٰ کا) قرب زیادہ ہوتا جاتا ہے، اسی نسبت سے بندگی بھی زیادہ ہوتی ہے لیکن جب بندہ ولایت کے مقام پر پہنچتا ہے تو ہمیشہ تجلی حضور میں رہتا ہے (اس سبب سے اس پر) احکام کی مشقت ساقط ہو جاتی ہے، ایسا نہیں ہے کہ نفس حکم ہی ساقط ہو جاتا ہے۔ صرف اتنا ہے

کہ عبادت میں مشقت کا احساس نہیں ہوتا بلکہ راحت کا احساس ہوتا ہے اور بندے کو عبادت کے بغیر چین نہیں آتا۔

بعضے بزرگوں نے فرمایا ہے کہ کاش جنت میں نماز ہوتی۔

بعضوں نے کہا ہے کاش جنت میں دوام ذکر ہوتا۔

اس محل پر قطب عالم نے فرمایا کہ شبلی نے مرض وفات میں کسی شخص سے فرمایا کہ مجھے وضو کراؤ۔ اس نے آپ کو وضو کرایا، اور وضو کے فرائض، سنت، مستحب اور تمام آداب کا خیال رکھا لیکن امام کی ریش مبارک کو خلال کرنا بھول گیا۔ شبلی نے اس کا ہاتھ پکڑا، اپنی داڑھی تک لے گئے اور یہ سنت بھی اس حالت میں پوری کی۔

والحرية نهاية العبودية (یعنی بندگی کی انتہا آزادی ہے)۔

من ازاں روز کہ دربند تو افتادم آزادم

(میں اس دن سے کہ تیری قید میں آیا، آزاد ہوں)۔

شریعت کا حق مقدم ہے

فصل ۔ ذکر آگیا کہ جو (سالک) یہ چاہتا ہے کہ (حق تعالی) اس پر حقیقت کی راہ کھول دیں بلکہ اصل حقیقت اس پر ظاہر کر دیں، اس سے کہو کہ پہلے شریعت کا حق ادا کرے۔ جن باتوں کا حکم دیا گیا ہے اور جن سے منع کیا گیا ہے، ان کا ایک دقیقہ بھی فروگزاشت نہ کرے اور ہر حکم پر عمل کر کے شریعت کی کماحقہ تعظیم بجالائے۔

اس موقعے پر قطب عالم نے فرمایا، شریعت دریا میں کشتی کی مثل ہے اور طریقت دریا کی مانند ہے اور حقیقت موتیوں کی مانند ہے، پس جو شخص موتیوں کا طلب گار ہے (اسے چاہیے) کہ وہ کشتی میں سوار ہو جائے اور دریا میں سفر کرنے لگے تب ہی وہ موتی حاصل کر سکے گا۔ سو جس شخص نے یہ ترتیب چھوڑ دی وہ موتیوں تک نہیں پہنچ سکے گا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا، اگر تم کسی کو ہوا میں اڑتے ہوئے اور پانی میں چلتے ہوئے دیکھو اور وہ فرائض سے کسی ایک فرض اور سنن سے کسی ایک سنت کی بجا

آوری نہیں کرتا تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے اور اس میں کرامت نہیں ہے بلکہ جادو ہے یا کافر سے عجائب کا ظہور ہے۔

شرح میں بیان کیا گیا ہے کہ سالک کا پہلا مرتبہ شریعت ہے' اسے چاہیے کہ شریعت کی درست شرائط کے ساتھ عمل کرتا رہے۔ اسرار المعانی میں ہے

شریعت حکم قول مصطفے است

طریقت فعلہائے مجتبے است

(شریعت مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کا قولی حکم ہے اور طریقت آں حضرت کا عمل مبارک ہے)۔

حقیقت جملگی احوال اویست

ازیں رو، ہر سہ ایں رہ ہم از ویست

(حقیقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ احوال مبارکہ ہیں۔ اس لحاظ سے تینوں راستے آپ ہی کے راستے ہیں)۔

خیالست آنکہ بے شرع طریقت

کشانیدت ہمیں راہ طریقت

(یہ محض گمان ہے کہ شرع کے بغیر حق تعالی تجھ پر راہ طریقت کشادہ کر دیں)۔

طریقت بے شریعت نیست واصل

حقیقت بے طریقت نیست حاصل

(شریعت کے بغیر محض طریقت کے ذریعے حق تعالی کا قرب حاصل نہیں ہوتا اور طریقت کے بغیر حقیقت تک رسائی نہیں ہوتی)۔

بہ یک دیگر تعلق ہر سہ دارد

کسے شاں تفرقہ کردن نیارد

(شریعت، طریقت، حقیقت تینوں ایک دوسرے سے مربوط ہیں۔ کسی شخص کو انھیں علیحدہ علیحدہ کرنے سے فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا)۔

اگر تو در شریعت کامل آئی

طریقت را ضرورت شامل آئی

(اگر تو کامل طور سے شریعت میں داخل ہوتا ہے تو گویا طریقت میں لازمی طور پر داخل ہو گیا)۔

تمام آئی اگر اندر طریقت

عیاں گردد بتو نور حقیقت

(اسی طرح جب تو پورے طور سے طریقت میں آگیا تو یقیناً تجھ پر نور حقیقت آشکار ہو گا)۔

طریقت بے شریعت راست ناید

حقیقت بے شریعت کے کشاید

(نتیجہ یہ نکلا) جس طرح بغیر شریعت کے طریقت کار گر نہیں ہے اسی طرح شریعت کے بغیر حقیقت کی راہ بھی نہ کھلتی)۔

شریعت در نماز و روزہ بودن

طریقت در جہاد اندر فزودن

(شریعت نماز اور روزے (یعنی فرائض) کی ادائیگی ہے۔طریقت (ادائے فرض کے) جہاد میں بڑھتے رہنا ہے)۔

حقیقت روئے در دلدار کردن

نظر اندر جمال یار کردن

(حقیقت اپنے چہرے کو محبوب کے رخ کی طرف پھیر لینا اور اس کے جمال

کو دیکھتے رہنا ہے)۔

کسی عارف نے کہا ہے:

رہ رویا روی اینک طبیعت

رہ فرماں روی اینک شریعت

رہ باطن روی اینک طریقت

چو در باطن رسی اینک حقیقت

(جب تو نشوونما پانے والی چیزوں کی طرح زندگی گزارتا ہے تو یہ طبیعت و فطرت ہے، جب تو فرماں برداری کی راہ چلتا ہے تو یہ شریعت ہے۔ جب تو باطن کا سفر کرتا ہے تو یہ طریقت ہے، جب باطن تک رسائی حاصل کر لیتا ہے تو یہ حقیقت ہے۔

فصل۔ ذکر آ گیا کہ سالک کو اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہیے اور بغیر وقفے کے مشغول بہ حق رہنا چاہیے، جیسا کہ قطب عالم نے فرمایا ہے کہ رابعہ بصری کے رہنے کی جگہ عام گزر گاہ تھی۔ لوگوں نے ان سے کہا کہ رہنے کی جگہ پر دروازہ لگائیے تاکہ رات اطمینان و سکون کے ساتھ گزرے (چنانچہ) دروازہ لگا دیا گیا۔ رات دروازے پر رہیں، صبح ہوتے ہی دروازے کو ہٹا دیا۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ آپ نے دروازہ کیوں ہٹا دیا۔ فرمایا کہ دروازہ ہوتا ہے تو بند کرنے اور کھولنے کی وجہ سے مشغولیت میں انتشار رہتا ہے۔ دروازے کو (بار بار) بند کرنا اور کھولنا وقت کو ضائع کرنا ہے۔

رابعہ مناجات میں عرض کرتی تھیں، اے مالک! رابعہ کے نصیب میں دنیا کا جو حصہ ہے وہ آپ اپنے دشمنوں کو دے دیجیے اور رابعہ کے حصے میں جنت کے جو انعامات ہیں وہ اپنے دوستوں کو بخش دیجیے۔ دنیا میں رابعہ کو آپ کا غم و اندوہ کافی ہے اور بہشت میں آپ کی (بخشی ہوئی) نشانی بہت ہے۔

اس بات کا ذکر ہونے لگا کہ ہر منزل اور مقام کی ابتدا اور انتہا ہوتی ہے،

چنانچہ توبہ، انابت (برے کاموں سے باز آنا) اور پرہیز گاری بھی اپنی ابتدا و انتہا رکھتے ہیں۔ توبہ کی انتہا انابت کی ابتدا ہے اور انابت کی انتہا پرہیز گاری کی ابتدا ہے۔ اسی طرح دوسرے مقامات کی ابتدا و انتہا ہے۔ پس سالک کو چاہیے کہ ایک مقام سے دوسرے مقام میں اس وقت تک منتقل نہ ہو جب تک وہ اس مقام کو درست نہ کر لے جس میں وہ فی الحال موجود ہے۔

اس موقعے پر قطب عالم نے فرمایا، ارباب طریق نے یہ جو کہا کہ سالک ایک مقام سے دوسرے مقام میں اس وقت تک منتقل نہ ہو جب تک اس مقام کو پختہ نہ کر لے جس میں وہ موجود ہے، اس راہ کی سند ہے۔ یہ ضابطہ ایسے شخص کے لیے ہے، جس کا درد محبت درجہ کمال پر نہیں ہے، لیکن جب کوئی سالک اللہ تعالی کے فضل سے یکایک درد و عشق کا مقام حاصل کر لیتا ہے تو خواہ وہ مبتدی ہی کیوں نہ ہو، ہمارے مشائخ اس کو توبہ، پرہیز گاری، زہد اور تقوے کی استقامت سے قبل ہی ذکر اور مراقبے کی تلقین کرتے ہیں، شیخ کے ساتھ رابطہ قلبی کے طریقے سکھاتے ہیں اور اس کے آداب و شرائط بھی ذہن نشین کراتے ہیں تاکہ وہ اس کام میں اس درجہ مشغول ہو جائے کہ اسے اس بات کا احساس و شعور ہی باقی نہ رہے کہ مذکورہ مقامات اسے حاصل ہو جائیں۔ یہ تمام حقائق سوائے اس گروہ کے کوئی نہیں جانتا اور سوائے اہل عشق کے کوئی اس کی تصدیق نہیں کرتا۔

ہاں اے عزیز! جس وقت (جاذبہ) عشق آتا ہے تو زہد کا کیسا مقام اور پرہیز گاری کی کہاں جگہ۔ عشق ایسی آگ ہے جس کی ایک لپٹ تمام مزاحمت کرنے اور روکنے والی چیزوں کو ایک دم میں جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔

ہر جا کہ سلطان خیمہ کرد غوغا نماند عام را

(جہاں بادشاہ اپنا خیمہ گاڑتا ہے وہاں عام لوگوں کو جگہ نہیں ملتی)۔

ذکر آگیا کہ جنید نے فرمایا، صوفیہ کے پانچ اصول میں سے ایک ہمیشہ روزہ رکھنا ہے۔ روزہ قلب کی سختی کو مٹا دیتا ہے۔ روزہ رکھنے سے مقصود یہ ہے کہ نفس کو بھوکا رکھا جائے تا کہ اس کے غلبے پر تصرف حاصل ہو جائے اور غلبہ نفس جیسا کہ اسے بھوکا رکھنے سے ہوتا ہے کسی اور چیز سے نہیں ہوتا (اس غلبے پر تصرف حاصل کر کے نفس کو بے زور کیا جاتا ہے) اس راہ میں بھوکا رہنا اصل عظیم ہے اور اسی بنا پر آں حضرت علیہ السلام نے فرمایا، ضحک الجائع خیر من بکا الشبعان (یعنی بھوکے شخص کا ہنسنا پیٹ بھرے کے رونے سے بہتر ہے)۔

قطب عالم بارہا یہ شعر پڑھتے تھے:

جوع طعام خویش کن تا کہ قبول حق شوی

چونکہ قبول حق شدی باہمہ خلق ناز کن

(اپنے کھانے سے بھوکا رہ تا کہ تو حق تعالی کی بارگاہ میں قبول کر لیا جائے، جب تو حق تعالی کا مقبول ہو گیا تو پھر ساری مخلوق سے ناز کر)۔

اس گفتگو کی مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا کہ ایک روز ایک شخص جو صوفیوں کا لباس پہنے ہوئے تھا، ایک صوفی کے دروازے پر آیا اور اس کی لڑکی سے پانی مانگا۔ لڑکی نے یہ گمان کر کے کہ درویش کو وضو کے لیے پانی درکار ہے، پانی لا کر دے دیا۔ جونہی اس صوفی لباس شخص کو پانی ملا، سب کا سب پی گیا۔ صوفی کی بیٹی انتہائی اضطراب کی حالت میں باپ کے پاس آئی اور کہا اے والد ہوشیار ہو جائیے کہ قیامت آپہنچی۔ باپ نے کہا اے بیٹی کیا کہہ رہی ہے، تجھے قیامت کے برپا ہونے کی تحقیق کہاں سے ہو گئی جو اس قدر خوف زدہ ہو کر میرے پاس آئی ہے۔ لڑکی نے کہا میں نے ایک شخص کو جس نے صوفیوں کا لباس پہنا ہوا ہے، دیکھا کہ اس نے دن میں پانی پیا یہ حیران کن بات ہے کہ صوفی دن میں پانی پیے اور قیامت برپا نہ ہو۔

اس سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا کہ ایام بیض کے روزوں کا ثواب بہت زیادہ ہے۔ ہمارے بزرگ (ایام بیض کے) روزے چھوڑنے کی قطعی طور پر اجازت نہیں دیتے تھے البتہ شیخ نصیر الدین محمود روزہ چھوڑنے کی اجازت دیتے تھے کیونکہ ان کے اکثر مرید سپاہی پیشہ تھے۔ تنگی دور کرنے کے لیے روزہ نہ رکھنے کی اجازت بھی دیتے تھے چنانچہ میں بھی اس کی اجازت دے دیتا ہوں۔ بعد ازاں فرمایا، سالک کو چاہیے کہ ہمت بلند رکھے اور ایام بیض کے روزے نہ چھوڑے، سوائے ان دنوں کے جن میں روزہ رکھنا منع ہے۔ اگر سال پورا ہو گیا تو بہت ہی اچھی بات ہے، سال پورا نہ ہوا ہو تو رجب و شعبان کے مہینے بغیر روزے کے نہ گزرنے دے اور ہر ہفتے، جمعہ، جمعرات اور پیر کے دن روزہ رکھنے کا التزام کرے کہ یہ طالبوں کی نشانی اور محبوں کی علامت ہے۔ اسی طرح دس محرم اور دوسرے اہم دنوں کے روزے جو اوپر مذکور ہیں ضرور رکھے کیونکہ بہت فیض ( ) حاصل ہوتا ہے۔

بیان کیا گیا ہے (مجلس میں) ذکر آگیا کہ جب کسی روزے دار کو، افطار کے وقت سے پہلے کھانے کی کوئی چیز ملے تو اسے افطار کے وقت تک سنبھال کر نہ رکھے بلکہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے (کسی بھوکے کو) دے دے اور پھر افطار کے وقت جو کچھ میسر ہو جائے اس سے روزہ افطار کرے۔ ایسا شخص صابر ہوتا ہے۔

اس محل پر قطب عالم نے فرمایا کہ شیخ نظام الدین کے عہد میں ایک درویش تھے۔ صبح سے شام تک جو کچھ ہدیۃً "انھیں ملتا وہ صرف کر دیتے اور محتاجوں، حق داروں کو دے دیتے اور خود روزے سے رہتے۔ جب کوئی شخص ان درویش کا ذکر شیخ نظام الدین کی خدمت میں کرتا تو آپ فرماتے کہ میرے سامنے اس بخیل کا نام نہ لو۔ جب بار بار ایسا ہوا تو آپ کے خاص مریدوں میں سے ایک مرید نے عرض کیا کہ حضرت مخدوم ہر بار یہی فرماتے ہیں کہ میرے سامنے اس بخیل کا نام نہ لو۔ حالانکہ وہ صبح سے شام تک (جو

کچھ ملتا ہے) کوئی شے بچا کر نہیں رکھتے۔فرمایا ایسا ہی ہے لیکن جب اسے پہلا ہدیہ ملتا ہے تو اس میں سے دو روٹی افطار کے لیے بچا کر رکھ لیتا ہے اور اتنا بھروسہ نہیں کرتا کہ جس خدا نے اسے اتنا کچھ پہنچایا ہے وہ افطار کے وقت دو روٹی نہیں پہنچائے گا۔ (پس) جو شخص دو روٹیوں سے علیحدہ نہیں ہو سکتا میں اسے بخیل نہ کہوں تو کیا کہوں۔ (حضرت شیخ کے ملفوظات میں یہ حکایت نہیں ملی، مترجم)

ذکر ہوا کہ قیام اللیل (رات میں نماز پڑھنا) صوفیہ کے پانچ اصول میں سے دوسرا اصول ہے۔ ذوالنون (مصری) نے فرمایا ہے جب تو اپنے قلب کے بگاڑ کو مٹا دینے کا ارادہ کرے تو رات کا قیام لازم کرے، اس کے علاوہ رات کے قیام سے محبت پیدا ہوتی ہے۔محبت کا دعوی قیام شب کے بغیر جھوٹا ہوتا ہے، کیونکہ قیام شب محبت و شوق کی علامت ہے۔

اس محل پر قطب عالم نے فرمایا، ایک دفعہ کسی درویش نے ایک جوان شخص کو دیکھا کہ وہ ساری رات ایک گلی میں کھڑا رہا۔ درویش نے اس سے پوچھا کہ تمام رات گلی میں کھڑے رہنے کا کیا سبب تھا؟ اس نے جواب دیا کہ میری محبوبہ نے ملاقات کا وعدہ کیا تھا اس لیے اس کے انتظار میں کھڑا رہا۔ درویش متنبہ ہوا، ہائے افسوس ! ایک شخص جو مجازی محبت کا دعوی کرتا ہے، تمام رات جاگتا رہے اور وہ شخص جو حق تعالی کی محبت کا دعوے دار ہے، ساری رات سوتا رہے۔

عجبا للمحب کیف ینام   کل نوم علی المحب حرام

قم قم یا حبیبی کم تنام   و طالب الرب لا ینام

(اس محب پر حیرت ہے کہ وہ کیسے سو جاتا ہے جب کہ محب پر ہر طرح کی نیند حرام ہے۔ اے دوست کھڑا ہو کب تک سوتا رہے گا۔ اے طالب رب (غافل ہو کر) نہ سونا)۔

چشمے کہ دروخار بود چوں خسپد

واں را کہ غمے یار بود چوں خسپد

اے دیدہ گنہ می کنی وبی خسپی

آں کس کہ گنہ گار بود چوں خسپد

(جس آنکھ میں کانٹا کھٹکتا ہو وہ کیسے سو سکتی ہے اور جس شخص کو دوست کا غم ہو کس طرح سو سکتا ہے۔ اے آنکھ تو گناہ کرتی ہے اور سو جاتی ہے، جو شخص گنہ گار ہو وہ کیسے سو سکتا ہے)۔

منقول ہے (مجلس میں) ذکر آگیا کہ جب کوئی شخص مغرب اور عشا کے درمیان اوقات میں ذکر یا قرآن کی تلاوت کرتا ہے یا نوافل و مراقبے میں مصروف رہتا ہے تو وہ زنگ جو مخلوق کے ساتھ میل جول رکھنے اور کہنے سننے کی وجہ سے (دل پر) چھا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ چاہیں تو اپنے کرم سے دور کر دیتے ہیں۔ اس شخص پر تہجد کی نماز آسان ہو جاتی ہے اور نماز و طاعت کی حلاوت اسے نصیب ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا کہ درویش مغرب و عشا کے درمیان جو وقفہ ہوتا ہے اس میں مشغولیت کا بے حد خیال رکھتے ہیں، کیونکہ اگر کوئی شخص اس وقفے کے درمیان مشغولیت میں سستی کرتا ہے تو رات (نماز تہجد) اسے میسر نہیں ہوتی اور اگر وہ تہجد کے لیے اٹھ بھی جاتا ہے تو مناجات کا مزہ اسے حاصل نہیں ہوتا۔

(مجلس میں) ذکر ہوا کہ اصول خمسہ سے تیسرا اصول اخلاص عمل ہے یعنی جو کام کیا جائے اس کا مقصود حق تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ وما امروا الا لیعبدوا اللہ مخلصین لہ الدین (سورہ البینہ : ۵) (یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا حالانکہ ان لوگوں کو یہی حکم ہوا تھا کہ اللہ کی اس طرح عبادت کریں کہ عبادت اسی کے لیے خاص رکھیں)۔

اصول خمسہ کا چوتھا اصول یہ ہے کہ یہ گروہ اپنے اعمال کی اس درجہ نگہداشت کرے کہ ہر رکن پوری طرح (سنت کے مطابق) ادا ہو، اور یہ کہ کوئی رکن ادا ہونے سے رہ نہ جائے بلکہ سالک کے لیے ضروری ہے کہ وہ آداب سے بھی غافل نہ ہو اور انھیں بے معنی نہ ہونے دے کہ (بزرگوں نے) کہا ہے، جس نے آداب کو حقیر سمجھا اس کا انجام سنت سے محرومی ہے اور جس نے سنت کو اہمیت نہ دی وہ فرائض سے محروم رہا اور جس فرائض کو نظر انداز کیا وہ توحید سے محروم ہو گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ) اعمال کو صحیح طور پر ادا کرنا اور آداب کو حسن و خوبی کے ساتھ برتنا، باطن کے آراستہ ہونے کی دلیل ہے۔

کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آں حضرت نے ایک دفعہ ایک شخص کو دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے اپنے اعضا سے کھیل رہا ہے تو فرمایا، اگر اس کا دل عاجزی کرنے والا ہوتا تو اس کے اعضا بھی عاجزی کرنے والے ہوتے۔ بے شک (آپ کا یہ فرمانا) درست ہے، بے شبہ ظرف میں جو کچھ ہوتا ہے ظاہر ہو جاتا ہے۔ جس شخص کے دل میں حق تعالی کا خوف جس قدر زیادہ ہوتا ہے اسی قدر اس کے اعمال میں رعایت اور آداب میں حسن زیادہ ہوتا ہے۔

اصول خمسہ کا پانچواں اصول، اس گروہ کا خدائے عزوجل پر توکل ہے۔ مصیبت ہو یا راحت، مرض ہو یا صحت، محتاجی ہو یا مال داری، تنگی ہو یا کشادگی، ہر حال میں خدا پر توکل درکار ہے۔ توکل کے باب میں مختلف اقوال ہیں جنھیں یہاں اختصار کے باعث نقل نہیں کیا گیا، البتہ ان میں سے ایک قول یہاں نقل کیا جاتا ہے:

متوکل وہ شخص ہے جو دل اور اعضا (کی موافقت) کے ساتھ اپنے حال پر قانع ہوتا ہے اور وکیل (خدائے تعالی) کا حق ادا کیے بغیر دل اور اعضا پر توجہ نہیں دیتا۔ اس وقت وہ توکل کرنے والوں کے زمرے میں شامل ہوتا ہے۔

قطب عالم یہ شعر پڑھتے تھے :

شیر نرلو سد بہ لبہا مرد قانع را قدم

مادہ سگ خاید بدنداں پائے مرد ہر دری

(نر شیر اپنے ہونٹوں سے قناعت کرنے والے شخص کے قدم چومتا ہے (اس کے برعکس) کتیا ہر دروازے سے بھیک مانگنے والے کے پیر اپنے دانتوں سے چبا ڈالتی ہے)۔

حضرت شاہ مینا نے فرمایا، توکل کی حقیقت آبادی سے الگ تھلگ بیابانوں اور ویرانوں میں بسیرا کرنا اور دنیا سے کلی طور پر بے تعلق ہو کر ایک گوشے میں بیٹھ جانا ہے اور مخلوق سے ظاہراً اور باطناً کنارہ کش ہو کر ہر طرح کا حیلہ اور تدبیر ترک کر کے لوگوں سے اپنی حالت چھپانا اور طاعت و عبادت میں مشغول ہونا ہے۔ (اس کے برعکس) بستیوں اور شہروں میں بھی قیام کرنے کو توکل کہا گیا ہے، لیکن اس کی شرط یہ ہے کہ متوکل کے دل میں (ایک لمحے کے لئے بھی) اپنی شہرت، زیادہ میل جول، عزت و مرتبہ، عہدہ و سرداری اور بزرگی کا خیال نہ آئے۔ بس حق تعالیٰ ہی کے لیے زندگی بسر کرے اور اپنے دل کو مخلوق کے میل جول سے بے تعلق کرے۔

اگر کوئی شخص روزی نہیں کماتا اور گھر میں بیٹھ کر یاد الٰہی کرتا ہے لیکن اس کا دل گھر میں بے چین رہے اور وہ لوگوں کی آمد و رفت کی امید رکھے تو ایسے شخص کے لیے کسب کرنا بہتر ہے کیونکہ اس کا دل آنے جانے والوں کی طرف متوجہ رہتا ہے کہ شاید ان سے ضرورت پوری ہو جائے (یہ خواہش توکل کے منافی ہے) اس خواہش کو دل سے کلی طور پر مٹا دینا روزی ترک کرنے سے زیادہ مشکل ہے، البتہ جس شخص کی عبادت میں روزی کمانے سے خلل پیدا ہوتا ہے اور اس کے ترک کرنے سے ذکر و فکر اور استغراق میں ترقی ہوتی ہے اور اسے اس کا یقین بھی ہو اور وہ لوگوں کی آدورفت کا

خواہش مند بھی نہ ہو بلکہ صبر کرنے اور حق تعالی پر بھروسہ کرنے سے اس کا دل زیادہ قوی ہو جائے تو ایسے شخص کے لیے گھر میں بیٹھ کر توکل کرنا اور معاش ترک کرنا زیادہ بہتر ہے، ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (سورۃ الطلاق : ۳) (یعنی جو شخص اللہ پر توکل کرے گا تو اللہ تعالی اس کے لیے کافی ہے) ۔ ایسے شخص کو اگر کسی جگہ سے کوئی چیز پہنچے اور وہ اس چیز کو نیک مصارف میں خرچ کرے تو اس کے لیے جائز اور نفع بخش ہے۔

قطب عالم نے فرمایا، ایک خاص حالت میں اس گروہ کو فتوح (ہدیہ) قبول کرنا جائز ہے اور وہ حالت یہ ہے کہ (فتوح قبول کرنے والا) نفسانی خواہش اور کھانے پینے کی ہوس سے کلی طور پر آزاد ہو چکا ہو اور مقام اخلاص میں جو تمام مقامات میں نازک ترین مقام ہے، ترقی کر کے پہنچا ہو۔ اس کے نزدیک اپنی تعریف اور مذمت یکساں ہو بلکہ اسے مذمت تعریف سے زیادہ اچھی لگتی ہو، اس کی نظر میں محتاج و غنی ایک ہوں بلکہ وہ اللہ کی رضا کے لیے محتاج کو دولت مند سے سو گنا بہتر سمجھتا ہو اور ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے صاحب دولت کے مال اور مرتبے سے بے پروا ہو، اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ فتوح کو اور جو شخص فتوح لایا ہے دونوں کو قطعی طور پر واسطہ و ذریعہ خیال نہ کرے اور اس امر میں حق تعالی ہی کو کار فرما تصور کرے۔ جو کچھ کھائے اللہ کے لیے کھائے اور جو کچھ لے اللہ کے لیے لے۔

فتوح قبول کرنے والے کو کریم الطبع ہونا چاہیے، وہ پیدائشی طور پر فیاضی اور سخاوت کے اوصاف سے آراستہ ہو اور اپنی ہمت عالیہ کو اس طرف لگا دے کہ ہدیہ لانے والے کے مال میں اضافہ ہو اور جو شخص ہدیہ لانے سے قاصر ہو اس کے حق میں بھی دعا کرے اور اپنا حق اسے معاف کر دے۔

جو شخص اس مقام تک نہیں پہنچا اور اپنی بزرگی کے گمان میں لوگوں کی

رغبت اور ان کی کثرت کو اپنے دل میں جگہ دیتا ہے اور نذرانے وصول کرنے میں دلیری دکھاتا ہے اور پھر ان نذرانوں سے اپنے نفس کی خواہش کو پورا کرتا ہے۔ بیوی بچوں، قرابت داروں اور نوکروں پر ان کی ضرورت سے زیادہ خرچ کرتا ہے یا عام لوگوں کو دے ڈالتا ہے تا کہ وہ اس کے تابعدار اور معتقد ہو جائیں یا ذخیرہ کرنے کے خیال سے جمع کرتا ہے تو ایسے شخص کا گمان بزرگی ایک خیال اور بے بنیاد دعوے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے پناہ میں رکھے۔ صحیح روش یہ ہے کہ جو کچھ عالم غیب سے وصول ہو اسے محتاجوں میں تقسیم کر دے اور ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے ذخیرہ نہ کرے، ادھر سے آیا ادھر گیا والا حال رکھے:

دست خاقانی بدولاب رواں می ماند

بہ یکے دست بیاید بہ دگر دست رود

(خاقانی کا ہاتھ رہٹ کے ساتھ حرکت میں رہے یعنی ایک ہاتھ میں آئے اور دوسرے ہاتھ میں چلا جائے)۔

ذخیرہ نہ کرنا اس شخص کے لیے ہے، جس کے دل میں کسی طرح کا اضطراب اور تشویش پیدا نہ ہو اور اس کا نفس لوگوں کے ہدیے اور نذرانے لانے سے بے پروا ہو اور وہ سوائے حق تعالیٰ کے کسی ہستی کو اپنا وکیل نہ سمجھتا ہو۔ اگر کسی شخص کے نفس میں اضطراب پیدا ہوتا ہے اور وہ یہ خیال کرتا ہے کہ ذخیرہ کرنے سے وہ بے ساتھ عبادت میں مشغول رہے گا تو ایسے شخص کے لیے ذخیرہ کرنا بہتر ہے، یہ اس لیے کہ جب توکل صحیح ہو تو ذخیرہ کرنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا، تاہم مناسب بات یہی ہے کہ ذخیرہ نہ کیا جائے۔ البتہ جس شخص کا یقین اور دل کمزور ہو اس کے لیے بہتر یہی ہے کہ بقدر ضرورت ذخیرہ کرے۔ یہ اجازت استثنائی ہے۔ بہر حال صاحب اہل و عیال کا، خواہش نفس کی بنا پر نہیں بلکہ اہل و عیال کی کفالت کی غرض سے ایک سال کی ضرورت کے

لیے ذخیرہ کرنا توکل کے منافی نہیں ہے۔ایک سال کی ضرورت سے زیادہ ذخیرہ کرنا توکل کی حیثیت کو باطل کر دیتا ہے۔

قطب عالم نے فرمایا، جب کوئی شخص اس گروہ پر ظلم کرے یا کوئی چور اس کا مال و اسباب چرا لے جائے تو (ظالم اور چور کو) برا نہ کہے، اگر برا کہے گا تو توکل باطل ہو جائے گا بلکہ جب چور اس کا مال لے جائے یا گم ہو جائے تو خوش ہو اور مال سے محروم ہونے کا غم نہ کرے۔ اگر ہو سکے تو کسی سے اس کا ذکر بھی نہ کرے اور اس نقصان کو دونوں جہان کی بھلائی تصور کرے۔

گم شدہ اشیا کے بارے میں بزرگان دین کا نقطہ نظر

ایک دفعہ کسی مرید نے قطب عالم کی خدمت میں گھوڑا نذر کیا۔ (کچھ عرصے بعد) اسے چور لے گئے۔ جب انھیں یہ معلوم ہوا کہ چرایا ہوا گھوڑا قطب عالم کا ہے تو انھوں نے آپ کو کہلوایا کہ ہمیں کچھ دے کر گھوڑا لے جائیں۔ قطب عالم نے جواب بھجوایا کہ اللہ تعالی یہی چاہتے تھے کہ گھوڑا چوری ہو جائے۔ ہماری بھلائی بھی اسی میں ہے، کچھ دے کر گھوڑا لانا درویشی کے خلاف ہے۔ہم گھوڑا واپس لینا نہیں چاہتے۔تم خواہ بیچو یا کھا جاؤ، ہم نے تمھیں بخش دیا۔

قطب عالم کبھی کبھی یہ اشعار پڑھتے تھے، رباعی:

ہر کہ مارا یار نبود ، ایزد اورا یار باد
ہر کہ مارا رنج دارد راحتش بسیار باد
ہر کہ اندر راہ ما خارے نہد از دشمنی
ہر گلے کز باغ عمرش بشگفت بے خار باد

(فوائد الفواد)

(جو ہمارا مددگار نہیں خدا اس کا مددگار ہو۔ جو ہمیں تکلیف پہنچائے اسے بہت سی راحتیں نصیب ہوں۔ جو دشمنی سے ہمارے راستے میں کانٹے بچھائے (ہماری دعا ہے کہ)

اس کی زندگی کے چمن میں پھول کھلے، اس میں کانٹا نہ ہو)۔

قطب عالم نے یہ بھی فرمایا کہ ایک دفعہ شیخ بہاء الدین زکریا کی سونے کی صندوقچی گم ہو گئی، جب حضرت مخدوم کو اس کے گم ہو جانے کی اطلاع دی گئی تو فرمایا، اللہ کا شکر ہے کچھ عرصے بعد وہ طلائی صندوقچی مل گئی، اس وقت بھی حضرت مخدوم نے فرمایا، اللہ کا شکر ہے۔ حاضرین مجلس کے دل میں خیال گزرا کہ گم شدہ صندوقچی کے مل جانے پر، جو دنیا کا تھوڑا سا حصہ ہے، حضرت نے الحمد للہ کیوں کہا۔ حضرت مخدوم نے فرمایا، پہلی اور دوسری مرتبہ میرے الحمد للہ کہنے کا سبب یہ نہ تھا کہ دنیا کا کچھ حصہ چلا گیا یا مل گیا تھا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر بجالانے کا سبب دل کا اطمینان تھا کہ جب صندوقچی کے گم ہونے کی اطلاع مجھے دی گئی تو دل کو کسی طرح کا غم اور فکر نہ ہوا۔ میں نے دل کے اس اطمینان پر الحمدللہ کہا اور جب صندوقچی مل جانے کی خبر ملی تو دل میں خوشی و شادمانی کا احساس پیدا نہ ہوا بلکہ دل کی حالت پہلے جیسی ہی رہی تو میں اس حالت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالایا۔

قطب عالم فرماتے تھے کہ جس طرح متوکل کا دوا نہ کرنا عزیمت (ہمت کی مضبوطی) ہے، اسی طرح رخصت یعنی مرض میں طبیبوں کی ہدایت کے مطابق دوا کرنا توکل کے منافی نہیں ہے، کیونکہ آں حضرت نے (مرض میں) دوا کی ہے۔ آپ نے فرمایا ہے : مامن داء الا وله دواء الا الاسلام عرفه من عرفه و جهله من جهله (یعنی کوئی مرض ایسا نہیں ہے جس کی دوا نہ ہو، سوائے اسلام کے کہ جس نے جانا اس نے جان لیا اور جس نے نہ جانا وہ نہ جان سکا۔) آپ نے یہ بھی فرمایا : اللہ کے بندو دوا کراؤ۔ اور یہ حدیث مشہور ہے : جب بھی کوئی فرشتہ میرے پاس آیا اس نے یہ ضرور کہا کہ اپنی امت کو فصد کھلوانے کا حکم دیں۔

فصل ۔ (مجلس میں) ذکر آ گیا۔ سہل تستری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، ہمارے اصول سات

چیزیں ہیں۔ ان میں سے ایک قرآن حکیم کو مضبوطی سے پکڑنا ہے حتی کہ کوئی کام کتاب الہی کے خلاف نہ کیا جائے۔ ارشاد باری تعالی ہے: واعتصموا بحبل الله جميعا (سورۃ آل عمران: ۱۰۳)۔(اور سب (مل کر) اللہ (کے دین) کی رسی کو پکڑے رہو)۔

اصول سبعہ کا دوسرا اصول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے یعنی آپ کی سنت کے مطابق زندگی بسر کرنا حتی کہ کوئی کام آں حضرت کے قول اور فعل کے خلاف نہ کیا جائے۔ رسول خدا کی اتباع خدا کی محبت کی شرط ہے۔ ارشاد خداوندی ہے: قل ان كنتم تحبون الله فاتبعوني يحببكم والله (سورۃ آل عمران: ۳۱) (یعنی آپ فرما دیجیے کہ اگر تم خدا تعالی سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدا تعالی تم سے محبت کرنے لگیں گے) پس جو شخص رسول خدا کی اتباع کیے بغیر خدائے تعالی کی محبت کا دعوی کرتا ہے وہ جھوٹا ہے اور صراط مستقیم سے ہٹ گیا ہے۔

امریست حکم شرع تو ذوبال بے خلاف

ذوبال را خلاف رضایت بود و بال

مقبول باب لطف تو ہادی و مہتدی

مردود آستان قبولت مضل و ضال

(آپ کی شریعت کا حکم بغیر کسی اختلاف کے عظمت والا فیصلہ ہے۔ جو صاحب عزت آپ کی خوشنودی کے خلاف عمل کرتا ہے وبال میں پڑتا ہے۔ آپ کی بارگاہ لطف میں جو مقبول ہوا وہ ہدایت کرنے والا اور ہدایت یافتہ ہے اور جو آپ کی بارگاہ قبولیت سے راندہ گیا وہ گمراہ ہے اور گمراہ کرنے والا ہے)۔

قال النبی علیہ السلام، من احدث فی امرنا ھذا مالیس منی فھو رد (نبی علیہ السلام نے فرمایا، جس نے ہمارے اس حکم میں نئی بات پیدا کی جو میری طرف سے نہیں ہے وہ رد کرنے کے لائق ہے) یعنی نئی بات پیدا کرنے والا مردود ہے اس کی

پیروی نہ کی جائے، نئی بات پیدا کرنے والا مزدود ہے اس کی بیعت نہ کی جائے

اصول سبعہ کا تیسرا اصول اکل حلال ہے یعنی حلال کھانا، جو کچھ کھائے حلال مال میں سے کھائے، حرام مال اور جس چیز میں شک ہو اس سے بچا جائے۔

اے عزیز جہاں تک ہو سکے کوشش کرو کہ حلال کھانا کھاؤ اور حرام و مشکوک شے سے پرہیز کرو، کیونکہ صرف نماز اور روزے سے کام نہیں بنتا جب تک حلال کھانا اور سچ بولنا نہ ہو۔

قال الله تعالی : کلوا من الطیبات واعملوا صالحا (سورۃ المومنون : ۵۱)
(ارشاد باری تعالی ہے، ستھری چیزیں کھاؤ اور نیک عمل کرو۔ (اس حکم میں) اکل حلال کو عمل نیک سے پہلے رکھا گیا ہے، پس پہلے اکل حلال چاہیے اس کے بعد نیک عمل۔

(حضرت عبداللہ) ابن مسعود رضی اللہ سے روایت ہے، حلال مال حاصل کرنا فرض ہے، اور آپ سے یہ بھی روایت ہے : من اکل الحلال اربعین یوما نور الله قلبه واجری ینابیع الحکمة من قلبه ولسانه (یعنی جس شخص نے چالیس دن حلال روزی کھائی حق تعالی اس کے دل کو منور کر دیتے ہیں اور اس کے قلب و زبان سے حکمت کے چشمے جاری کر دیتے ہیں)۔

اسی سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا کہ فوائد الفواد میں تحریر ہے کہ ایک جوان ابراہیم ادہم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بیعت کی۔ وہ جوان کثرت سے عبادت کرتا تھا۔ اس کی کثرت عبادت و طاعت کو دیکھ کر ابراہیم کو سخت حیرت ہوئی اور انھوں نے اپنے نفس پر غصہ کیا کہ یہ نووارد جوان جس قدر عبادت کرتا ہے تو نہیں کرتا۔ بعدازاں ابراہیم نے معلوم کیا کہ یہ تمام شیطنت ہے۔ وہ ناجائز لقمہ کھاتا ہے اور شیطان نے اسے اسی کام پر لگا رکھا ہے۔ ابراہیم نے اس جوان کو حکم دیا کہ جو کھانا میں کھاتا ہوں تم

بھی اسی میں سے کھایا کرو۔ جوان نے حکم کی تعمیل کی اور درویشوں کا کھانا جو لکڑیاں فروخت کر کے حاصل کیا جاتا تھا، کھانے لگا۔ اس کھانے سے بے اصل عبادت کا زور ٹوٹ گیا اور اس کی عبادت میں کمی آ گئی۔ رفتہ رفتہ یہ حال ہو گیا کہ فرض عبادت بھی عذر کے ساتھ ادا کرنے لگا حتی کہ اس جوان کا کام بن گیا اور اصل کی طرف لوٹ آیا۔

اصول سبعہ کا چوتھا اصول مسلمانوں کو ہاتھ، زبان اور دیگر تمام اعضا سے تکلیف پہنچانے سے باز رہنا ہے۔ یعنی کسی شخص کو کسی طرح سے نقصان نہ پہنچایا جائے۔ زبان سے غیبت نہ کرے کہ کسی کو تکلیف پہنچے کیونکہ اس طرح کی تمام باتیں اپنے نقصان اور اللہ تعالی کے عتاب کا سبب ہوتی ہیں۔ آں حضرت علیہ السلام نے فرمایا ہے : المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده (یعنی مسلمان وہ شخص ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ ہوں)۔ آں حضرت نے یہ بھی فرمایا الغيبة اشدمن الزنا (غیبت زنا سے زیادہ سخت (گناہ) ہے) یہ اس لیے کہ کوئی شخص زنا کرتا ہے اور زنا کے بعد توبہ کرتا ہے، تو حق تعالی اس کی بخشش کر دیتے ہیں لیکن غیبت کرنے والے تک معاف نہیں فرماتے جب تک وہ شخص جس کی غیبت کی گئی ہے اس سے راضی نہ ہو جائے اور معاف نہ کر دے۔

پانچواں اصول "الاجتناب عن الآثام" یعنی گناہوں سے بچنا ہے، حتی کہ کوئی گناہ چھوٹا ہو یا بڑا سرزد نہ ہو کیونکہ گناہ مومن کے دل کو سیاہ کر دیتا ہے بلکہ ظاہر میں بھی اس سیاہی اور بے حیائی کا اثر دکھائی دینے لگتا ہے۔ طاعت و عبادت کا ذوق برباد ہو جاتا ہے۔ گناہ کا اثر دھوئیں کی مانند دل پر چھا جاتا ہے اور اللہ کی معرفت اور مشاہدے کا پردہ بن جاتا ہے۔ اللہ اس سے پناہ میں رکھے۔

شرم نہ داری کہ گنہ می کنی
نامہ خود راچہ سیاہ می کنی

سگ نہ کند بانگ بیگانگاں

آنچہ تو با حضرت شاہ می کنی

(تجھے گناہ کرتے ہوئے شرم نہیں آتی، کیوں اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرتا ہے۔ کوئی کتا بیگانوں کے کتے کے ساتھ وہ برتاؤ نہیں کرتا جو تم شاہ کی بارگاہ (دل) کے ساتھ روا رکھتے ہو)۔

اصول سبعہ کا چھٹا اصول گناہوں سے توبہ کرنا ہے۔ توبہ طالب کا پہلا مرحلہ ہے، جیسے تعمیر کے لیے زمین کا ہونا۔ جس شخص کے پاس زمین نہیں اس کے لیے تعمیر نہیں اور جس شخص کے لیے توبہ نہیں اس کا کوئی حال نہیں اور کوئی مقام نہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: توبوا الی اللہ جمیعا ایہ المومنون لعلکم تفلحون (سورۃ النور: ۳۱) (یعنی مسلمانو تم سب اللہ کے سامنے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ) اور آں حضرت علیہ السلام نے فرمایا: التائب حبیب اللہ (توبہ کرنے والا اللہ کا دوست ہے) آپ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ کہ گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی طرح ہے جس نے کبھی گناہ نہیں کیا۔

منقول ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک جوان تھا جس نے بیس سال تک عبادت کی، بعد ازاں بیس سال تک گناہ کرتا رہا۔ ایک دن آئینے میں نگاہ پڑی تو دیکھا کہ اس کی داڑھی کے بال سفید ہونے لگے ہیں، وہ بہت غمزدہ ہوا، اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ بارالٰہا میں نے بیس سال عبادت اور بیس سال معصیت میں بسر کیے۔ اگر میں توبہ کروں تو تو مجھے قبول کرے گا؟ اس نے ایک آواز سنی، کہہ رہی تھی، کیا تجھے معلوم نہیں کہ تو نے مجھ سے دوستی کی، میں نے بھی تجھے دوست رکھا اور جب تو نے مجھ سے رشتہ توڑا تو میں نے بھی تجھے چھوڑ دیا۔ تو نے میری نافرمانی کی تو میں نے تجھے مہلت دی کہ شاید تو رجوع کرے تو میں تیری توبہ قبول کر لوں۔

توبہ اور اس کا مطلب

سری سقطی رحمۃ اللہ نے فرمایا ہے کہ توبہ یہ ہے کہ تو اپنے گناہوں کو نہ بھولے۔

جنید فرماتے ہیں: کہ توبہ یہ ہے کہ تم اپنے گناہ بھول جاؤ۔

قطب عالم نے صراحت فرمائی کہ بظاہر ان دونوں اقوال میں تضاد نظر آتا ہے لیکن ایسا نہیں ہے، کیونکہ سری سقطی کا قول مبتدی کے لیے ہے۔ مبتدی کو چاہیے کہ توبہ کے بعد اپنے گناہوں کو فراموش نہ کرے تاکہ طاعت میں تکبر پیدا نہ ہو، اور جنید کا قول کامل منتہی کے حق میں ہے کہ اس بندے کو جسے حق تعالیٰ نے اپنے کرم سے انتہا تک پہنچایا ہے لازم ہے کہ وہ گناہوں کو یاد نہ کرے۔ اس لیے کہ وفا میں جفا کا ذکر کرنا جفا ہے۔

اے عزیز! اب جب کہ روح حلق تک نہیں پہنچی ہے، توبہ کرنے میں جلدی کرو: عجلوا الصلوة قبل الفوت و عجلوا التوبة قبل الموت (نماز کے فوت ہونے سے پہلے اسے جلد ادا کرو اور موت کے آنے سے پہلے توبہ کرنے میں جلدی کرو۔

وہ اکثر یہ شعر پڑھتے تھے:

بشتاب گر تو عاقلی دریاب گر صاحب دلی
باشد کہ نتواں یافتن دیگر چنیں ایام را

(اگر تم صاحب عقل ہو تو جلدی کرو اور صاحب دل ہو تو حاصل کر لو۔ عین ممکن ہے کہ (فیض عام کے) یہ دن پھر میسر نہ ہوں)۔

ساتواں اصول حقوق کا ادا کرنا ہے یعنی (کامل اخلاص کے ساتھ) اللہ کا اور بندوں کا حق ادا کیا جائے اور کسی حق کو بے مقصد نہ ہونے دیا جائے۔

اللہ کا حق یہ ہے کہ تم اس کے احکام بجا لاؤ اور اس نے جن کاموں کے کرنے کا حکم دیا ہے، ان سب کی تعمیل کرو اور جن باتوں سے منع کیا ہے ان سے باز

رہو۔ بندے پر حق تعالیٰ کا اصل حق یہ ہے کہ وہ اپنی عمر عشق و محبت میں گزارے، اس لیے کہ بندے کا خدائے تعالیٰ کو دوست رکھنا خدا کو بہت زیادہ پسند ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: من احب لقاء اللہ احب اللہ لقائہ (یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی آرزو کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس سے ملنے کی آرزو رکھتا ہے۔ کسی عارف نے کہا ہے:

ماعاشق کس بخوب روئے نشویم
ماعاشق آں کسیم کو عاشق ماست

(ہم کسی اچھی صورت والے کے عاشق نہیں ہیں، ہم اس کے عاشق ہیں جو ہمارا عاشق ہے۔ عشق ایسا سودا ہے جس کا نفع سوائے عاشق کے کسی کو حاصل نہیں ہوتا۔ جس کے اندر عشق نہیں ہے وہ بے مقصد دیوانہ ہے، جو شخص عاشق نہیں ہے وہ خود پرست و خود بیں ہیں)۔ رباعی:

عشق از ازل است تا ابد خواہد بود
جویندہ عشق بے عدد خواہد بود
فردا چو قیامت آشکارا گردد
اے ہر کہ نہ عاشق است رد خواہد بودن

(عشق ازل سے ہے اور ابد تک باقی رہے گا، عشق کی جستجو کرنے والا زندہ جاوید رہے گا۔ کل جب قیامت برپا ہو گی تو اے مخاطب (دیکھ لینا) جو عاشق نہیں ہے اسے قبول نہیں کیا جائے گا)۔

عشق ایسی آگ ہے جو دل میں بھڑکتی ہے اور سوائے محبوب کے سب کچھ جلا دیتی ہے۔

بعضوں نے کہا ہے عشق جلنا اور قتل ہو جانا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی

عطا سے ایسی زندگی کا ملنا ہے جس کے لیے فنا نہیں۔

بعض نے کہا ہے عشق جنون ہے جو مصیبتیں پیدا کرتا ہے۔

بعض نے کہا ہے عشق ایسا شوق ہے جو عقل کو ترک کر دیتا ہے۔

بعضوں نے کہا ہے عشق بلاواسطہ محبوب کے ساتھ دل کا قیام ہے۔

قطب عالم فرماتے تھے کہ عشق، عشقہ سے لیا گیا ہے۔ عشقہ ایک گھاس ہے۔ وہ جس درخت کے تنے پر پھیل جاتی ہے اسے خشک کر دیتی ہے اور خود تروتازہ رہتی ہے، چنانچہ عشق بھی جس شخص کو گرفت میں لیتا ہے وہ محبوب کے سوا سب کو بھول جاتا ہے۔ عشق عاشق کے جسم کو نحیف و نزار کر دیتا ہے لیکن اس کے قلب اور روح کو منور کر دیتا ہے۔ (ملاحظہ ہو عین القضاہ ہمدانی : لوائح ص ۱۳-۱۴)

تا مرد بہ تیغ عشق بے سر نہ شود

در مذہب عاشقاں مطہر نہ شود

ہم عشق طلب کنی وہم سر خواہی

آرے خواہی و لے میسر نہ شود

(جب تک کوئی شخص عشق کی تلوار سے اپنا سر نہیں کٹوا دیتا، اسے عاشقوں کے مذہب میں پاک نہیں کیا جاتا۔ تم عشق کے بھی طالب ہو اور سر بھی بچانا چاہتے ہو۔ تم صرف خواہش رکھتے ہو، لیکن وہ تجھے حاصل نہیں ہو سکتی)۔

بہر حال بندوں کے حقوق بہت ہیں۔ ماں، باپ اور استاد کا ان پر حق ہے۔ ان کے قرابت داروں اور عزیزوں کا ان پر حق ہے، ہمسایہ ہمسائے پر حق رکھتا ہے، مسلمان کے مسلمان پر حقوق ہیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کے حق کے بارے میں فرمایا ہے :

بر الوالدین افضل من الصلوۃ والصوم والحج والعمرۃ والجہاد فی سبیل اللہ

(یعنی والدین کے ساتھ نیکی کرنا نماز، روزہ، حج، عمرہ اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے افضل ہے)۔

استاد کے حق سے متعلق نبی علیہ السلام نے فرمایا: جس شخص نے اپنے استاد کی تحقیر کی اللہ تعالیٰ اسے تین بلاؤں میں مبتلا کرے گا اس نے اپنے استاد سے جو کچھ پڑھا ہے، بھول جائے گا۔ دوسرے اس کے رزق میں تنگی ہو گی، تیسرے وہ اس دنیا سے بغیر ایمان کے جائے گا۔

مشائخ طریقت نے فرمایا ہے: استادوں کے حقوق ایسے ہیں جن سے غفلت توبہ قبول نہیں ہوتی اور سھل الصعلوکی نے کہا ہے کہ جس نے استاد سے زبان درازی کی وہ کبھی فلاح نہیں پائے گا۔

ماں، باپ اور مرشد کے حقوق یہ ہیں کہ ان کی تعظیم کی جائے اور ان کی خدمت و فرماں برداری میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے۔ وہ جو کچھ حکم دیں، اگر شریعت سے اس کی اجازت ہے اور وہ کام جائز ہے تو دلی رغبت اور اخلاص سے اسے انجام دیا جائے۔ ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے ان کی حکم عدولی نہ ہو۔ ان کے سامنے بلند آواز سے نہ بولے۔

والدہ کا حق بھی والد کے حق کے برابر ہوتا ہے، لیکن اگر (کسی وجہ سے) ان میں سے کوئی ایک دوسرے کو دی گئی رعایت سے خوش نہ ہو تو ایسی صورت میں اگر معاملہ تعظیم کا ہے تو باپ کو ترجیح دی جائے گی اور اگر معاملہ مال اور خدمت کا ہے تو ماں کے حق کو ترجیح حاصل ہو گی۔ اگر والد اور والدہ دونوں اولاد کے یہاں آئیں تو والد کے لیے تعظیماً کھڑا ہو جائے، اگر دونوں کچھ طلب کریں تو ابتدا والدہ سے کی جائے۔ پہلے والدہ کو دے، اس کے بعد والد کو دے۔ ماں یا باپ کو ان کا نام لے کر نہ بلائے۔ اگر اولاد یہ دیکھے کہ ماں باپ کوئی کام خلاف شریعت کرتے ہیں تو جہاں تک ہو سکے نرمی

اور ادب سے شریعت کے حکم کی تلقین کرے۔ اگر وہ مان لیں تو بہتر ہے اور اگر نہ مانیں تو خاموش ہو جائے اور ان کے لیے دعا اور استغفار کرتا رہے۔

شیخ قوام الملتہ والدین نے ارشاد المریدین میں تحریر فرمایا ہے کہ مرید پر واجب ہے کہ وہ اپنے شیخ کے حق کی نگاہ داشت کرے اور اس سے (کسی مسئلے میں) قیل و قال نہ کرے۔ جس حد تک ممکن ہے شیخ کے عمل اور اس کے قول کو خوبی پر محمول کرے۔ پس جو شخص مشائخ میں سے کسی شیخ کی صحبت میں بیٹھتا ہے (یعنی مرید ہے) اور اعتراض کرتا ہے اس نے صحبت کا پیمان توڑ دیا۔ اسے توبہ کرنی چاہیے۔

قرابت داروں کے حقوق یہ ہیں کہ بہتر طور پر ان کی رعایت و تعظیم کی جائے اور کبھی کبھی ان سے ملنے اور زیارت کرنے ضرور جائے۔ اگر ایک قرابت دار قطع تعلق کرے تو دوسرا قرابت دار میل جول برقرار رکھے اور قطع تعلق نہ کرے۔

مسلمان کا مسلمان پر یہ حق ہے کہ باہم محبت کریں اور ایک دوسرے سے مہربانی کا برتاؤ کریں جیسا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ باہمی مہر و محبت میں اہل ایمان کی مثال ایسی ہے جیسے جسمانی اعضا، کہ اگر جسم کے ایک عضو کو کوئی تکلیف ہوتی ہے تو تمام اعضا اس سے موافقت کرتے ہیں حتی کہ سارا جسم بے آرام ہو جاتا ہے پس جس طرح تمام اعضا ایک جان ہیں اسی طرح سب اہل ایمان ایک دل اور ایک عقیدہ ہیں، لہٰذا تم پر واجب ہے کہ جو مسلمان حیات ہیں ان کی بخشش چاہو اور جو وفات پا چکے ہیں ان کے لیے دعا کرو۔ جس نے توبہ کر لی ہے اس سے محبت کرو۔ بیمار کی عیادت کرو۔ مسلمان کے جنازے کے ساتھ چلو۔ جب مسلمان کو چھینک آئے تو اس کے ساتھ دعا میں شرکت کرو (یعنی وہ الحمدللہ کہے تو تم یرحمک اللہ کہو) جب کسی مسلمان کو دیکھو تو سلام کرو۔ غرض مسلمان کے مسلمان پر بہت سے حقوق ہیں، یہاں سب کو بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

پڑوسی کے بھی پڑوسی پر حقوق ہیں۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اگر کوئی شخص پیٹ بھر کھائے اور اس کا ہمسایہ رات کو بھوکا رہے، تو کل قیامت کے دن وہ بھوکا پڑوسی (بارگاہ الٰہی میں) حاضر ہو کر عرض کرے گا، پروردگارا اس سے دریافت کیجیے کہ یہ کس لیے بالکل شکم سیر ہوا جب کہ میں بھوکا رہا۔

ہمسائے کو ہدیہ اور بخشش دینے سے دریغ نہ کیا جائے۔ چاہیے کہ اس کی خوشی سے خوشی اور اس کے غم سے غمگین ہو۔ اسے کسی قسم کی تکلیف یا نقصان نہ پہنچائے اور نہ پسند کرے بلکہ اس کو نفع اور راحت پہنچانے کی کوشش کرے اور ہمیشہ اس کی خیریت معلوم کرتا رہے۔

آقا پر غلاموں اور کنیزوں کے حقوق ہیں۔ آں حضرت نے فرمایا، نماز قائم کرو اور اپنے غلاموں کے ساتھ رعایت سے پیش آؤ۔ آں حضرت کی آخری وصیت یہ تھی کہ اپنے غلاموں کے حق کے بارے میں اللہ تعالی سے ڈرتے رہو، جو کھانا تم کھاؤ وہی انھیں کھلاؤ اور جو کپڑا تم پہنو وہی ان کو پہناؤ۔ جو کام ان کے بس کا نہیں ہے اس کے کرنے کی انھیں تکلیف نہ دو۔ غلاموں کو دوست رکھو، انھیں خوش کرو اور ان کی نگہ داشت کرو۔ مخلوق خدا پر ظلم نہ کرو، کیونکہ خدائے تعالی نے تم کو ان کا مالک بنایا ہے۔ اگر اللہ تعالی چاہے تو ہر طرح سے ان کو تمھارا مالک بنا سکتا ہے۔ ان کی غلطی معاف کر دو۔ ادائے نماز کے لیے جس قدر قرآن ضروری ہے تم خود انھیں یاد کراؤ۔ جب غلام بیمار ہو جائے تو مالک پر لازم ہے کہ اسے وضو کرائے، جو چیز کھائے اور پہنے وہی انھیں کھلائے پہنائے۔ اگر خود اچھا کھانا کھاتا ہے، اچھے کپڑے پہنتا ہے اور انھیں ردی چیز دیتا ہے تو یہ برتاؤ ازروئے شریعت مکروہ ہے۔ غلام کا کھانا اور کپڑا بہرصورت مالک پر واجب ہے۔

مالک کو چاہیے کہ دن میں غلاموں سے حسب طاقت کام لے اور رات کو عشا

کے بعد ان سے کام نہ لے تاکہ وہ بےخلل نیند کریں اور انھیں راحت و آرام حاصل ہو، دن تمہارے لیے ہے اور رات ان کے لیے ہے۔ اگر بھول کے سبب ان سے کوئی کام مالک کی مرضی کے خلاف سرزد ہو جائے یا ان سے کوئی برتن ٹوٹ جائے تو مار پیٹ نہ کریں اور بے قصور بھی نہ ماریں۔ اگر قصور ہو جائے تو معاف کر دیں۔

فصل۔ بیان کیا گیا کہ احوال عمل کرنے کے بعد حاصل ہوتے ہیں اور کسی شخص کو احوال اس وقت تک حاصل نہیں ہوتے جب تک وہ صحیح عمل نہ کرے، اور اعمال کی درستی کا دارومدار شریعت کی بجاآوری پر ہے۔ جب تک کسی شخص کے معاملات پاک نہیں ہوتے اس وقت تک اس کے باطنی احوال درست نہیں ہوتے، جیسا کہ قطب عالم نے فرمایا اگر تم دیکھو کہ کوئی شخص پانی پر چل رہا ہے اور ہوا میں اڑ رہا ہے لیکن احکام شریعت سے تجاوز کرتا ہے تو جان لو کہ وہ فریب کار اور جھوٹا ہے۔

خزانہ جلالی میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت سید السادات (سید جلال الدین بخاری) نے فرمایا، حق تعالی کی قربت حاصل کرنے کے لیے علم فقہ کی مشغولیت سے بہتر کوئی مشغولیت نہیں ہے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس باب میں نبی علیہ السلام کی حدیث وارد ہے کہ ایک ایسے مسئلے کا، جو لوگوں کو کبھی درپیش نہ ہوگا علم حاصل کرنا سات مقبول حج سے بہتر ہے۔ اس میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان لوگوں کے لیے بشارت ہے جو زندگی سے متعلق مسائل کا علم حاصل کرتے ہیں اور انھیں بندگان خدا تک پہنچاتے ہیں تاکہ عمل کریں۔ یہ کتنے بڑے ثواب کا کام ہے۔

فتاوی ابی اللیث میں کہا گیا ہے، ان مذاکرۃ العلم ساعۃ خیر من احیاء لیلۃ (یقیناً ایک گھڑی کی علمی بات چیت عبادت شب سے بہتر ہے)۔

عوارف میں بیان کیا گیا ہے، شیطان کے لیے ایک ہزار عابدوں کو بے راہ کر دینا بہ نسبت ایک فقیہ کو گمراہ کرنے کے زیادہ آسان ہے۔ وہ درویش جو صاحب علم نہیں

ہے اسے چاہیے کہ اپنے شیخ کی صحبت اختیار کرے یا کسی نیک عمل عالم کی صحبت میں بیٹھے تاکہ راہ سے بے راہ نہ ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے، جب کوئی عالم بے عمل ہو جائے تو اس کے علم کا نفع نہ خود اس کو حاصل ہوتا ہے اور نہ دوسرے کو، خواہ اس نے بہت سے جزو کا مطالعہ کیا ہو۔

محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے، تین امور بد بختی کی علامت ہیں، ایک یہ کہ علم حاصل ہو اور عمل سے محروم ہو، دوسرے یہ کہ عمل کرتا ہو لیکن اخلاص سے بے گانہ ہو، تیسرے یہ کہ صالحین کی خدمت میں آمدورفت رکھتا ہو لیکن ان کی خدمت اور تعظیم سے محروم ہو۔

قطب عالم نے اس کی مناسبت سے فرمایا کہ ایک دفعہ ابراہیم ادہم کوفہ تشریف لے گئے۔ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کو ان کے آنے کی خبر ملی۔ ابو حنیفہ کی زبان سے نکلا، کاش کچھ علم بھی حاصل کر لیتے۔ دوسرے دن دونوں نے ایک دوسرے سے ملاقات کا قصد کیا۔ (اتفاقاً) راستے میں ملاقات ہوگئی۔ ابراہیم ادہم نے فرمایا، علوم میں سے ایک حدیث، ترک الدنیا راس کل عبادۃ (ترک دنیا تمام عبادتوں کی سردار ہے) مجھ تک پہنچی، میں نے اسے یاد کر لیا۔ آپ کو اس قدر علم حاصل ہے، آپ نے اس پر کیا عمل کیا؟ ابو حنیفہ یہ سن کر بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو عہد گذشتہ کی غفلت پر نادم اور عذر خواہ ہوئے۔ خواجہ سنائی فرماتے ہیں:

علم کز تو ترا نہ بستاند　　　جہل ازاں علم بہ بود صد بار

(جو علم تجھ کو تجھ سے چھین نہیں لیتا، ایسے علم سے جہالت سو گنا بہتر ہے)۔

نہ بداں لعنت است بر ابلیس　　　کہ نداند ہمیں یمین و یسار

(شیطان اس لیے مردود قرار نہیں دیا گیا کہ اسے دائیں یا بائیں کا علم نہیں ہے)۔

زاں برو لعنت است کاندر دیں

علم داند بہ علم نکند کار

(اس پر اس وجہ سے لعنت ہے کہ دین کے بارے میں علم تو رکھتا ہے لیکن اس پر عمل نہیں کرتا)۔

عوارف المعارف میں ہے کہ انسانوں میں جاہل ترین وہ شخص ہے جس نے اپنے علم کے مطابق عمل نہ کیا اور لوگوں میں سب سے زیادہ علم رکھنے والا وہ ہے جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے اور لوگوں میں افضل ترین وہ ہیں جو اللہ سے سب سے زیادہ ڈرنے والے ہوں۔

اعمال کو درست کرنا، اس کے علوم کی معرفت ہے اور وہ علم فقہ ہے، (یعنی) نماز، روزہ اور دوسرے فرائض اور سنت زائدہ سے متعلق علوم، چنانچہ بندے پر، علم توحید و اجتہاد کے بعد جو لازم آتا ہے وہ مقدور بھر اسی علم کے حصول میں کوشش کرنا ہے اور اس میں کتاب اور سنت اور سلف صالحین کے طریق کو مدنظر رکھنا چاہیے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ بغیر علم کے عمل بیمار آدمی کی طرح ہے اور بغیر عمل کے علم بے اولاد آدمی کی مانند ہے اور علم کے ساتھ عمل صراط مستقیم ہے اس علم کا حاصل کرنا فرض ہے۔

قال علیہ السلام، طلب العلم فریضة علی کل مسلم (آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تمام مسلمانوں پر علم حاصل کرنا فرض ہے)۔

بعض روایات میں آیا ہے: اطلبوا العلم ولو با لصین (یعنی علم حاصل کرو اگرچہ وہ علم چین میں ہو) کیونکہ علم کا حاصل کرنا فرض ہے۔ قطب عالم نے فرمایا کہ "صین" کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں، ایک یہ کہ "صین" چین کو کہتے ہیں جو بہ اعتبار فاصلہ بہت دور مقام ہے کہ وہاں تک شدید مشکلات سے گزر کر جایا جاسکتا ہے۔ پس حدیث کا

مفہوم یہ ہوا کہ علم حاصل کیا جائے خواہ اس کے حصول کے لیے بہت دور سفر کرنا پڑے۔ دوسرے یہ کہ "صین" شیر کے پٹھے کو کہتے ہیں۔ شیر کے پٹھے تک پہنچنا موجب ہلاکت اور جاں بازی ہے۔ اس اعتبار سے حدیث کا مفہوم یہ ہوگا کہ علم حاصل کیا جائے، اگرچہ اس کے لیے خوف اور ہلاکت کی جگہ سے گزرنا پڑے۔ پس دونوں صورتوں میں نتیجہ یہ نکلا کہ علم حاصل کیے بغیر کوئی چارہ نہیں تاکہ عمل میں صحیح ہو، لیکن علم بہت وسیع ہے اور مدت عمر مختصر ہے، اس لیے تمام علوم کو حاصل کرنا فرض نہیں ہے، البتہ اس قدر علم جس کا شریعت اور معاملات کی درستی سے تعلق ہے یقیناً فرض ہے۔

بعضے علم حال کو فرض یعنی حکم کہتے ہیں، اس کی کیفیت وہ ہے جو دنیا اور آخرت میں اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے۔ بعض لوگ علم حلال کو فرض کہتے ہیں اور بعضے علم باطن کو فرض کہتے ہیں، یہ وہ علم ہے جس کے ذریعے بندہ اپنی ذات پر اضافہ کرتا ہے۔ بعض حضرات خرید و فروخت اور طلاق سے متعلق علم کو فرض کہتے ہیں کیونکہ ہر شخص کو ان امور سے سروکار رہتا ہے۔ بعض لوگ علم توحید کو فرض کہتے ہیں۔ بعضے کتاب و سنت کے علم کو اور بعضے علم فقہ کو فرض کہتے ہیں۔

لیکن (ان تاویلات میں) پسندیدہ تاویل وہ ہے جو شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے (اپنی معروف کتاب) قوت القلوب میں بیان کی ہے اور وہ پانچ رکنوں کا جاننا ہے ان پانچ ارکان میں اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ نبی الاسلام علی خمسة، شهادة لا اله الا الله و اقام الصلوة وايتاء الزكوة وصوم شهر رمضان وحج البيت من استطاع اليه سبيلا، (یعنی اسلام کی بنیاد پانچ رکن پر ہے، اس امر کی گواہی کہ بے شک اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، نماز قائم کرنا، زکوۃ ادا کرنا، رمضان کے مہینے کے روزے رکھنا، اور جس کو خانہ کعبہ تک پہنچنے کی قدرت ہے اس کا حج کرنا۔

علم سے متعلق جو اقوال یہاں بیان کیے گئے ہیں، مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد ان کی تکمیل سے عاجز ہے، پس ان کے لیے میں نے فرض کی نشان دہی کر دی ہے۔ دیکھنے میں تو یہی آیا ہے کہ سوائے ان کے جن کو اللہ تعالی توفیق دے، بیشتر لوگ (علم کا حق ادا کرنے سے) قاصر ہیں۔ آپ کو خوب معلوم ہے کہ اکثر مسلمان کسی نہ کسی وجہ سے، علم حال، علم حلال اور ان ہی کی مثل دیگر علوم حاصل کرنے سے قاصر ہیں۔

شیخ قطب الدین دمشقی (رسالہ مکیہ کے مصنف) فرماتے ہیں، جو علم مسلمان پر فرض کیا گیا ہے اس کا علم حاصل کرنا اس وجہ سے فرض ہے کہ اس کی بدولت اس کا اعتقاد، اس کا ایمان، اس کی توحید، اس کا عمل اور اس کی معرفت درست ہو جاتے ہیں اور وہ امور بھی صحیح ہو جاتے ہیں جن کے علم سے ناواقف رہنا مناسب نہیں ہے۔ مثلاً جس شخص پر روزہ نماز فرض ہو گئے اس پر روزہ نماز کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہو گیا یا مثلا ایک شخص جس کو خرید و فروخت کی ضرورت ہوئی یا نکاح و طلاق کی ضرورت ہوئی تو اس پر ان امور کا علم حاصل کرنا بھی فرض ہوا۔ صاحب رسالہ مکیہ فرماتے ہیں ہر وہ علم جس کی راہ توحید کی جانب نہیں جاتی وہ علم باطل ہے۔ قطب عالم نے ان مطالب کی نسبت سے یہ شعر پڑھا:

سعدی بشوے لوح دل از نقش غیر او

علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

(اے سعدی حق تعالی کے غیر کے نقش کو لوح دل سے محو کر دے۔ ایسا علم جو حق کا راستہ نہیں دکھاتا، جہالت ہے)۔ ....

منقول ہے کہ رسالہ مکیہ میں تحریر کیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم لوگوں کے درمیان ایک چیز چھوڑ رہا ہوں، اگر اس چیز کو پکڑے رہو گے تو ہر گز گمراہ نہ ہو گے، وہ ہے اللہ کی کتاب اور میرے اہل بیت۔

جو شخص اس مرتبے تک نہ پہنچ سکے کہ آں حضرت علیہ السلام کی حدیث سے رشد و ہدایت حاصل کرے تو اس کے لیے سوائے اس کے کوئی چارہ نہیں کہ وہ کسی شیخ کامل سے ہدایت حاصل کرے جو اس کو طریقت و حقیقت کا راستہ بتائے اور اسے حق تعالی کی جانب متوجہ کرے کہ حق تعالی کی ذات تمام تر انوار و تجلی ہے۔

بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ (رسالہ مکیہ کے) اس بیان کے مضمرات سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جو شخص قرآن و حدیث سے براہ راست ہدایت حاصل کرتا ہے اسے کسی شیخ کی پیروی ضروری نہیں۔ اگر ایسا کرتا ہے تو بھی مناسب ہے، وقولهم من لاشیخ له فا لشیطان شیخه (جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیخ شیطان ہے) یہ ایسے سالک کے لیے ہے جو لطائف قرآن اور حقائق حدیث سے محروم ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالی اس امر پر قادر ہے کہ وہ کسی شخص کو کسی شیخ کی پیروی کے بغیر بھی قرآن و حدیث سے کما حقہ ہدایت عطا فرما سکتا ہے۔

بہر حال عمل کی دنیا میں جیسا کہ ایک بزرگ کی جانب سے دوسرے بزرگ کو سند دینے کا دستور ہے، کسی شیخ کامل کی پیروی کے بغیر، توحید یقینی، معرفت شہودی، علم باطن اور احوال مکاشفہ و مشاہدہ جن کا تعلق شیخ کی نگرانی میں تربیت سے ہے، حاصل نہیں ہو سکتے۔

اے عزیز!! جب تک کسی شیخ کامل کی جو راہ سے آشنا ہو، پیروی نہ کی جائے علم تصوف حاصل نہیں ہوتا، نہ اس مراد کامل تک جہاں کاملین پہنچ چکے ہیں، پہنچا جا سکتا ہے۔

روشن تراز آفتاب باید رائے

تابشناسد مزاج ہر سودائے

(دل کی بینائی آفتاب سے زیادہ روشن ہونی چاہیے تا کہ ہر سودائی کا مزاج

معلوم کیا جاسکے)۔

اس موضوع کی مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا کہ شیخ نصیر الدین محمود کے زمانے میں ایک بزرگ دنیا سے کنارہ کش ہو کر عبادت الٰہی میں مشغول ہو گئے۔ عوارف اور مصابیح کو اپنے پاس رکھا۔ ان کا مطالعہ کرتے اور جو کچھ ان دو کتابوں میں پڑھتے اس پر عمل کرتے تھے۔ اس طرح خاصی مدت گزر گئی لیکن ان بزرگ کو اصل مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوئی یعنی معرفت حقیقی تک نہ پہنچ سکے۔ جب ان بزرگ نے یہ محسوس کیا کہ اب کاربر آری مشکل ہے تو شیخ نصیر الدین کی جانب متوجہ ہوئے اور ان کی بارگاہ سے منتعلق ہو گئے اور یہ شعر عرض کیا:

من کہ در کوئے بتاں پانہ نہادم ہرگز
چوں بدیدم رخ زیبائے تو سر بنہادم

(میں نے کبھی بتوں کے کوچے میں قدم نہیں رکھا، لیکن جب تیرا چہرہ زیبا دیکھا تو اپنا سر تیرے قدموں میں ڈال دیا)۔

القصہ مرید ہو گئے اور اس قطب جہاں کی پیروی کرتے رہے، چنانچہ چند ہی دنوں میں ان کو ذکر خفی کے مقام پر پہنچا دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہو گئے۔

شیخ ابو علی دقاق فرماتے ہیں: وہ درخت جو خود رو ہوتا ہے اس میں پتے تو ہوتے ہیں لیکن پھل نہیں ہوتے اور اگر پھل آتا ہے تو بے مزہ ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ مرید جس کا کوئی شیخ اور استاد نہ ہو خواہش پرست ہوتا ہے اور اس سے کوئی کام انجام نہیں پاتا۔

شیخ قوام الحق والدین فرماتے ہیں کہ شیخ کا دل جلا شدہ آئینے کی مثل ہے، جس سے فیض جاری ہوتا رہتا ہے اور اس سے حق تعالیٰ کی ذاتی، صفاتی، اسمائی اور افعالی تجلیات منعکس ہوتی رہتی ہیں۔ وہ ہر لحظہ لطائف غیبی سے آراستہ رہتا ہے چنانچہ جب مرید

صادق کامل حسن نیت کے ساتھ اپنا دل شیخ کے دل کے مقابل لاتا ہے تو شیخ کا دل مرید کے دل کو منور کر دیتا ہے، یہاں تک کہ مرید کا دل ماسوی اللہ کی کدورت اور طبیعت کے زنگ سے صاف ہو جاتا ہے۔ اس وقت مرید کی استعداد کے مطابق زبان عشق میں اس کے معنی منکشف ہوتے ہیں جو ریاضتوں اور مجاہدوں سے ہرگز منکشف نہیں ہوتے۔

رسالہ مکیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرات صوفیہ اعتقاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علم پر عمل کے دارومدار کے اعتبار سے، حصول علم افضل ترین عمل ہے، یعنی جب تک علم نہ ہو عمل ناممکن ہے۔ پہلے علم چاہیے تاکہ اس کے مطابق صحیح عمل ظہور میں آئے، کیونکہ ایک جاہل شخص جو دین سے تھوڑا سا بھی واقف نہیں ہوتا ایسی بات پر (حق تعالیٰ کی) قربت کا اعتقاد قائم کرلیتا ہے جو درحقیقت قربت و عبادت نہیں ہوتی جیسے بدعتی لوگ بہت سی بدعتیں کرتے ہیں مثلاً ڈاڑھی منڈانا، گردن میں لوہے کے طوق پہننا، ہاتھ پیر میں لوہے کے کڑے ڈال لینا۔ اس کے علاوہ بہت سی فضول باتیں ان لوگوں نے ایجاد کرلی ہیں۔ جاہل لوگ اُن کی (فضول) باتوں کو قربت و عبادت سمجھ بیٹھے ہیں جیسے موٹے کپڑے کا لبادہ، اور کملی پہننا، درویشوں، نیک لوگوں، عالموں اور امیروں سرداروں کے دروازے پر جا کر کچھ طلب کرنا، بے ذوق سماع سننا، بیخ آیتی پڑھنا، خوب صورت لڑکوں کو دیکھنا اور یہ کہنا کہ ہم صنعت الہی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اسی قسم کے دوسرے افعال جن کے متعلق کوئی واضح آیت اور حدیث وارد نہیں ہوئی، تمام تر بدعت، حرام اور گمراہی ہیں۔

اس محل پر قطب عالم نے فرمایا، بعضے جاہل ڈاڑھی منڈانے کو ایک بزرگ کی پیروی خیال کرتے ہیں۔ (کہا جاتا ہے کہ) ایک دن غلبہ حال میں ان بزرگ کی زبان سے نکلا کہ یہ ڈاڑھی میرے لیے بے کار ہے۔ یہ کہتے ہی ڈاڑھی پر ہاتھ پھیرا تو ڈاڑھی صاف ہوگئی۔ بعدازاں ان کے خادموں نے کسی وقت عرض کیا، دنیا آپ کو برا کہہ رہی ہے کہ

آپ نے ڈاڑھی ختم کر کے مصطفے علیہ السلام کی سنت کو ترک کیا ہے۔ بزرگ نے جواب دیا کہ دنیا کس لیے برا کہہ رہی ہے، ڈاڑھی تو میرے چہرے پر موجود ہے۔ یہ کہہ کر منہ پر ہاتھ پھیرا تو چہرہ اسی طرح نظر آنے لگا جیسا کہ پہلے تھا۔ پھر کسی دن غلبہ حال میں کہا کہ ڈاڑھی میرے کس کام کی ہے۔ چہرے پر ہاتھ پھیرا تو ڈاڑھی کے سارے بال جھڑ گئے۔ پس ان بزرگ کی طرح داڑھی نہ رکھنے یا اسی قسم کے افعال کی جو غلبہ حال میں کسی بزرگ سے صادر ہوتے ہیں، پیروی نہیں کرنا چاہیے، نہ ان بزرگ کے اس قسم افعال کو اہمیت دینے کی ضرورت ہے۔

ہدایہ (فقہ حنفی کی معروف کتاب) کے باب جنایات اور کراہیۃ التجنیس میں بیان کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ڈاڑھی چھوڑو جیسی کہ ہے، نہ انھیں تراشو اور نہ مونڈو۔

نصاب الاحتساب میں ہے کہ کیا لوہا پہننا جائز ہے جیسے کہ حیدریوں کی عادت ہے۔ جواب۔ جائز نہیں ہے کیونکہ روایت کیا گیا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ لوہے کی انگوٹھی پہنے ہوئے ہے۔ آپ نے فرمایا، تجھے کیا ہو گیا کہ تو نے اہل جہنم کا زیور پہنا۔

فقیہ ابواللیث نے اپنی تصنیف "بستان" میں بیان کیا ہے۔ کہ کیا ان کے لیے اور حیدریوں کے لیے گاڑھے کپڑے کا لباس اور کملی پہننا درست ہے۔ جواب۔ خزانہ میں وارد ہوا ہے کہ سوائے بلند رتبے والے نبی کے، دو شہرتوں کی بنا پر موٹا اور گاڑھا لباس پہننا ممنوع ہے، ایک یہ کہ ایسے لباس سے شہرت ہوتی ہے اور دوسرے یہ کہ اس طرح کا لباس اسے عام مسلمانوں سے ممتاز کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لوگوں میں اس طرح رہو جیسے تم عامۃ الناس ہی کے ایک فرد ہو۔ اگر (بطور اعتراض) یہ کہا جائے کہ گدڑی کا پہننا پسندیدہ ہے کیونکہ وہ انبیا اور صالحین کا لباس ہے

اور وہ شہرت کا لباس ہے تو ہم کہتے ہیں کہ گدڑی کا پہننا اگر برائے زہد ہو تو پسندیدہ ہے۔

بستان میں یہ بھی مرقوم ہے کہ سوائے جنگ اور سفر کے نقارہ بجانا جائز نہیں ہے۔

نصاب میں کہا گیا ہے، قراۃ القرآن فی المجالس یکرہ، لانہ یقرا طمعا فی الدنیا ولانہ اذالم یقصد بالقراۃ السوال، لم لایجلس فی بیتہ و یقرا القرآن یعنی مجالس میں قرآن کی تلاوت ناپسندیدہ ہے، کیونکہ قاری اسے دنیا کی لالچ میں پڑھ رہا ہے، اگر قرات سے اس کا مقصود سوال نہیں تھا تو وہ اپنے گھر میں کیوں نہ بیٹھ رہا اور وہاں قرآن کیوں نہ پڑھا۔

بیان کیا گیا ہے کہ ایک عالم وفات پا گئے۔ لوگوں نے انھیں خواب میں دیکھا کہ ان کا چہرہ سیاہ ہو گیا ہے، ان سے دریافت کیا گیا کہ مرنے کے بعد ان پر کیا گزری۔ انھوں نے جواب دیا کہ ایک مجلس میں میں نے ایک نوعمر لڑکے کو بری نظر سے دیکھا تھا، یہ اسی کی پاداش ہے کہ میرا چہرہ جل کر سیاہ ہو گیا ہے۔

حدیث میں بھی ہے کہ لوگوں نے ایک عبادت گزار کو فوت ہونے کے بعد خواب میں دیکھا، اس سے دریافت کیا، مافعل اللہ بک (تیرا اللہ تعالی کے ساتھ کیا معاملہ رہا) عبادت گزار نے جواب دیا کہ میں نے اللہ تعالی سے جس گناہ کو بخشنے کے لیے عرض کیا، اللہ تعالی نے بخش دیا، سوائے ایک گناہ کے جس کی بخشش طلب کرتے ہوئے مجھے شرم آئی اور اسی گناہ کے سبب میں عذاب میں ہوں۔ دریافت کیا کہ وہ کون سا گناہ تھا، عابد نے جواب دیا، میں نے ایک نو عمر لڑکے کو خواہش سے دیکھا تھا۔

مصنف فتاوی حالی (کس کی تالیف ہے، پتہ نہ چل سکا) فرماتے ہیں کہ امام محمد کے چہرے کا رنگ گورا تھا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ باوجود کمال پرہیزگاری کے، نگاہ کی

ناراستی کے خوف سے ان کو سبق کے وقت اپنی پشت یا ستون کے پیچھے بٹھاتے تھے۔ اس کے بعد سبق دیتے تھے۔..........

درست اور خالص عمل

منقول ہے کہ رسالہ مکیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی اس عمل کو قبول نہیں کرتا جو درست اور خالص نہ ہو۔ درست عمل وہ ہوتا ہے جو شریعت کی رو سے پاک ہو اور خالص عمل وہ ہے جو صرف حق تعالی کے لیے کیا جائے اور اس میں غیر کا شائبہ تک نہ ہو۔

اس مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا، اگر تم دیکھو کہ ایک شخص ہوا میں اڑ رہا ہے اور بغیر کشتی کے پانی پر چل رہا ہے اور ایک شمہ بھی شریعت سے تجاوز کرتا ہے تو جان لو کہ وہ جھوٹا فریب کار ہے، خود گمراہ ہے اور دوسروں کو گمراہ کرتا ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا، اگر کوئی شخص بغیر اخلاص کے نماز پڑھتا ہے تو (فرشتوں) کو حکم ہوتا ہے : اس نماز کو لپیٹو اور اس کے منہ پر دے مارو (کہ ہم ایسی نمازیں قبول نہیں کرتے جن میں اخلاص نہ ہو)۔

ذکر آگیا کہ کسی بندے کو یہ مقام حاصل نہیں ہے کہ اس سے شریعت کے آداب ساقط ہو جائیں، اس لیے کہ آداب میں حرمت و تعظیم بھی شامل ہے، نیز حرمت و تعظیم کرنے کے سبب قربت نصیب ہوتی ہے۔ یہ بات مشاہدے سے بھی ثابت ہے کہ جو شخص بادشاہوں کا جس قدر ادب کرتا ہے، اسی قدر وہ ان کے قریب ہوتا ہے اور جو جتنا بے ادب ہوتا ہے اتنا ہی دور ہوتا ہے۔

اس کی مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا کہ اعمال اور اصلاح بندے کو بہشت تک پہنچاتے ہیں اور ادب مالک بہشت تک پہنچاتا ہے۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام اگرچہ حقیر مٹی سے بنائے گئے تھے، ادب کرنے کے باعث جب انھوں نے عرض کیا تھا : ربنا ظلمنا انفسنا (الاعراف :۲۳) (اے ہمارے پروردگار ! ہم

نے اپنا بڑا نقصان کیا) مقبول ہو گئے اور قربت الٰہی نصیب ہوئی (اس کے برعکس) شیطان لعین اگرچہ دولت عبادت رکھتا تھا، ترک ادب کے باعث جب اس نے: انا خیر منه (الاعراف: ۱۲) (میں اس سے بہتر ہوں) کہا تو مردود قرار دیا گیا۔

مشائخ رحمہم اللہ نے فرمایا ہے کہ توحید موجب ایمان ہے، پس جو شخص صاحب ایمان نہیں اس کے حصے میں توحید بھی نہیں۔ ایمان علم شریعت کا موجب ہے، جو شخص شریعت سے بے بہرہ ہے وہ ایمان اور توحید سے بے بہرہ ہے اور شریعت موجب ادب ہے، پس جو شخص ادب سے بے بہرہ ہے، وہ شریعت، ایمان اور توحید سے بھی بے بہرہ ہے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ جو شخص آداب بجالانے میں سستی کرتا ہے، اسے سنت سے محروم ہونے کے عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ جو شخص ادائے سنت کو اہمیت نہیں دیتا، اسے فرائض سے محروم ہونے کی سزا دی جاتی ہے اور جو شخص فرائض کی ادائگی میں سستی کرتا ہے، اسے معرفت الٰہی سے محرومی کی سزا ملتی ہے (اللہ ان سے پناہ میں رکھے)۔

خزانہ جلالی میں مرقوم ہے کہ حضرت سید السادات نے فرمایا، قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہے کہ اہل علم فسق و فجور میں مبتلا ہو جائیں گے اور صوفیہ جاہل ہوں گے۔ اللہ اس سے محفوظ رکھے۔

اے عزیز! یہ وہی زمانہ ہے جو مشاہدے میں آرہا ہے کہ جاہل اور ناتربیت یافتہ لوگ نئے ڈھنگ اور نئے طور اختراع کر رہے ہیں اور ذکر کی تلقین (کہ قربت الٰہی کی اصل ہے اور) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنداً کتب صوفیہ میں بیان کی گئی ہے، نظر انداز کر رہے ہیں اور مخلوق کو اپنا معتقد بنانے کے لیے نئے طریقے اختیار کر لیے ہیں، عوام الناس اور طالبوں کو حیرت میں ڈالتے ہیں اور انھیں صراط مستقیم سے دور لے

جارہے ہیں۔

شیخ قوام الحق والدین فرماتے ہیں :

نادیدہ رخ دوست مزن لاف تجلی

ایں پر تو عین است، تو ایں نکتہ نگہ دار

بے نور رخش حسن جمالش نتواں دید

بے تابش خوری نتواں دید رخ یار

(اے مخاطب) تونے دوست کا چہرہ تک نہیں دیکھا اور (مشاہدہ) تجلی کی ڈینگ مارتا ہے۔ یہ نکتہ نگاہ میں رکھ کہ دوست کا چہرہ اس کی ذات کا عکس ہے۔ (لہذا) اس کے چہرے کے نور کے بغیر اس کے حسن جمال کو نہیں دیکھا جاسکتا۔ اور نہ اس کے آفتاب جمال کی روشنی کے بغیر اس کا چہرہ دیکھا جاسکتا ہے)۔

رسالہ مکیہ میں بیان کیا گیا ہے تمام علوم کی انتہا علم حقائق ہے، جس کی اہمیت کا اندازہ علمائے حق سے پہلے دوسرے عالموں، زاہدوں اور عابدوں کو نہ تھا کہ حسنات الابرار سیئات المقربین (یعنی نیکوں کی خوبیاں اہل قرب کی برائیاں ہیں)۔

ایک عزیز نے ان کی تعریف میں کہا ہے:

از کمال حال ایشاں بے خبر باشد فلک

وز سکوت نطق ایشاں بے اثر باشد ملک

(ان کی کیفیت کے کمال سے آسمان بے خبر رہتا ہے۔ ان کی خاموشی سے فرشتے کو کچھ پتہ نہیں چلتا (کہ ان کے باطن کا کیا حال ہے)۔

قطب عالم کے مرشد شیخ قیام الدین فرماتے ہیں، یہ ایسے صاحب ہمت حضرات ہیں کہ سردار رسل صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے طفیل، ایک آن میں عالم فلک و ملک سے گزر جاتے ہیں۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں :

اے خلق جہاں بجملگی بشتابید

تا قافلہ سوختگاں دریا بید

اے اہل مناجات کہ در محرابید

صد قافلہ بگذشت و شما در خوابید

(اے مخلوق جہاں تو سب جلدی سے دوڑو تا کہ عشق الٰہی کی آگ میں جلنے والوں کے قافلے میں شامل ہو جاؤ۔ اے محراب مسجد میں بیٹھ کر مناجات کرنے والو اہل عشق کے صدہا قافلے گزر چکے ہیں اور تم ابھی تک سوئے ہوئے ہو)۔

علم حقائق علم دل ہے اور علم معارف علم اسرار ہے جسے علم اشارہ بھی کہتے ہیں۔ قطب عالم کہ اہل دل تھے، اسرار الٰہیہ کے معارف سے بھی آگاہ تھے۔ آپ اکثر یہ شعر گنگناتے تھے:

عالم دل عالمے است ہر دو جہاں اندرو

کیست کہ ہر دم کند عزم تماشائے دل

(لوگو! کیفیت دل خود بھی ایک دنیا ہے جس میں دونوں جہان سمائے ہوئے ہیں، وہ کون ہے جو ہر دم تماشائے دل دیکھنے کا ارادہ رکھتا ہے)۔

فصل۔ رسالہ مکیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مبتدی مرید کے لیے ناگزیر ہے کہ وہ قولاً اور فعلاً شیخ کامل کی پیروی کرے، کیونکہ شیخ سیر سلوک میں اس کا رفیق ہوتا ہے۔ اس مسافر کے لیے جو راہ سے واقف نہیں ہے، بغیر رہنما کے راستہ طے کرنا بہت دشوار ہے اور رہنما وہ ہوتا ہے جو راہ سے آشنا ہو اور جانتا ہو کہ راستے میں خوف و خطر، ہلاکت اور امن کے مقامات کہاں کہاں ہیں۔

اس بیان کی مناسبت سے قطب عالم شیخ مینا نے فرمایا کہ مرید کے ابتدائے حال میں شیخ کی حیثیت آرائش گر کی سی ہوتی ہے، جس طرح شروع میں سنوارنے والی کا

مقصد جانبین کو احساس راحت مہیا کرنا ہے، پھر جب وہ دلہن کو حجلۂ عروسی میں پہنچا دیتی ہے تو اس سے بات چیت کرنے اور راحت پہنچانے کا محل باقی نہیں رہتا۔ اسی طرح ابتدا میں شیخ مرید کے دل میں عمل صالح، عبادات اور ذکر کا شوق پیدا کرتا ہے۔ ذلت و خواری جو لازمہ عشق ہے اس کی لذت سے آشنا کرتا ہے۔ اسے حضرت بے نیاز کا مشتاق بناتا ہے اور پھر حق سبحانہ تعالیٰ سے مدد مانگتا ہے تا کہ بارگاہ بے نیاز سے جو فیض شیخ کو حاصل ہو، اس سے مرید بھی بہرہ مند ہو۔ یہاں تک کہ مرید کو عالم مکاشفہ، مشاہدہ اور وصال میں پہنچا دیتا ہے۔ یہ وہی مقام ہے جہاں مرید شیخ کو بھی بے گانہ تصور کرتا ہے۔

ہاں اے بھائی! بھائیوں کے ساتھ کھانا پینا تو یقیناً اچھا لگتا ہے، لیکن ان کے ساتھ محبوب سے ملاقات کرنا کسی کو بھی پسند نہیں ہوتا۔ محبت تو ایسی بلا ہے کہ خود اپنے دل اور اپنی آنکھوں پر رشک آنے لگتا ہے:

من باشم و تو باشی اغیار نمی باشد

(بس میں ہوں تو ہو اور غیروں کا دخل نہ ہو)۔

قوام الحق والدین فرماتے ہیں، اے درویش! اس کام کی کسوٹی اور معیار کتاب و سنت اور سلف کی جو اہل اقتدا تھے سیرت ہے، محض کسی کا اجازت نامہ یا متبرک مقام پر بیٹھنا معیار نہیں ہے کہ فلاں شخص درویش کا بیٹا ہے اور اپنے آباء و اجداد کی گدی پر بیٹھا ہے۔ اگر مرتبے کے لائق نہ ہوتا تو ہرگز ان کے سجادے پر نہ بیٹھتا۔

خوب جان لو کہ انسان کا شرف زمان و مکان سے نہیں بلکہ پرہیزگاری سے ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ان اکرمکم عند اللہ اتقکم (سورۃ الحجرات: ۱۳) (یعنی اللہ کے نزدیک تم میں سب سے بڑا شریف وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار)۔ یہ اعتقاد

(کہ بزرگی موروثی ہے) بالکل عامیانہ ہے، اسے دور کرو اور جان لو کہ دل کو اللہ تعالی کے غیر سے خالی کیے بغیر حق تعالی کا قرب نصیب نہیں ہوتا۔ میری جان شیخ غزالی (وفات ۵۰۵ ھ) پر فدا ہو، جنھوں نے اپنے نور باطن سے معلوم کرلیا کہ ایک زمانہ ایسا آئے گا جب بعضے مشائخ بہت سا مال جمع کرنے کے عادی ہوں گے، وہ لوگوں کو کھانے پر بلائیں گے، انھیں لباس اور ہدیے دیں گے تاکہ وہ ان کے معتقد ہو جائیں۔ لوگ بھی نمائشی اخلاق اور چاپلوسی سے کام لے کر ان تحفوں کو حاصل کریں گے اور انھیں شیخ کامل اور قطب وقت مشہور کریں گے۔ بعضے مشائخ حیلہ بازی اور جھوٹ کے ذریعے کوشش کریں گے کہ خود کو مخلوق میں بزرگ اور لائق عزت ظاہر کریں۔ مخلوق سے اپنے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دلوائیں گے اور لوگوں سے اپنی خدمت کرائیں گے۔ بعضے مشائخ جیسا کہ آج کل دیکھا جا رہا ہے، زیادہ لوگ اپنے ساتھ ملا کر قوت دکھائیں گے۔ افسوس افسوس مشیخت کہاں، درویشی کہاں، پیری مریدی کہاں (سب رفت و گزشت ہوئے)۔ قطب عالم اکثر یہ اشعار پڑھتے تھے اور روتے تھے:

نہ طفلے بر سر بامے نہ برنائے سر کوئے
نہ پیرے بر در مسجد ہمیں خالی ہماں خالی

(نہ کوئی لڑکا بالا خانے پر، نہ کوئی جوان گلی کے سرے پر (نظر آتا ہے) نہ کوئی بزرگ مسجد کے دروازے پر دکھائی دیتا ہے، یہ جگہ بھی خالی پڑی ہے اور وہ بھی خالی ہے)۔

مجالس حلقہ رو رفتہ مدارس مندرس گشتہ
مساجد جملہ بشکستہ منابر ہمچناں خالی

(حلقہ وار مجلسیں ناپید ہو گئیں، مدرسے ویران ہو گئے۔ تمام مسجدیں کھنڈر بن گئیں اور منبر خالی پڑے ہیں)۔

ملائک می کند نوحہ کہ یا رب ایں چہ روز آمد

کہ تا پیش از قیامت شد ز مردم ایں جہاں خالی

(فرشتے ماتم کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب یہ کیسے دن آ گئے کہ قیامت سے پہلے ہی دنیا انسانوں سے خالی ہو گئی)۔

شیخ قوام الحق والدین فرماتے ہیں، اے جواں مرد جس رہنما نے قطعاً راستہ نہ دیکھا ہو، نہ اس راستے میں قدم رکھا ہو، نہ سفر کی آمادگی ظاہر کی ہو، نہ دل پسند اشیا سے جدائی کی تلخی کا ذائقہ چکھا ہو، نہ اپنی ہستی کو مٹایا ہو، نہ دونوں جہانوں سے منہ پھیرا ہو، وہ کس طرح (طالبین کی) رہنمائی کے لائق ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالی عین القضاۃ ہمدانی کی روح کو راحت عطا فرمائے، انھوں نے فرمایا ہے:

بازی کن کہ عاشقی کار تو نیست

(تم کسی کھیل تماشے میں لگ جاؤ، عشق و عاشقی تمھارے بس کی بات نہیں ہے)۔

منقول ہے (مجلس میں) ذکر آ گیا کہ راہ سلوک میں طالبوں بلکہ عام لوگوں کی ہلاکت کا غالب سبب یہ ہے کہ وہ گمراہ عالموں اور پیروں کی تقلید کرتے ہیں۔ گمراہ مشائخ وہ ہیں جو شریعت کی پیروی نہیں کرتے۔ دنیا میں گرفتار نفس پرستی میں مبتلا ہیں، عزت و سروری کے طالب، خود پسند اور خود بیں ہوتے ہیں۔ یہ لوگ باطنی انتشار کی وجہ سے غیر اللہ پر نظر رکھتے ہیں۔

اس حقیقت کی مناسبت سے شیخ قوام الحق والدین نے فرمایا ہے، اے جواں مرد! جو شخص خود گمراہ ہو اور دوسروں کو گمراہ کرتا ہو وہ کس طرح مقتدیوں کا امام اور طالبوں کا رہبر ہو سکتا ہے۔ شیخ ہونے کی شرط یہ ہے کہ وہ فنا ہو چکا ہو۔ فنا کا پہلا درجہ ناپسندیدہ باتوں کو فنا کر دینا ہے کیونکہ حق تعالی کے قرب نے انھیں ملعون قرار

دیا ہے۔

(حق تعالیٰ نے) انسانوں کی فلاح ناپسندیدہ باتوں سے نفس کو پاک کرنے کے ساتھ مشروط کی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے، قد افلح من زکّٰها۔ و قد خاب من دسّٰها (سورۃ الشمس: ۹،۱۰) (یعنی یقیناً وہ مراد کو پہنچا جس نے اس (جان) کو پاک کر لیا اور نامراد ہوا جس نے اس کو (فجور میں) دبا دیا)۔ (حقیقت یہ ہے کہ) نامراد لوگوں کی صحبت اختیار کر کے کوئی شخص بامراد نہیں ہوا، نہ اسے بھلائی حاصل ہوئی، پس جو شخص گمراہ لوگوں کی پیروی کرتا ہے وہ گمراہ ہی رہتا ہے اور اس لائق ہوتا ہے کہ اس کی ملامت کی جائے۔ بناء الفاسد فاسد (خراب کی بنیاد خراب ہوتی ہے)۔

طالب کے لیے ضروری ہے کہ پیروی کے باب میں اچھی طرح غور و فکر کرے، جو شخص سنت و جماعت کا پیرو ہو اس کی اقتدا کرے۔ ہدایت دینے والا اور بخشنے والا اللہ تعالیٰ ہے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ تمام لوگوں کے حق میں نیک گمان رکھنا چاہیے کہ بزرگوں نے فرمایا ہے، ہزار زندیقوں کے پاس جانا چاہیے تا کہ ایک صدیق تک رسائی حاصل ہو سکے۔ لیکن مرید ہونا بہت ہی نازک معاملہ ہے، اس زمانے میں ہر کسی پر اعتماد اور ہر کسی کا اتباع نہیں کرنا چاہیے کیونکہ (کاملوں میں) بہت سے اہل ہوس شامل ہو گئے ہیں، اس لیے سوچ سمجھ سے کام لینا ضروری ہے۔

فصل۔ (مجلس میں) ذکر آگیا کہ راحت القلوب میں مرقوم ہے کہ مذہب چار ہیں:

اول۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب۔

دوم۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب۔

سوم۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب۔

چہارم۔ امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب۔

لوگوں کو چاہیے کہ وہ ان چاروں (فقہی) مذاہب میں کسی طرح کا شک نہ کریں تاکہ مسلمان سنت پر قائم رہیں۔ ....

(بزرگوں نے) جو یہ کہا ہے کہ چاروں مذہب حق ہیں سو اس سے ان کی مراد یہ ہے کہ چاروں مذہب سنت جماعت پر ہیں اور ان مجتہدوں میں سے کسی فرد کا میلان خواہش نفس اور بدعت کی جانب نہ تھا۔ سب نے اللہ تعالیٰ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کیا ہے۔

شیخ شرف الدین کی تصنیف شرح آداب میں مذکور ہے کہ صوفیہ کی جماعت نے چاروں مذاہب میں سے اہل حدیث فقہا کے مذہب کو اختیار کیا ہے جیسے امام شافعی جو اہل حدیث فقہا میں سے ہیں، اسی باعث یہ کہا جاتا ہے کہ ہر بزرگ نے چاروں مذاہب میں کسی ایک مذہب کو اختیار کیا ہے۔ (قدیم) کتابوں میں بھی یہ مرقوم ہے کہ مشائخ رحمہم اللہ کے مختلف طبقوں میں سے جو حضرات اہل طریقت اور درویش تھے، وہ امام شافعی سے قبل یا تو سلف کے مذہب پر تھے یا اپنے شیخ کے مذہب پر تھے جیسے سلطان العارفین (حضرت بایزید بسطامی) جو امام جعفر صادق کے مذہب پر تھے۔

طریقت میں مرید کے لیے مناسب نہیں ہے کہ اپنے مرشد کے مذہب کے علاوہ دوسرا مذہب اختیار کرے، نہ یہ بات درست ہے کہ مرید اپنے مرشد کے عمل اور اس کے طور حیات کی مخالفت کرے۔ یہاں کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ مذکورہ اصول کے مطابق عمل کیا گیا تو امام اعظم کے مذہب کو نقصان پہنچے گا، ایسا ہرگز نہیں ہے کیونکہ امام اعظم کا مذہب بہت عظیم ہے اور عوام میں مقبول ہے ....

اس مقام پر حضرت سعد نے قطب عالم سے عرض کیا کہ (یوں تو) دنیا میں بہت سے اہل علم اور اہل اجتہاد ہوئے ہیں (لیکن) ان میں سے صرف چار مجتہد حضرات کو صاحب مذہب کہا جاتا ہے، اس کا کیا سبب ہے؟ قطب عالم نے فرمایا کہ تہذیب المذاہب

کے مصنف نے کہا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے صحیح اسناد کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ ایک شخص رسول علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ آں حضرت علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ تم نے کیا خواب دیکھا ہے، بیان کرو۔ اس شخص نے عرض کیا کہ میں نے دیکھا کہ ایک خیمہ زمین و آسمان کے درمیان پھیلا ہوا ہے، اس کی چار طنابیں ہیں اور چار آدمی ان چار طنابوں کی نگرانی کر رہے ہیں۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا، وہ خیمہ جو تم نے دیکھا دین اسلام ہے اور چار رسیاں چار مذہب ہیں اور چار آدمی جو تم نے دیکھے، وہ چار اشخاص ہیں جو میرے بعد پیدا ہوں گے اور صاحب مذہب ہوں گے۔

منقول ہے (مجلس میں) ذکر ہوا کہ اگر کوئی مرید کسی شیخ کی پیروی کرے اور اپنے دل میں یہ اعتقاد رکھے کہ اس معین شیخ کے علاوہ جس کی وہ پیروی کر رہا ہے، اس کا کوئی شیخ نہیں ہے اور یہی شیخ مجھے اللہ تعالیٰ تک پہنچا سکتا ہے۔ اس اعتقاد کو "توحید مطلب" کہتے ہیں اور توحید مطلب ایک عظیم رکن ہے۔

اس سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا کہ خلوت اختیار کرنے اور قرب الٰہی حاصل کرنے کی بہت سی شرطیں ہیں۔ منجملہ ان تمام شرائط کے ایک بنیادی شرط شیخ سے قلبی ربط و تعلق ہے۔ یہ ربط و تعلق اس وقت تک میسر نہیں ہوتا جب تک "توحید مطلب" حاصل نہ ہو۔ توحید مطلب سے مراد یہ ہے کہ سالک پوری طرح یہ یقین کرے کہ مطلوب اول یعنی شیخ معین کی رہنمائی کے بغیر، جس کے اوصاف اوپر بیان کیے گئے ہیں، اس کی رسائی حق تعالیٰ تک ناممکن ہے، جیسا کہ شیخ قوام الحق والدین نے فرمایا ہے کہ خلوت کی آٹھ شرائط ہیں۔ بزرگوں نے اسے ساتویں شرط قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ ساتویں شرط دل کو ہمیشہ شیخ سے وابستہ رکھنا، اس کی روحانیت کو موجود جاننا، تمام احوال میں "ہمت" کے لیے اس کے باطن سے استمداد کرنا، شیطانی وساوس اور نفس امارہ کی شدت کے وقت

اس کے سایہ ولایت میں پناہ لینا اور ہر ذکر کے آغاز میں شیخ کی یاد کو اس معنی میں خود پہ لازم کرلینا کہ حق تعالی کے سوا میرا کوئی مطلوب نہیں ہے، اے شیخ آپ میرے گواہ رہیں۔

اخلاص کا بیان

منقول ہے، ذکر ہونے لگا کہ مرید کا اخلاص یہ ہے کہ اس کی تمام حرکات و سکنات، اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا، قول و عمل صرف حق تعالی کے لیے ہو۔ اس میں خواہش نفس اور شائبہ غیر شامل نہ ہو۔

قطب عالم نے فرمایا کہ مرید کی اصل صدق و اخلاص ہے۔ جب مرید صدق و اخلاص پہ پنجہ گاڑ دیتا ہے (حاصل کرلیتا ہے) اس کا کام پختہ ہو جاتا ہے اور پھر "اہل ہمت" کے مرتبے تک پہنچ جاتا ہے، تاہم اس کے صدق و اخلاص کی تحقیق دو باتوں سے ہوتی ہے۔ اول یہ کہ وہ احکام شریعت کی بجا آوری کرتا ہو، اور دوسرے یہ کہ وہ مخلوق سے قطع نظر کر کے حق تعالی ہی کو فائدہ اور نقصان پہنچانے والا یقین کرتا ہو۔

منقول ہے، ذکر ہونے لگا کہ (مرید) اس وقت صادق، مخلص اور موحد ہوتا ہے جب کمال ارادت کے ساتھ اللہ تعالی کے سوا اس کا کوئی مطلوب نہ رہے۔ شیخ قوام الملۃ والدین فرماتے ہیں:

تونی چو مومن و مشرک، موحد نیستی واللہ
موحد آنگہے گردی کہ رواز غیر گردانی

(خدا کی قسم تو مومن و مشرک جیسا ہے لیکن موحد ہرگز نہیں ہے۔ موحد اس وقت بنے گا جب تو غیر اللہ سے منہ پھیرے گا)۔

قطب عالم نے فرمایا کہ مرید طالب کو چاہیے کہ غیر اللہ پہ توجہ نہ دے اور لوگوں کی تحسین و ملامت سے بے پروا ہو جائے۔ جو عمل کرے اچھی نیت سے اور صدق و اخلاص کے ساتھ کرے۔ لوگوں کی باتوں سے خود کو تشویش میں نہ ڈالے۔ ان

کے برا بھلا کہنے کو اہمیت نہ دے کیونکہ مخلوق کے ہاتھوں سے کسی کو بھی چھٹکارا حاصل نہیں ہوتا۔

اس (ملفوظ کی) مناسبت سے قطب عالم نے یہ حکایت بیان کی کہ ایک دفعہ ایک بزرگ شیخ جو بہت بوڑھے ہو گئے تھے، گھوڑے پر بیٹھے ہوئے جا رہے تھے اور ان کا کم سن بیٹا ان کے ساتھ پیدل چل رہا تھا۔ لوگوں نے (طنز کرتے ہوئے) کہا، واہ بھئی واہ! کیسا بے درد انسان ہے کہ خود گھوڑے پر بیٹھا جا رہا ہے اور کم عمر بیٹے کو پیدل چلوا رہا ہے۔ پیر صاحب لوگوں کی یہ بات سن کر گھوڑے سے اتر گئے اور بیٹے کو سوار کر دیا اور گھوڑے کی لگام پکڑ کر پیدل چلنے لگے۔ (کچھ دور چلے ہوں گے کہ) لوگوں نے فقرے بازی شروع کر دی، دیکھو کس قدر احمق شخص ہے کہ خود پیدل چل رہا ہے اور بیٹے کو گھوڑے پر بٹھا رکھا ہے۔ یہ سن کر بیچارے پیر صاحب بیٹے کے ساتھ گھوڑے پر بیٹھ گئے اور منزل کی طرف چلے۔ لوگوں نے پھر توہین آمیز باتیں شروع کر دیں کہ ان ظالم بڑے میاں کو دیکھو کہ اکیلے گھوڑے پر دو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں اور گھوڑے کی لاغری کا بھی خیال نہیں کرتے۔ اس مرتبہ پیر صاحب گھوڑے سے اتر گئے اور بیٹے کو بھی اتار لیا۔ دونوں پیدل چلنے لگے۔ لوگوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا کہ واواہ کیسا بخیل اور کنجوس شخص ہے کہ گھوڑا ہونے کے باوجود خود بھی پیدل چل رہا ہے اور بیٹے کو بھی پیدل گھسیٹ رہا ہے۔ جب بیچارے پیر صاحب نے یہ دیکھا کہ کسی حال میں بھی مخلوق سے چھٹکارا حاصل نہیں تو اپنی مرضی کے مطابق سفر کرنے لگے اور لوگوں کے برا بھلا کہنے سے بے نیاز ہو گئے۔

منقول ہے، ذکر ہونے لگا کہ صوفیہ کے نزدیک توحید یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کا ذکر نہ کرے۔ خدا کے سوا کسی کو نہ جانے اور خدا کے سوا کسی کو نہ سمجھے۔

مصرع:

در ہر چہ نگہ کنم ترامی بینم

(میں جس چیز پر نگاہ ڈالتا ہوں تجھے ہی دیکھتا ہوں)۔

خدا کے سوا کسی کو محبوب نہ رکھے کہ محبت ایسا حاکم ہے جو (اپنی مملکت میں) کسی کی شرکت قبول نہیں کرتا۔ عشق غیور ہے، اسے دوئی پسند نہیں۔

در شہر بگویا تو باشی یا من

شوریدہ بود کار ولایت بدوتن

(اعلان کر دے کہ شہر میں یا تو رہے گا یا میں رہوں گا۔ حکومت کے کام دو آدمیوں کے سپرد کر دیے جائیں تو ابتری پھیل جاتی ہے)۔

یا خانہ جائے رخت بود یا خیال دوست

(خانہ دل میں یا تو مال و اسباب رہ سکتا ہے یا محبوب کی یاد آباد ہو سکتی ہے)۔

پس (اے سالک) خدا کی ذات پاک ہی کو دوست رکھ (تیرا مقصود) صفات کی جانب نگاہ کیے بغیر مطلق ذات ہو اور تمام مرادات کی حرص سے خود کو علیحدہ کرلے۔

اس محل پر قطب عالم نے فرمایا، خدا کو سوائے اس کی ذات کے دوست نہ رکھے اور خدا سے سوائے خدا کے دوسری چیز طلب نہ کرے۔ جو شخص ذات کی جہت سے ذات کا طالب ہے وہ عاشق ذات ہے اور جو غیر ذات کا طالب ہے نامراد ہے اور جو نامراد ہے وہ خود بیں ہے اور جو خود بیں ہے وہ اپنا عاشق ہے اور عشق ذات سے بہت دور ہے۔

ہم پلست خوری بتاوہم نائے زنی

ایں ہر دو نہ باشد کہ بہ یک جائے زنی

(اے پیارے تو گھٹیا چیز کھاتا ہے (مفلسی میں مبتلا ہے) اور (عیش و طرب کی) ڈینگ مارتا ہے، گویا دو (متضاد) باتوں کو ایک مقام پر رکھتا ہے۔ یہ یک جائی ناممکن ہے)۔

منقول ہے کہ (مجلس میں) خرقہ تشبہ اور خرقہ تصوف کا ذکر آ گیا۔ قطب عالم شیخ

مینا نے فرمایا کہ مشائخ کے خرقہ پہنانے کی دو نوعیتیں ہیں۔ ایک یہ کہ تربیت مکمل ہونے کے بعد جب وہ سالک کی ذات میں زہد و پرہیزگاری کا مشاہدہ کرتے ہیں اور ان کے دل کو ہر طرح سے اطمینان ہو جاتا ہے (تو وہ خرقہ عطا کرتے ہیں) اس خرقے کو خرقہ ارادت یا خرقہ تصوف کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ پہلے ہی قدم پر خرقہ پہنا دیتے ہیں تاکہ ان کا خرقہ طالبین کو (احکام کا) پابند بنائے اور انھیں گناہوں سے باز رکھے کہ جب بھی وہ گناہ کی طرف مائل ہوں تو "اہل ہمت" کے (عطا کردہ) لباس پر نظر ڈالیں اور ان نیکو کاروں کے لباس کی شرم سے بد کرداروں جیسے کام نہ کریں۔ اسے خرقہ تبرک یا خرقہ تشبہ کہتے ہیں۔ جب تک مرید خرقہ تبرک و تشبہ کی منزل میں ہے، رسمی مرید ہے اور جب وہ حق تعالی کی عنایت اور شیخ کی صحبت کی برکت سے خرقہ ارادت و تصوف کے لائق ہو جاتا ہے اور یہ خرقہ پہن لیتا ہے تو حقیقی مرید ہو جاتا ہے۔

(مجلس میں) بیان کیا گیا کہ شیخ کامل کی ہدایت کے بغیر طالب کا ذکر میں مشغول ہونا بار آور نہیں ہوتا، نہ ہدایت کے یہ بغیر مشغولیت مقصود تک پہنچا سکتی ہے، البتہ اللہ تعالی چاہے تو سب کچھ ہو سکتا ہے۔

یہ بھی بیان کیا گیا کہ مبتدی کے لیے تمام اذکار میں اہم ترین ذکر لاالہ الا اللہ کا ورد ہے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت موسی علیہ السلام نے اللہ تعالی سے درخواست کی کہ الہی مجھے ایسی عبادت کا حکم دے جس میں بہت زیادہ مشقت و محنت ہو۔ حکم ہوا کہ لا الہ الا اللہ کا ورد کریں۔ حضرت موسی نے چند ہزار کا ورد کیا اور پھر درخواست کی کہ الہی میں ایسی طاعت کا خواستگار ہوں جس میں مشقت و محنت لازم ہو اور اس میں مجھے زیادہ راحت و نشاط حاصل ہو۔ جواب ملا کہ اے موسی اس کلمے کی محنت و مشقت فرعون سے معلوم کرو۔ ہم نے تو اسے آپ پر آسان کر دیا ہے اور آپ کے دل کو

پاک و صاف کر دیا ہے، اسی باعث یہ کلمہ آپ کو آسان محسوس ہوتا ہے۔

جاننا چاہیے کہ طالب ہمیشہ نفی و اثبات کی شرط کے ساتھ خاموشی سے قوی ذکر کرے۔ قوی ذکر وہ ہے کہ سانس کھینچ کر روک لے تاکہ دل پر اس کا جلد اثر ہو۔ ذکر جہریہ اور خفیہ میں اختلاف ہے۔ بعضے بزرگوں نے ذکر جہری اختیار کیا اور بعضوں نے ذکر خفی اختیار کیا، جیسے کہ رسالہ مکیہ کے مصنف (قطب الدین دمشقی) ذکر خفی پسند کرتے تھے۔ اس باب میں ہر فریق اپنے اپنے اختیار کی سند رکھتا ہے۔ یہاں ان اسناد کا بیان طوالت کا باعث ہو گا۔

(بہرحال) طالب اپنے شیخ کو اپنے دل کے ساتھ موجود جانے اور جب بھی ذکر میں مشغول ہو تو "لاالہ" کے کلمے کو لمبا کھینچتے وقت اپنے نفس کو یقین دلائے کہ شیخ کی روحانیت اس کے قریب موجود ہے یعنی شیخ عالم روح میں اس کے قریب موجود ہیں، اور اس کی مدد کر رہے ہیں اگرچہ جسمانی طور پر اس کے ساتھ نہیں ہیں حتیٰ کہ یہ احساس اس درجے قائم ہو جائے کہ شیخ کو جسمانی طور پر بھی موجود محسوس کرنے لگے۔

شیخ کی روحانیت کو موجود جاننے کی وجہ یہ ہے کہ (تربیت کے دوران) مرید کی راہ میں بہت سے پردے حائل ہوتے ہیں اور وہ جیسا کہ چاہیے حضرت عزت کی جانب متوجہ نہیں ہو پاتا۔ مرید عالم رنگ و بو کا خوگر ہوتا ہے اور غیب کے حقائق سے ناآشنا ہوتا ہے۔ چونکہ شیخ کی صورت عالم محسوس سے تعلق رکھتی ہے اس لیے جب مرید شیخ سے ارادت کا تعلق استوار کر لیتا ہے تو اس کے لیے شیخ کے قلب کی جانب متوجہ ہونا زیادہ آسان ہوتا ہے، دوسرے یہ کہ شیخ کا قلب حضرت عزت کی جانب متوجہ رہتا ہے اور وہ عالم غیب کا پروردہ ہوتا ہے، اس لیے عالم غیب سے ہر لحظہ قلب شیخ پر فضل ربانی کا فیضان پہنچتا رہتا ہے، چنانچہ شیخ کا نزول مرید کے قلب کو اس کی توجہ کے مطابق مدد پہنچاتا رہتا ہے، یہاں تک کہ شیخ کے واسطے سے مرید قلب غیب سے مدد حاصل کرنے

کا عادی ہو جاتا ہے اور غیب میں پرورش پاتا ہے۔ اس وقت مرید بتدریج اور بلاواسطہ شیخ فضل ربانی کا فیض حاصل کرنے کے لائق ہو جاتا ہے وسقٰھم ربھم شرابا طھورا (سورۃ الدھر : ۲۱) (اور ان کا رب ان کو پاکیزہ شراب پلوائے گا)۔ ابتدا میں بھی اگرچہ شراب طہور ہی پلائی جاتی ہے لیکن شیخ کی ولایت کے جام میں ڈال کر دی جاتی ہے، ساقی حقیقی، محمد مصطفٰے علیہ السلام کے جام نبوت میں شراب طہور و شہود بلاواسطہ پلاتا ہے۔

(مجلس میں) بیان کیا گیا کہ خدائے تعالٰی نے اس راہ میں نور و ظلمت کے ستر ہزار پردے پیدا فرمائے ہیں، چنانچہ جب تک ان تمام حجابات کو دور نہ کیا جائے نور حقیقی تک رسائی ناممکن ہے۔ خوب جان لیں کہ خدائے تعالٰی نے ان پردوں کو کعبہ اسرار (نور حقیقی) کا پردہ کعبہ اسرار پر غیرت کرنے کے سبب بنایا، یعنی غیرت الٰہی نے یہ گوارا نہ کیا کہ نور حقیقی بے پردہ ہو (اس لیے) اس نے اسرار پر پردے ڈال دیے تاکہ ہر نااہل ان سے واقف نہ ہو سکے۔

قطب عالم نے فرمایا، تم جانتے ہو کہ حق تعالٰی نے راہ میں نور کے حجابات ڈالے ہیں، وہ اس لیے کہ چشم عاشق روز بروز پختہ تر ہوتی جائے اور خیرہ نہ ہوتا کہ لقاء اللہ کی کہ تجلی ذات ہے استعداد پیدا ہو سکے۔ واہ اس نیک بخت عاشق کا کیا کہنا جسے بغیر دیدار کے تشفی نہ ہوئی اور دوست کے لیے جان و دل کی بازی لگا دی، نتیجۃً "مقام مکاشفہ و مشاہدہ میں پہنچ گیا۔ قطب عالم اکثر یہ شعر پڑھتے تھے:

تو راہ نہ رفتہ ازاں ننمودند

ورنے کہ زداین در کہ برو نکشودند

(اے مخاطب تو راستے پر ہی نہ چلا، اس لیے تجھے راستہ نہیں دکھایا ورنہ ایسا کون ہے جس نے دستک دی اور اس کے لیے انھوں نے دروازہ نہ کھولا ہو)۔

منقول ہے کہ (مجلس میں) محفوظ لقمے (کھانے) کا ذکر آگیا کہ جو شخص محفوظ

(نفس پرور) لقمے کا مشتاق ہے وہ اس راہ میں بد کردار ہے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ وہ صوفی جو نفس پروری کے لیے کھاتا ہے، اسے کسی عمل سے نفع حاصل نہیں ہوتا۔ اس راہ میں ساری خرابی نفس پرور لقمے اور شکم سیری کے باعث پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ جس شخص نے اپنے منہ کو نفس پرور کھانے سے روکے رکھا، وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے پیوست ہو گیا۔

اہل مشاہدہ اور اہل مجاہدہ

منقول ہے، اس بات کا ذکر ہونے لگا کہ "اہل مشاہدہ" ایک علیحدہ جماعت ہیں اور "اہل مجاہدہ" علیحدہ جماعت ہیں۔ اہل مشاہدہ پر تجلی کے ذریعے لطف فرماتے ہیں اور اہل مجاہدہ کو تجلی سے مضطرب کرتے ہیں۔ یہاں نوازنا ہے اور وہاں پگھلانا ہے۔ نوازش گداختگی کے ساتھ میل نہیں رکھتی اور گداختگی نوازش سے موافقت نہیں کرتی۔ ان دونوں مشرب میں یہ فرق ہے۔

قطب عالم نے فرمایا، ابو مسلم فارس بیان کرتے ہیں کہ ایک روز میں شیخ ابو سعید ابو الخیر رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں زیارت کے لیے حاضر ہوا۔ میں نے دیکھا کہ شیخ چاروں طرف تکیے لگائے ایک تخت پر سوئے ہوئے تھے، اور پیروں کے نیچے بھی تکیے رکھے ہوئے تھے۔ ایک مصری چادر اوپر ڈالی ہوئی تھی۔ میں نے میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھے اور ناتوانی سے چمڑے کے تسمے کی مانند ہو گیا تھا اور طرح طرح کے مجاہدے کر کے پیلا پڑ گیا تھا۔ میرے دل میں جھنجھلاہٹ سی پیدا ہوئی اور میں نے خود سے کہا کہ یہ کیسی درویشی ہے کہ میں اس قدر مجاہدے کرتا ہوں اور یہ کس قدر راحت میں ہیں۔ شیخ میرے باطن پر مطلع ہو گئے اور فرمایا، اے ابو مسلم آپ نے یہ بات کس کتاب میں پڑھی کہ ایک خودبیں شخص درویش ہوسکتا ہے۔ ہم نے مقدور بھر حق تعالیٰ کو دیکھا، اس نے ہمیں تخت عزت پر بٹھایا اور تم نے اپنے آپ کو دیکھا، اس لیے اس کے لطف سے محروم رہے۔ ہمارے حال سے ہمیں مشاہدہ حاصل ہوا اور اپنے حال سے آپ کو

مجاہدہ ملا۔ ابو مسلم کہتے ہیں کہ شیخ کی یہ بات سن کر دنیا میری نظروں میں تاریک ہو گئی اور میرے ہوش جاتے رہے۔ جب ہوش حواس بحال ہوئے تو میں نے اپنے خیال سے توبہ کی اور میری یہ توبہ قبول ہوئی۔

قطب عالم نے فرمایا کہ ایک مرتبہ شیخ ابو سعید ابوالخیر نے مکہ معظمہ حاضری کا قصد کیا۔ چند سو صاحب ارادت مریدوں کو ساتھ لے کر شاہانہ شان و شوکت سے روانہ ہوئے۔ ریشمی طنابیں اور سونے چاندی کی میخیں ساتھ رکھی گئیں۔ سفر کرتے کرتے ایک مقام پر پہنچے۔ وہاں ایک گدڑی پوش بزرگ جو اللہ تعالی کے مقرب بندوں میں تھے، اپنی فقیری کٹیا میں رہتے تھے۔ ان بزرگ کے ایک مرید کی نظر شیخ ابو سعید پر پڑی تو فطرت بشری کے مطابق اس کے دل میں خیال گزرا کہ میرے شیخ بھی صاحب ولایت ہیں اور یہ بزرگ بھی صاحب مقام ہیں لیکن میرے شیخ بے مال و اسباب ہیں اور ان کے پاس اس قدر دولت ہے۔ شیخ ابو سعید نے نور باطن سے اس کے خیال کو معلوم کر لیا۔ اسے اپنے پاس بلایا اور فرمایا، اے عزیز تمھارے شیخ مقام گدازش (پگھلنا) میں ہیں اور میں مقام نوازش میں ہوں۔ بزرگ کا مرید بہت شرمندہ ہوا اور اپنے شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

ایک گھڑی بعد شیخ ابو سعید ان بزرگ سے ملاقات کرنے کے لیے نکلے۔ جب ان بزرگ کے حجرے کے قریب پہنچے تو وہ مرید بہت خوش ہوا اور انھیں اطلاع دی کہ خواجہ ابو سعید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ہیں۔ بزرگ نے کوئی جواب نہیں دیا اور توجہ تک نہ کی۔ اس مرید کے دل میں خیال گزرا کہ یہ کیسی بزرگی ہے کہ اتنے بڑے شیخ ملاقات کے لیے آئے ہیں اور یہ کوئی توجہ ہی نہیں دیتے۔ اچانک خواجہ ابو سعید اندر آ گئے۔ ان بزرگ نے بیٹھنے کو بھی نہ کہا۔ ابھی خواجہ کھڑے ہوئے تھے کہ اچانک انھوں نے کعبہ کو دیکھا کہ ان بزرگ کا طواف کر رہا ہے۔ جب کعبے نے سات چکر پورے کر لیے تو

بزرگ نے کہا، اچھا اب چلے جاؤ۔ خواجہ ابو سعید نے یہ سب کچھ اپنی آنکھ سے دیکھا، بعد ازاں وہ بزرگ خواجہ ابو سعید سے مخاطب ہوئے اور فرمایا کہ آپ نے میرے مرید سے کہا تھا کہ ہم مقام نوازش میں ہیں اور تمہارے شیخ مقام گزارش میں ہے۔ بلاشبہ ایسا ہی ہے کہ آپ مقام نوازش میں ہیں اور میں مقام گدازش میں ہوں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ آپ سرگرداں ہو کر کعبے جاتے ہیں اور کعبہ سرگرداں ہو کر خدا کے بندوں کے پاس آتا ہے اور تمام اعزاز کے ساتھ ان کا طواف کرتا ہے۔

(اس واقعے کے بعد) خواجہ ابو سعید نے اس دن بہت توبہ اور استغفار کی کہ حسنات الابرار سیئات المقربین (نیکوں کی اچھائیاں مقربین کی برائیاں ہیں)۔ اس مرید کو بھی اپنے شیخ کی عظمت و بزرگی کا اندازہ ہو گیا اور اس نے بھی از سر نو توبہ و استغفار کی۔

(مجلس میں) بیان کیا گیا کہ جب سالک کا درجہ بلند ہوتا ہے تو اسے "امثال اعلیٰ" (ایک روحانی مقام) میں متمکن کیا جاتا ہے یعنی وہ جس شے پر نظر ڈالتا ہے خالص حق کا مشاہدہ کرتا ہے، یہاں تک کہ اسے ہر شے میں بلکہ ہر ذرے میں حق تعالیٰ کی صنعت کے آثار کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ پھر وہ بنانے والے کے سوا کسی غیر کو نہیں دیکھتا۔

اے جملہ جہاں حسنت آخرچہ جمال است ایں
پیدائی و پنہانی آخرچہ کمال است ایں
در ہرچہ نگہ کردم غیر از تو نمی بینم
غیر از تو کسے باشد تاچہ محال است ایں

(یہ کیسا جمال ہے کہ تمام جہاں میں تیرا حسن پھیلا ہوا ہے۔ یہ کیسا کمال ہے کہ تو ظاہر بھی ہے اور نہاں بھی ہے۔ میں جس شے کو دیکھتا ہوں تیرے سوا غیر کو

نہیں دیکھتا۔ کوئی تیرا غیر ہو سکتا ہے خدا کی قسم یہ قطعاً محال ہے)۔

قطب عالم نے فرمایا کہ جب سالک اس مقام پر پہنچتا ہے تو اپنی ذات کو فراموش کر دیتا ہے۔ بعضے (اس مقام کی تجلیات کو دیکھ کر) ضبط کرتے ہیں اور بعضے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ضبط نہیں کر پاتے۔ جس شے پر نگاہ ڈالتے ہیں، اس میں محبوب حقیقی کو جلوہ گر دیکھ کر اسے سجدہ کرتے ہیں۔ عام لوگ (ان باتوں سے) انھیں دیوانہ خیال کرتے ہیں اور وہ بے اختیاری میں بلکہ قصداً خود بھی دیوانگی کے کوچے میں ڈیرہ ڈال دیتے ہیں۔

خرد کہ رونق دیوانہ گاں پدید آید

بصد بہانہ در آورد خویش را بہ جنون

(جب دیوانوں کی رونق کی گرم بازاری ہوئی تو عقل سو طرح کے بہانے کر کے دیوانگی سے جا ملی)۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا: لایکمل ایمان المرء حتی یقول الناس انه مجنون یعنی کسی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک عام لوگ (اسے دیکھ کر) نہ کہیں یہ تو دیوانہ ہے۔

منقول ہے کہ یہ مجازی عالم سائے کی مانند ہے۔ اس کو کافی سمجھنا اور اس پر فریفتہ ہونا، غرور کی ابتدا ہے۔

اس بات کی مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا، دنیا واحت ہے اور اس میں راحت نہیں ہے۔ واحت اس گھروندے کو کہتے ہیں جو بچے مٹی یا ریت سے بناتے ہیں۔

فصل۔ گفتگو کے درمیان یہ کہا گیا کہ پہلے ذکر لسانی ہے، پھر ذکر قلبی ہے، اس کے بعد جس کا ذکر کیا جائے اس کا غالب ہونا اور ذکر کرنے والے کی ہستی کا مٹ جانا ہے۔ یہ تمام باتیں نیک اعمال اور بلند احوال کا نتیجہ ہیں۔

قطب عالم نے فرمایا کہ ذکر کے بھی درجات ہیں:

پہلا درجہ ذاکر کا ذکر پر غالب ہونا ہے۔

دوسرا ذکر کا ذاکر پر غالب ہونا ہے۔

تیسرا ذاکر کا مذکور کے مشاہدے میں کھو جانا۔

چوتھا ذاکر کا مذکور کی ہستی میں فنا ہو جانا۔

اس کی صورت یہ ہے کہ ذاکر کو ذکر سے کوئی تکلیف نہ ہو اور بے اختیار ذکر اس کی زبان پر جاری ہو جائے، پھر اسے ذکر سے محبت ہو جائے اور اس کے دل کو اطمینان حاصل ہو۔ یہ ذاکر پر ذکر کا غالب ہونا ہے۔

اس کے بعد ذاکر کا مذکور کے شہود میں استغراق ہے، یعنی ذاکر کثرت ذکر سے ذکر میں اتنا مستغرق ہو جائے کہ اس کی نظر میں تمام موجودات "لاالہ" کی قینچی سے قطع اور معدوم ہو جائیں اور سوائے مذکور یعنی حق تعالی کے کوئی شے اس کے مشاہدے میں نہ آئے اور "میں سوائے حق تعالی کے کوئی شے نہیں دیکھتا" صحیح ثابت ہو۔

جب ذاکر اس حد تک مستغرق ہو جاتا ہے اور اس کی ہستی مذکور کے وجود میں نیست اور ناپید ہو جاتی ہے تو اس مقام میں ذاکر کی فنا مذکور میں حاصل ہوتی ہے۔ نشاط قرب کی محفل میں غیر کو مخل ہونے کی مجال نہیں ہوتی۔ پھر ذاکر میں مذکور کے اوصاف عکس فگن ہوتے ہیں۔ ذاکر سے ذکر بھی لے لیا جاتا ہے اور ذکر و ذاکر دونوں محو ہو جاتے ہیں۔

(یہاں عبارت میں ابہام تھا اور مطلب غیر واضح)

اس سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا کہ سالک کو چاہیے کہ خدا سے سوائے خدا کے (کچھ) نہ مانگے اور سوائے خدا کی طلب کے کوئی اور طلب بھی نہ رکھے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ رابعہ بصری نے مناجات کی، بارالہا! اگر رابعہ نے

تیری عبادت دوزخ کے خوف سے کی ہے تو اسے دوزخ کی آگ میں جلانا، اگر رابعہ نے بہشت کی آرزو میں تیری پرستش کی ہے تو اسے بہشت میں داخل نہ کرنا اور اگر رابعہ نے تیری عبادت تیرے ہی لیے کی ہے تو اسے اپنے حسن لازوال سے محروم نہ کرنا۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا کہ عشق "آمدنی" بھی ہے اور "آوردنی" بھی۔ اس سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا، آمدنی عشق وہ ہے کہ حق سبحانہ تعالی بندے کے اختیار اور کوشش کے بغیر بندے کو اپنا عاشق و شیدا بناتا ہے اور اپنا جذبہ اسے عطا کرتا ہے۔ اذا احب الله عبده اعشقه و عشق علیه (جب حق تعالی اپنے بندے کو دوست رکھتا ہے تو اسے اپنا عاشق بناتا ہے، پھر خود اس سے محبت کرنے لگتا ہے)۔

آوردنی عشق یہ ہے کہ بندہ اپنے ارادے اور کوشش سے حق تعالی کی محبت حاصل کرتا ہے۔ اس کی صورت یہ ہے کہ پہلے خانہ دل کو درست کرے پھر انتظار کرے۔

روب خانہ و درت شاہ بخرگاہ آید

(جب صفائی کرنے والا صفائی کر کے چلا جاتا ہے تو بادشاہ خیمے میں آتا ہے)۔

سالک کے لیے چند شرطیں

فصل۔ صاحب رسالہ مکیہ کہتے ہیں، سلوک کو درست کرنے کی ذمہ داری معین کردہ شیخ پر ہے۔ استاذ طریقت شیخ ابو القاسم جنید نے حصول مقصود کے لیے جو نزدیک ترین راہیں مقرر فرمائی ہیں وہ یہ آٹھ شرطیں ہیں۔

سالک کے لیے آٹھ شرطوں میں پہلی شرط دوام وضو ہے کہ ہمیشہ باوضو رہے۔ بے وضو ہونے کی منافقت نہ کرے، یعنی تھوڑی دیر کے لیے بھی بے وضو نہ رہے، کیونکہ جو شخص باوضو رہتا ہے وہ کسی مصیبت میں مبتلا نہیں ہوتا، پس سالک کے لیے ضروری ہے کہ ہمیشہ باوضو رہے بلکہ ایک لحہ بھی بے وضو نہ رہے، تاکہ اسے دشمن لعین سے چھٹکارا مل سکے۔

اس سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ میں

نے اپنے رب جل جلالہ سے سنا کہ فرمایا، جس شخص کا وضو ٹوٹ جائے، وہ وضو نہ کرے اور دو رکعت نماز ادا نہ کرے، اس نے ظلم کیا، نیز جس شخص کا وضو ٹوٹ جائے، وہ وضو نہ کرے اور دو رکعت نماز ادا نہ کرے، اس نے ظلم کیا، نیز جس شخص کا وضو ٹوٹ جائے، وہ وضو نہ کرے اور دو رکعت نماز نہ پڑھے اور رسول پر درود نہ بھیجے اس نے ظلم کیا، اور جس شخص کا وضو نہ رہے، وہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور درود پڑھے دعا نہ کرے، اس نے ظلم کیا، اگر اس نے دعا مانگی اور میں نے قبول نہ کی تو میرا ظلم ہو گا اور میں جفا کرنے والا رب نہیں ہوں۔

رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ وضو مومن کا ہتھیار ہے اور وضو پر وضو گویا نورعلی نور ہے۔ آپ نے دین کی اساس پاکیزگی پر رکھی ہے۔ وضو کو نماز کی کنجی فرمایا ہے اور صفائی کو نصف ایمان کہا ہے۔ جب کسی کو پانی نہ ملے، وہ پانی ملنے تک تیمم کرتا رہے۔ بغیر طہارت کاملہ کے کھانا، پینا، بات چیت کرنا اور سونا نہیں چاہیے۔ اس طہارت ظاہری کی برکت سے باطنی طہارت اور دل کی سلامتی حاصل ہو جائے گی۔ (قیامت کے دن) سوائے اس شخص کے جو قلب سلیم کے ساتھ ہو گا کسی کو بارگاہ صمدیت میں داخل ہونے کی اجازت نہ ملے گی۔

موضوع کی مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا، اگر کوئی شخص بغیر وضو کے کھانا کھاتا ہے یا پانی پیتا ہے تو شیطان اس عمل میں اس کا شریک ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ جس کھانے میں شیطان شریک ہو، اس کھانے سے باطنی طہارت کس طرح پیدا ہو سکتی ہے اور قلب کیسے سلامت رہ سکتا ہے۔

حضرت قطب عالم کی عادت تھی کہ جب کچھ کھانے کی خواہش ہوتی تو باوجود وضو ہونے کے تجدید وضو کرتے۔ اس سلسلے میں آپ نے فرمایا کہ جو کھانا باوضو کھایا جاتا ہے وہ پیٹ میں پہنچ کر تسبیح کرتا ہے اور دل کو منور کر دیتا ہے۔ عبادت میں

کاہلی پیدا نہیں کرتا۔ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو پھر وضو کرتے۔ اس باب میں فرمایا کہ کھانے سے فارغ ہو کر جو وضو کیا جاتا ہے، اس وضو سے کھانے کی گرانی جاتی رہتی ہے اور نور پر نور پیدا ہوتا ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ رسول علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو بندہ وضو کر کے سوتا ہے اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ پس اس بندے کو سوئے ہوئے ایک ساعت بھی نہیں گزرتی کہ وہ فرشتہ بار گاہ الٰہی میں درخواست کرتا ہے، بارالٰہا! اس بندے کی مغفرت فرما کہ یہ باوضو سویا ہے۔

قطب عالم نے یہ بھی فرمایا کہ حدیث میں ہے، رسول کریم علیہ السلام نے فرمایا، جو بندہ باوضو سوتا ہے اس کی روح کو حکم دیا جاتا ہے کہ عرش کا طواف کرے اور اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ صوفی کو بے وضو ایک کروٹ سے دوسری کروٹ لینا حرام ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اسی وقت موت آپہنچے اور اس کی روح بے وضو ہونے کی حالت میں جسم سے نکلے۔ بے وضو موت بہت بڑا عذاب ہے اور باوضو مرنا نعمت جاوید ہے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ شریعت میں وضو فرض ہے، واجب ہے اور مستحب ہے۔ فرض تو نماز، نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کے لیے ہے۔ واجب طواف کعبہ اور اسی نوع کی عبادات کے لیے ہے۔ سونے سے پہلے اور غیبت کرنے، جھوٹ بولنے، بے ہودہ باتیں کرنے، قہقہہ لگانے اور لایعنی کام کے بعد وضو کرنا مستحب ہے۔ وضو پر وضو اور اسی طرح کے کاموں کے لیے بھی وضو کرنا مستحب ہے۔

فصل۔ سالک کے لیے شرائط ثمانیہ میں سے دوسری شرط یہ ہے، ہمیشہ روزہ رکھنا اور افطار کے وقت کم کھانا، اس حیثیت سے کہ سالک کو بھوک نقصان نہ پہنچائے

اور نہ پیٹ بھرا ہونے کے سبب معدہ گرانی کرے، صرف اتنا کھائے کہ اس غذا سے جسم بحال رہے۔ سالک کو دونوں ناپسندیدہ باتوں سے پرہیز کرنا چاہیے کہ یہ افراط و تفریط ہے، یعنی کھانے میں حد سے تجاوز نہ کرے اور بہت زیادہ نہ کھائے۔ نہ کھانے میں بہت زیادہ کمی کرے یعنی غذا بالکل ترک نہ کرے تاکہ کمزور نہ ہو۔ مقصود یہ ہے کہ افطار کے وقت اس قدر کم بھی نہ کھائے کہ بھوک تنگی پیدا کرے اور مشغولیت کے وقت کو تشویش میں ڈالے، نہ اتنا زیادہ کھائے کہ معدے میں گرانی پیدا ہو کہ عبادت سے باز رکھے اور سستی مسلط کر دے۔

سالک کو چاہیے کہ کوشش کرکے بھوک برداشت کرے اور بتدریج کھانا کم کرے، اس لیے کہ تمام عبادتوں کا راز بھوکا رہنے میں ہے۔ جب تک سالک بھوکا نہ رہے گا، نفس کی برائی اور حرص و ہوا سے چھٹکارا نہ پاسکے گا، نہ باریکی کے ساتھ یہ راہ طے کر پائے گا اور نہ خدائے قدوس کی بارگاہ کے لائق بن سکے گا۔

شیخ قوام الحق والدین فرماتے ہیں کہ شیخ نجم الدین کبری نے فرمایا ہے کہ جو شخص ابدی زندگی کی حرص رکھتا ہے، وہ موجل موت سے پہلے ان چار معجل موتوں سے گزرے۔ دائمی فقر، دائمی صبر، دائمی بھوک اور لباس تکبر سے عاری ہونا۔

قطب عالم نے فرمایا کہ ایک روز حضرت یحییٰ علیہ السلام سے شیطان کی ملاقات ہوئی۔ شیطان کے پاس بے شمار کمندیں تھیں۔ حضرت یحییٰ نے اس سے دریافت فرمایا کہ یہ کمندیں کیا ہیں۔ شیطان نے جواب دیا کہ یہ شہوتیں ہیں، جن سے میں اولاد آدم کا شکار کرتا ہوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے پھر دریافت فرمایا کیا یہ ہوسکتا ہے کہ تو ان شہوات میں سے کسی شہوت کے ذریعے مجھے گرفتار کرے۔ شیطان نے جواب دیا، (فی الحال) نہیں، البتہ اس رات جب آپ پیٹ بھر کے کھانا کھائیں تو میں نماز اور ذکر سے آپ کو باز رکھ سکتا ہوں۔ حضرت یحییٰ نے فرمایا کہ آج کے بعد میں کسی طرح بھی

پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھاؤں گا۔ شیطان نے کہا کہ میں بھی آج کے بعد کسی کو یہ فائدہ مند بات نہیں بتلاؤں گا۔

منقول ہے (مجلس میں) ذکر آ گیا، عبادت کے لیے غذا کی مقدار یہ ہے کہ حلال کھانا بھوک سے کم کھایا جائے۔ حلال کھانا وہ ہے جس کے حلال ہونے کا فتوی شریعت دے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ ایک روز (بادشاہ کے خادم) ایک بزرگ کو تمام تر آرزوؤں سے بادشاہ کے دستر خوان پر لے آئے۔ جب کھانا دستر خوان پر چن دیا گیا تو ان بزرگ نے ایک نان اپنی آستین سے نکالی اور کھانا شروع کر دیا۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ کھانا ہم نے حلال مال سے تیار کرایا ہے آپ اس میں سے کھائیں۔ بزرگ نے فرمایا، واللہ اعلم، اگرچہ کھانا حلال ہی ہو گا لیکن میرا دل تسلیم نہیں کر رہا ہے۔ بادشاہ نے صاحب امر کی حیثیت سے کہا، جب میں کہہ رہا ہوں کہ کھانا حلال ہے تو آپ کیوں نہیں کھاتے۔ ہمارا کھانا کھانے سے آپ کا ایمان رخصت نہیں ہو گا۔ بزرگ نے جواب دیا کہ میں یہ جانتا ہوں کہ ایمان نہیں جائے گا لیکن ایمان کی حلاوت چلی جائے گی۔

فصل۔ سالک کے لیے شرائط ثمانیہ کی تیسری شرط دوام خاموشی ہے۔ سوائے اللہ تعالی کے ذکر کے ہمیشہ خاموش رہنا، سالک کو یہ دوام خاموشی ہر اس چیز سے اختیار کرنی چاہیے جو لایعنی ہو، جو نفع نہ پہنچائے خواہ وہ قول ہو، عمل ہو، یا فکر ہو۔ جب تک سالک کا قول، عمل یا فکر نفع بخش نہ ہو خاموش رہنا چاہیے۔ فکل نطق لایکون فی ذکر اللہ فھو لغو (پس تمام گفتگو جس میں اللہ تعالی کا ذکر نہ ہو لایعنی ہوتی ہے)۔

قطب عالم شیخ مینا نے فرمایا، ایک بزرگ نے اپنے کسی مرید کو خرقہ خلافت دینا چاہا تاکہ وہ ارشاد و دعوت کا فرض انجام دے۔ اس بزرگ نے چند دوسرے بزرگوں کو جمع کیا تاکہ ان کی موجودگی میں اس مرید کو خرقہ پہنائیں۔ اس وقت موسم گرما تھا

اور لو چل رہی تھی۔ اچانک مرید کی زبان سے نکلا کہ گرمی بہت زیادہ ہے۔ تمام بزرگ جو وہاں جمع تھے ایک دم اٹھ کھڑے ہو گئے اور بولے، یہ شخص اس کام کا اہل نہیں ہو سکتا، یہ ایسی فضول باتیں کرتا ہے جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ شیخ سعدی شیرازی فرماتے ہیں:

تامل بکردن خطا و صواب
بہ از ژاژ گویان حاضر جواب
کمال است در نفس انساں سخن
تو خود را بگفتار ناقص مکن

(اے مخاطب! غلط اور درست بات میں تامل کرنا حاضر جوابوں کی یاوہ گوئی سے بہتر ہے۔ انسان کی ذات میں گویائی ایک کمال ہے، تو فضول باتوں سے اپنے آپ کو ناقص نہ بنا)۔

فصل۔ سالک کے لیے شرائط ثمانیہ کی چوتھی شرط دوام خلوت ہے، اور وہ ہے باطنی حواس کی کشایش کے لیے ظاہری حواس کا بند کرنا، حتیٰ کہ سالک بیداری میں ایسی چیز کا مشاہدہ کرے جو اس کے علاوہ بھی نیند میں دیکھتا ہے (یہ بالکل اس اصول کے مطابق ہوتا ہے کہ) ظاہری حواس کا بند کرنا، باطنی حواس کے کھلنے کی شرط ہے۔ تمھیں یہ بات معلوم ہے کہ تم بیداری میں کچھ نہیں دیکھتے، لیکن جب سوتے ہو تو بہت سی باتیں دیکھتے ہو (کیونکہ نیند میں باطنی حواس جاگ جاتے ہیں) اسی طرح جب تم بیداری میں اپنے اوپر ظاہری حواس کے راستے بند کر لیتے ہو (بیداری کی حالت ہی میں) غیب سے دوسرے حواس کھل جاتے ہیں۔

قطب عالم جو اس راہ کے راہ رو تھے بار بار یہ شعر پڑھتے تھے:

لب بہ بند و چشم بند و گوش بند
گر نہ بینی سرِ حق بر ما بخند

(اے مخاطب اپنے ہونٹ، آنکھ اور کان بند کرے، اگر تجھے اسرار الٰہیہ نظر نہ آئیں تو بے شک ہماری ہنسی اڑانا)۔

آپ نے یہ بھی فرمایا، دین کی راہ پر چلنے اور یقین کے مقامات حاصل کرنے کا یہ طریقہ مقرر کیا گیا ہے کہ خلوت، گوشہ گیری اور مخلوق سے بے تعلقی اختیار کی جائے۔ تمام انبیا و اولیا نے ابتدائے حال میں خلوت اختیار کی، اس کے بعد منزل مقصود پر پہنچے۔

یہ بھی ارشاد ہوا کہ جب سالک اپنی خلوت گاہ سے نماز باجماعت کے لیے وضو کرنے باہر نکلے، اسے چاہیے کہ اپنی نگاہ سامنے رکھے۔ دائیں بائیں نہ دیکھے۔ دل اور زبان کو ذکر الٰہی میں مشغول رکھے تاکہ توجہ منتشر نہ ہو اور دل پراگندہ نہ ہو۔ جب نماز جمعہ کے لیے نکلے تو زوال آفتاب کے بعد نکلے۔

اگر فرض اور سنت نماز ادا کرنے کے بعد اکثر مسجد میں رہے تو اس سے خلوت اور اعتکاف باطل نہ ہوں گے۔ البتہ ادائے سنت کے بعد مسجد میں دیر تک رکنا مستحب نہیں ہے۔

منقول ہے (مجلس میں) ذکر آ گیا کہ سالک اپنے نفس کو اس قدر ریاضت میں ڈالے کہ اسے ادب، تواضع، ذلت، انکسار، عاجزی اور حق تعالیٰ سے عاجزی کرنے اور گڑگڑانے کی عادت ہو جائے۔ کیونکہ عادت خیر بھی ہوتی ہے اور شر بھی۔

قطب عالم نے فرمایا کہ نفس پلید کی تمام خصلتیں ناپسندیدہ ہیں لیکن اس کی ایک خصلت پسندیدہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اسے جو عادت ڈالیں اسے اختیار کر لیتا ہے اور اس عادت کا غلام ہو جاتا ہے حتیٰ کہ کافی عرصے تک خلاف عادت کام کی مخالفت کرتا ہے۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا کہ سالک کو دنیا کی محبت سے بے تعلق

ہونا چاہیے کہ حب الدنیا راس کل خطیئۃ ، یعنی تمام گناہوں کی اصل دنیا کی محبت ہے۔ سالک کو جاہ و مال کی محبت سے بھی اعراض کرنا چاہیے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ دنیاوی قدر و منزلت کی محبت ایسی بری چیز ہے کہ صدیقین جو مقام صدیقیت تک پہنچے ہیں وہ بھی اسے دور کرنے سے عاجز رہے ہیں کہ صدیقین کے سر سے جو چیز سب سے بعد میں نکلتی ہے، وہ حب جاہ ہے۔

شیخ قوام الملۃ والدین فرماتے ہیں کہ شیخ احمد غزالی (امام محمد الغزالی کے بھائی) نے فرمایا ہے کہ صاحب ... کو لازم ہے کہ طلب کی چوگان کو ہاتھ میں لے اور نیازمندی کی گیند پر مارے۔ کبھی نیازمندی کی گیند آسمان پر، کبھی لوح پر، کبھی قلم پر، کبھی بلندی پر اور کبھی زمین کے اندر پھینکے تا کہ ایک ہی بار سعادت کے ساتھ باہر نکلے اور پردہ عزت پر گرے۔ (یہاں عبارت میں رمز و کنایہ کی وجہ سے ابہام تھا)۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا، خدائے تعالی اس بندے کو دوست رکھتا ہے جو خلق سے بے نیاز ہو بلکہ "خدا سے بھی" (اپنی حاجت بیان نہ کرے، حضرت ایوب نے عرض کیا تھا خدایا! مجھے دکھوں نے گھیر لیا ہے اور آپ "ارحم الراحمین" ہیں آپ نے یہ التجا نہیں کی کہ خدایا میرے دکھوں کو دور فرما۔ اس لیے کہ ادب کا تقاضا یہی تھا، جیسا کہ اصحاب معرفت نے لکھا ہے)۔

اس کی مناسبت سے شیخ مینا نے فرمایا، ہر چند سالک محتاج ہو لیکن متقی و پارسا ہو۔ اپنی محتاجی کو چھپائے اور لوگوں پر اسے ظاہر نہ کرے۔ خواہش نفس کے ہاتھوں اپنے آپ کو لوگوں کے سامنے ذلیل نہ کرے۔ اپنی محتاجی کو عزیز جانے۔ ظاہری ذلت سے غم زدہ اور پراگندہ نہ ہو، کیونکہ اسی خواری میں تمام عزت ہے اور اسی بے سروسامانی میں سروسامان ہے، بلکہ جاہ و مال رکھنے والوں اور اہل عزت کے سامنے یہ شعر اپنے لہجے میں پڑھے اور جس طرح کتے ہنکائے جاتے ہیں انھیں ہنکاوے۔

فقر ظاہر مبین تو حافظ را

سینہ گنجینہ محبت اوست

(اے دوست ! تم حافظ کی ظاہری بے نوائی پر نہ جاؤ (کیونکہ) اس کا سینہ حق تعالی کی محبت کا خزانہ ہے)۔

منقول ہے (مجلس میں) ذکر آ گیا کہ جو گروہ راہ سے بالکل واقف نہیں ہے، نہ اس راہ میں اس نے قدم رکھا ہے، نہ اس میں سفر کی استعداد ہے، نہ من پسند چیزوں کو ترک کرنے کی تلخی کو چکھا ہے، نہ اپنی خودی کو مٹایا ہے وہ کس طرح (لوگوں کی) رہنمائی اور پیشوائی کا اہل ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر شیخ قوام الحق والدین نے فرمایا ہے کہ طالب کو چاہیے کہ اپنے دعوی کمال پر (یہاں عبارت میں ابہام ہے) جسے گمراہ کن کہا جاتا ہے غور و فکر کرے اور ہوا و ہوس کے زیر اثر ہادی اور شیخ نہ بن بیٹھے تاکہ اس فاسد کے سبب جو قطعی طور پر کتاب و سنت کے خلاف ہے فاسق اور گنہگار نہ بنے، نہ اس گناہ پر اصرار کرے۔

سبحان اللہ ! اگر ایک جاہل شخص کسی وزیر کے جلوس کی شان دیکھ کر اسے بادشاہ خیال کرے تو اہل عقل اس کی ناسمجھی پر ہنسیں گے اور اس کی بات کی تصدیق نہ کریں گے۔ شاہان حقیقی اولیا جو خاصان خدا ہیں، ان کے ہوتے ہوئے یہ بات کس طرح روا رکھی جا سکتی ہے کہ ایک گنہگار کو جنید و بایزید کی مثل سمجھیں اور اسے اللہ تعالی کی طرف بلانے والا اور ہدایت کرنے والا شمار کریں۔

منقول ہے، ذکر آ گیا کہ جس شخص کا دل منتشر رہتا ہے، وہ ان کاموں کو جن کے کرنے کا حکم دیا گیا ہے پوری طرح انجام دینے سے قاصر رہتا ہے۔

اس مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا، پراگندہ دل شخص سے کوئی کام بھی انجام نہیں پاتا اور اس میں جو رمز ہے اس سے بھی کبھی آشنا نہیں ہوتا۔ مرد کو لازم

ہے (کہ سب طرف سے توجہ ہٹا کر) یک سو، یک ہمت اور یک قبلہ ہو جائے۔ جو بات بھی دوست سے باز رکھے خواہ وہ نیک ہو یا بد اس سے پرہیز کرے اور اسے راہ زن تصور کرے کہ ماشغلک عن اللہ فھو ذم (جو چیز تمھیں حق تعالی سے دور کرے یا بے خبر رکھے، تو وہ ناپسندیدہ بات ہے)۔

بہرچہ از راہ افتی چہ کفراں راہ چہ ایماں

بہرچہ از دوست دانی چہ زشت آں نقش چہ زیبا

(جو کچھ راہ میں آئے کفر ہو یا ایمان (قبول کرے) نقش بدصورت ہو یا خوبصورت جو کچھ ہے دوست کا پیدا کیا ہوا ہے (اس سے اعراض نہ کرے)۔

رسالہ مکیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ آں حضرت صلعم نے فرمایا اخلص اللہ اربعین صباحاً ظھرت ینابیع الحکمۃ من قلبہ علی لسانہ، یعنی آپ نے فرمایا، جو شخص چالیس دن تک اللہ تعالی کے ساتھ مخلص رہا، حکمت کے چشمے اس کے دل سے (پھوٹ کر) اس کی زبان پر رواں ہوں گے۔

اس مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا، جب کوئی درویش حق تعالی کی بار گاہ میں قبول کر لیا جاتا ہے تو اس کی زبان پر حکمت کے سوتے پھوٹتے ہیں، یعنی جو بات اس کی زبان سے نکلتی ہے وہ یقیناً تمام حق اور درست ہوتی ہے۔ اس کی کہی ہوئی بات رد نہیں ہوتی، جیسا کہ ایک بزرگ نے فرمایا ہے:

رفتم در درویشاں ناحق طلبم زایشاں

آں جاہمہ حق دیدم حق جانب درویشاں

(میں درویشوں کے ہاں حاضر ہوا، اور ان سے ناحق کا طلب گار ہوا، لیکن میں نے وہاں تمام تر حق دیکھا۔ واقعی حق درویشوں کی طرف ہے)۔

رسالہ مکیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے قل ان کنتم تحبون

اللہ فاتبعونی یحبیکم اللہ و یغفر لکم ذنوبکم، یعنی اے پیغمبر! آپ فرما دیجیے کہ اگر تم خدائے تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو تو تم لوگ میرا اتباع کرو، خدائے تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے (سورۃ آل عمران، آیت ۳۱)۔

(تفسیر) مدارک کے مصنف اس آیت کے سلسلے میں کہتے ہیں، من ادعی محبۃ اللہ و خالف سنۃ رسول اللہ فھو کذاب و کتاب اللہ یکذبہ، یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے خلاف عمل کرتا ہے وہ جھوٹا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی کتاب اس کی تکذیب کرتی ہے۔

اس مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا، محبت کی ایک علامت یہ ہے کہ (محبوب کے) سوا دوسرے کی صحبت زہر قاتل محسوس ہوتی ہے اور غیر سے ملنا جلنا قطعاً اچھا نہیں لگتا۔ محبت کرنے والا ہمیشہ مغموم اور ماتم زدہ رہتا ہے۔ اور دوست سے جدائی کے سبب بے قرار و بے آرام نظر آتا ہے۔ بعدازاں آپ نے یہ شعر پڑھا:

ہر غم زدہ قامتے محبوب کہ دیدم

خاکے بسر انداختہ دستے بہ کمرہا

(میں نے قامت یار کے جس غم زدہ کو دیکھا، اس نے سر پر خاک ڈالی ہوئی تھی اور افسردہ و نڈھال تھا)۔

مخلوق کے فائدے کی باتیں

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا کہ مخلوق کے فائدے کی بہت سی باتیں ہیں، جن میں بعض نفع دینے والی باتیں یہ ہیں۔ پاک صاف رہنا، ہمیشہ قلبی و لسانی ذکر میں مشغول رہنا، کثرت سے تلاوت کرنا، ہمیشہ روزہ رکھنا، ہمیشہ زبان اور تمام حواس کو بے ہودہ باتوں سے محفوظ رکھنا، ہمیشہ اول وقت جماعت سے نماز پڑھنا اور ہمیشہ نماز جمعہ کا اہتمام کرنا کیونکہ یہ امور جو اوپر بیان کیے گئے ہیں، اہل خلوت کے کام میں مدد دیتے ہیں اور آسانی پیدا کرتے ہیں، اس لیے کہ خلوت کا مفہوم ہی یہ ہے کہ اپنے نفس کو یک

قلم حق تعالی کی طرف پھیر لیا جائے تا کہ حق تعالی کے سوا سالک کا کوئی مقصود و منظور نہ رہے اور وہ اس درجہ شرعی حدود کی پاس داری کرے کہ اس کا کوئی عمل احکام شرعیہ کے خلاف نہ ہو اور نہ سنت کا کوئی عمل اس سے ترک ہو۔ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ اسی کے مطابق عمل پیرا تھے۔ آپ نے اس باب میں یہاں تک فرمایا کہ مریدین سردی کے موسم میں بھی بروز جمعہ غسل کریں یعنی مصطفے علیہ السلام کی کوئی سنت ترک نہ کریں۔

قطب عالم اہل خلوت کو نماز با جماعت کی حفاظت کے لیے بے حد تاکید کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ اگر نماز با جماعت کی ادائگی کے لیے، خلوت گاہ سے باہر نکلنے کے سبب کسی کے دل میں انتشار پیدا ہوتا ہے تو وہ نماز کے وقت کسی دوسرے شخص کو بلالے اور اس کے ساتھ نماز ادا کرے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے بعض اہل خلوت کو دیکھا ہے کہ جب وہ پراگندگی کے باعث باہر نہیں نکلے اور جماعت کے بغیر اپنی خلوت گاہ میں نمازیں ادا کیں تو اس نحوست کی وجہ سے ان کی عقل اور مزاج میں فتور پیدا ہو گیا۔ پس نماز با جماعت بہت اہمیت رکھتی ہے۔

(علاوہ ازیں) جب کوئی اہل خلوت کسی کام سے باہر نکلے تو اسے چاہیے کہ ذکر جاری رکھے اور راستے میں بھی ذکر کرتا رہے۔ دائیں بائیں نہ دیکھے۔ اس اثنا میں اگر کوئی آواز سنائی دے تو اس کی طرف مطلق دھیان نہ دے۔ اس بات کی کوشش کرے کہ نماز با جماعت ادا کرنے کے لیے ایسے وقت باہر نکلے جب تکبیر تحریمہ کہی جا رہی ہو اور امام کے سلام پھیرنے کے بعد فوراً اپنی خلوت گاہ کو روانہ ہو جائے تا کہ پریشانی میں مبتلا نہ ہو۔

شیخ قوام الحق والدین تحریر فرماتے ہیں کہ خلوت طاعت کا سمندر ہے۔ صاحب

عزم سالک کے دل میں حقیقت کے جو موتی بنتے ہیں وہ اس سمندر کے علاوہ کہیں پیدا نہیں ہوتے، لیکن شرط یہ ہے کہ آں حضرت صلعم سے نسبت قائم رہے اور یہ کام علم شریعت کے عین مطابق اللہ کے لیے ہو۔

شیخ محمود اشنوی کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ جب انھوں نے شیخ محمد گھرزنی نامی مرید کو وطن جانے کے لیے رخصت کیا تو انھیں وصیت کی کہ جب تم وطن پہنچ جاؤ تو سوائے ذکر و خلوت کے کسی کام یں مشغول نہ ہونا۔ یشخ محمد نے عرض کیا، اے یشخ کیا مجھے اس بات کی اجازت ہے کہ میں اپنے کسی مسلمان بھائی کی مدد کروں کہ اسے راحت حاصل ہو؟ یشخ محمود اشنوی نے جیسے ہی مرید کی یہ بات سنی تو سر جھکا کر سوچ میں پڑ گئے۔ چند لحوں کے بعد یشخ نے سر اٹھایا اور فرمایا کہ مجھے اس شخص کی حالت پر حیرت ہے جس کے جسم میں زہریلے سانپ کا زہر سرایت کر چکا ہے لیکن وہ چاہتا ہے کہ دوسرے کے پیر میں چبھا ہوا کانٹا نکالے۔

قطب عالم اکثر یہ شعر پڑھتے تھے؛

بقیمت تو ورائے دو جہانی

چہ کنم قدر خود نمی دانی

(تو قیمت میں دونوں جہان سے زیادہ ہے، میں کیا کروں تو خود اپنی حیثیت سے واقف نہیں ہے)۔

ایک (مجلس میں) بیان کیا گیا کہ دل کی بے نوری و ویرانی اور حق تعالی کے جلال و جمال کی عظمت کے مشاہدے سے محرومی کا سبب یہ ہے کہ شیطانی وسوسے اور نفسانی خیالات دل پر غالب آجاتے ہیں اور حق تعالی سے دوری ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ماسوی اللہ کی جانب توجہ کا مرکوز ہونا بھی (اس بدبختی کا) سبب ہے۔

قطب عالم یشخ مینا نے بارہا یہ فرمایا کہ حق تعالی کے سوا کسی ہستی کا خیال اور

فکر، دل کو بے حیثیت اور مٹی کر کے رکھ دیتا ہے۔

ارشاد باری تعالی ہے :ومن یعش عن ذکر الرحمن نقیض له شیطناً فهوله قرین (زخرف : ۳۶) (اور جو شخص اللہ کی یاد سے اندھا بن جائے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ (ہر وقت) اس کے ساتھ رہتا ہے)۔

رسالہ مکیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے ،ومن کان فی هذه اعمی فهو فی الآخرة اعمی (بنی اسرائیل : ۷۲) (اور جو شخص دنیا میں اندھا ہے، سو وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا)۔ مطلب یہ ہے کہ جو آدمی یہاں بصیرت سے محروم ہے (حق پرستی سے دور ہے) وہ وہاں بھی بصیرت سے محروم اور اندھا ہو گا۔

تا ترا دل بستگی با ایں جہاں

جانب حق باشد از چشمت نہاں

(جب تک تجھے اس دنیا سے تعلق رہے گا، تیری نظر سے حق پوشیدہ رہے گا)۔

ہر کہ اعمی ہست در دنیا ز حق

ہم چناں اعمی است در عقبیٰ ز حق

(جو شخص اس دنیا میں حق کے مشاہدے سے محروم رہا، آخرت میں بھی مشاہدہ حق کی صلاحیت سے عاری ہو گا)۔

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دوں

ایں خیالست و محال ست و جنوں

(تم خدا کو بھی چاہتے ہو اور دنیائے دوں کے بھی طلب گار ہو، یہ محض گمان ہے، یہ ناممکن ہے، یہ دیوانگی ہے)۔

اجتماع ایں دو نشود ایں بداں

باکسے حاصل نہ گردد این و آں

(یہ جان لے کہ یہ دونوں باتیں ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتیں۔ یہ (یعنی خدا) اور وہ (یعنی دنیا) ایک ساتھ کسی کو حاصل نہیں ہوتے)۔

اسی مناسبت سے شیخ قوام الحق والدین فرماتے ہیں کہ مشائخ طریقت کا ارشاد یہ ہے کہ مرید کو اس حد تک کوشش کرنی چاہیے کہ (اور کچھ نہیں تو) وہ عالم غیب کی ہلکی سی جھلک ہی دیکھ لے۔

سالک کے لیے شرائط ثمانیہ کی پانچویں شرط ہے، حضور قلب کے ساتھ ہمیشہ ذکر لسانی میں مشغول رہنا۔ یہ ذکر آواز بلند کیے بغیر شدید قوت کے ساتھ ہو، اور یہ کیفیت ہو جائے کہ ذکر کا اثر رگ و پے میں سرایت کرتا ہوا محسوس ہو۔

قطب عالم شیخ مینا نے فرمایا، ذکر کرنے والا اس قوت، شدت اور حضور قلب کے ساتھ ذکر کرے کہ اس کے اعضا بھی ذکر کرنے لگیں اور بے تاب ہو جائیں حتی کہ ذکر کی آگ کے پرتو سے اس کا تمام وجود چمک اٹھے۔ ذکر کے وقت لا الہ کہنے میں جلدی نہیں کرنی چاہیے بلکہ (الہ کی) ہ کو لمبا کرے اور الا اللہ کو بھی کھینچ کر کہے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ شرح اورادمیں بیان کیا گیا ہے، رسول علیہ السلام نے فرمایا: جس شخص نے لا الہ کہا اور اس پر قائم رہا، اللہ تعالی اس کے چار ہزار کبیرہ گناہ معاف فرما دیں گے (یہاں صوفی و ملا کے ایک مکالمے کو جو کتاب کے موضوع سے تعلق نہیں رکھتا حذف کر دیا گیا ہے۔)

رسالہ مکیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ اہل طلب اور اہل محبت پر اللہ تعالی کا ذکر فرض ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے: فاذکروا اللہ قیاماً و قعوداً و علی جنوبکم (النسا: ۱۰۳) (اللہ تعالی کی یاد میں لگ جاؤ، کھڑے بھی، بیٹھے بھی اور لیٹے بھی)۔ لفظ اذکروا (ذکر کرو) حکم ہے اور حکم واجب کرنے اور فرض کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالی کا ذکر کرنا قطعاً فرض ہے۔ اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ذکر کھڑے ہونے، بیٹھے

ہونے اور لیٹے ہونے کی حالت میں جائز ہے، جیسا کہ تفسیر درر المعانی میں بیان لیا لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : الذین یذکرون اللہ قیاماً و قعوداً (آل عمران : ۱۹۱) (وہ لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، کھڑے بھی، بیٹھے بھی)۔ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ہر حالت میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے، کیونکہ ہمیشہ تینوں حالتوں میں سے ایک حالت میں تو ہوتے ہی ہیں۔ اور خلاصہ دخانی میں آیا ہے کہ (ادب کے خیال سے) لیٹے ہوئے تسبیح پڑھنا، لا الہ الا اللہ کا ورد کرنا اور رسول کریم علیہ السلام پر درود بھیجنا منع کیا گیا ہے۔ نیز مذکورہ آیت کے مفہوم سے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے، تم جہاں بھی ہو رات دن اللہ تعالیٰ کا ذکرکرو، جس حال میں ہو خواہ سفرکر رہے ہو یا مقیم ہو، خوش حالی میں ہو یا تنگی میں، صحت مند ہو یا بیمار ہو، لوگوں سے چھپا کر یا ان پر ظاہر کر کے تمام حالتوں میں اور ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ رہو۔ غفلت گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔

قطب عالم اس آیت کے حقائق بیان فرماتے رہے۔ جب بیان فرما چکے تو آیت کے مفہوم کے مطابق یہ دوہرہ ارشاد فرمایا جسے سن کر حاضرین مجلس کو بے حد ذوق و شوق حاصل ہوا اور ان کے دل کو تازگی اور فرحت نصیب ہوئی۔ دوہرہ

اوٹھت بیٹھت لیٹت لیجے
بہتے کور، اندھیر نہ کیجے

اٹھے، بیٹھے، لیٹے اللہ کا نام لیتے رہو، جب سانس جاری ہے تو غفلت نہیں کرنی چاہیے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ حدیث میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، بے شک حق تعالیٰ کے بعض فرشتے ایسے ہیں جو ذکر کرنے والوں کی تلاش میں گلیوں اور راستوں کے چکر لگاتے رہتے ہیں۔ سو جب وہ کسی جماعت کو ذکر کرتے ہوئے

دیکھتے ہیں تو ایک دوسرے کو آواز دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اپنے کام کے لیے جلدی کرو۔ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ نے فرمایا، پھر وہ ذکر کرنے والوں کو اپنے پروں سے پکڑتے ہیں، آسمان دنیا تک لے جاتے ہیں اور ایک دوسرے کے ساتھ نیچے آتے ہیں۔ جب ذکر کرتے ہوئے ذکر میں مستغرق ہو جاتے ہیں تو یہ فرشتے آسمان کی طرف پرواز کر جاتے ہیں۔ حق سبحانہ تعالیٰ جو تمام باتوں کے جاننے والے اور ذکر کرنے والوں کے احوال سے اچھی طرح باخبر ہیں، ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ تم کہاں سے آ رہے ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ ہم آپ کے ان بندوں کے پاس سے آ رہے ہیں جو زمین پر (رہتے) ہیں پھر اللہ تعالیٰ جو احوال کو خوب جانتے ہیں، ان سے ذکر کرنے والوں کے بارے میں دریافت کریں گے کہ میرے بندے کیا کہہ رہے ہیں۔ فرشتے جواب دیں گے کہ وہ آپ کر رہے ہیں اور آپ کو پاکی کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔ یعنی لا الہ الا اللہ کہہ رہے ہیں۔ آپ کی تمجید کر رہے ہیں اور آپ کو بزرگی کے ساتھ یاد کرتے ہیں یعنی لاحول ولا قوۃ الا باللہ کا ورد کر رہے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ ان بندوں نے مجھے دیکھا ہے۔ فرشتے جواب میں عرض کریں گے واللہ انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے، اگر وہ مجھ دیکھ لیں تو کیا ہو؟ فرشتے عرض کریں گے بارالہا اگر وہ آپ کو دیکھ لیں تو آپ کی بہت زیادہ عبادت کریں اور آپ کی تمجید و تسبیح (پہلے سے) زیادہ کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ دریافت کریں گے کہ اب وہ مجھ سے کیا مانگ رہے ہیں؟ فرشتے عرض کریں گے بارالہا وہ آپ سے جنت کے طلب گار ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کیا انہوں نے بہشت دیکھی ہے؟ فرشتے عرض کریں گے بخدا انہوں نے بہشت نہیں دیکھی۔ پھر اللہ تعالیٰ دریافت فرمائیں گے اگر وہ بہشت دیکھ لیں تو کیا ہو؟ فرشتے عرض کریں گے اگر وہ بہشت دیکھ لیں تو ان میں بہشت حاصل کرنے کی بہت زیادہ حرص، طلب اور رغبت پیدا ہو گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ معلوم کریں گے کہ وہ کس بات سے پناہ مانگتے ہیں۔ فرشتے جواب میں

عرض کریں گے، بارالہا وہ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں۔ اللہ تعالی فرمائیں گے کیا انھوں نے دوزخ کو دیکھا ہے۔ فرشتے عرض کریں گے، اے رب آپ کی قسم انھوں نے جہنم کی آگ بالکل نہیں دیکھی۔ فرمان ہوگا اگر وہ دوزخ کی آگ دیکھ لیں تو کیا ہوگا؟ فرشتے عرض کریں گے، اگر وہ دوزخ کو دیکھ لیں تو اس آگ سے بچنے کے خیال سے سخت (پرہیز گار) ہو جائیں اور اس آگ کے خوف کی وجہ سے آپ سے مغفرت چاہیں۔ پس اللہ تعالی فرمائیں گے، اے فرشتو! میں تم کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے انھیں بخش دیا۔ فرشتے عرض کریں گے، اے رب! ان ذکر کرنے والوں میں فلاں شخص ہے جو ان میں شامل نہیں ہے، وہ تو اپنی کسی ضرورت سے آیا تھا اور اتفاقاً ان کے ساتھ بیٹھ گیا۔ حق سبحانہ تعالی فرمائیں گے، وہ ایسی جماعت ہیں کہ ان کے ساتھ بیٹھنے والا بے نصیب نہیں رہتا۔ میں نے اسے بھی بخش دیا اور اس کی مغفرت کر دی۔

قطب عالم نے یہ بھی فرمایا کہ جب ذاکر ذکر میں مشغول ہو تو کلمہ لا الہ الا اللہ کے مفہوم کو دل میں محسوس کرے تاکہ دل (اس مشغولیت سے) بے تعلق نہ رہے اور دل و زبان میں موافقت پیدا ہو جائے، پس لازم ہے کہ ذاکر زبان سے لا الہ الا اللہ کہے اور دل میں اسے اس طرح مفہوم کرے، لا موجود الا اللہ، ولا معبود الا اللہ، ولا مقصود الا اللہ، ولا محبوب الا اللہ، لیس کریم الا اللہ، لیس رحیم الا اللہ لیس غفور الا اللہ یعنی اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں ہے، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے، اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں ہے، اللہ کے سوا کوئی محبوب نہیں ہے، اللہ کے سوا کریم نہیں ہے، اللہ کے سوا رحیم نہیں ہے، اللہ کے سوا کوئی بخشنے والا نہیں ہے۔

منقول ہے، بیان کیا گیا کہ ذکر کی بعض شرائط یہ ہیں کہ ذکر کرنے والا آلتی پالتی بیٹھے۔ سوائے ذکر کے دیگر تمام اوقات میں آلتی پالتی بیٹھنا منع ہے، کیونکہ رسول کریم جب نماز فجر ادا فرما لیتے تو اپنی جائے مبارک پر ذکر کرنے کے لیے مربع

تشریف فرما ہوتے، یہاں تک کہ آفتاب طلوع ہو جاتا۔

ذکر کی بعض شرائط میں یہ بھی ہے کہ ذکر کرنے والا قبلے کی طرف منہ کر کے بیٹھے اور دونوں ہاتھ دونوں زانو پر رکھے یا باندھ لے (اگر باندھے تو) اپنی بائیں ہتھیلی سے سیدھے ہاتھ کی پشت کو اس طرح پکڑے کہ بائیں ہاتھ کا انگوٹھا چھپ جاوے اور دائیں ہاتھ کا انگوٹھا دکھائی دے جیسا کہ رسول کریم (صلعم) کرتے تھے۔ اسے امام حلیمی نے اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔

اس محل پر قطب عالم نے فرمایا کہ جب ذکر کرنے والا آلتی پالتی بیٹھے تو دونوں ہاتھ زانو پر رکھے اور دائیں پیر کے انگوٹھے کو رگ کیماس پر رکھے۔ کیماس ایسی رگ ہے جس کا تعلق دل سے ہے، چنانچہ جب ذکر کی قوت کیماس تک پہنچتی ہے تو اندرونی حرارت کو اس سے مدد ملتی ہے۔

قطب عالم ان دو صورتوں سے ہٹ کر جنہیں شیخ قطب الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے، ذکر کی تلقین کے آغاز میں ذاکر کو نشست کا طریقہ بھی تعلیم فرماتے ہیں۔ ذاکر ذکر کے لیے اسی طرح بیٹھتا اور ذکر میں مشغول ہو جاتا، چنانچہ نشست کا یہ طریقہ باطنی حرارت کو مدد پہنچاتا اور اس کا اثر بہت جلد دل میں سرایت کرنے لگتا۔ کچھ عرصے بعد آپ نشست کا دوسرا طریقہ سکھاتے، اس پر عمل کرنے سے ذاکر کا سارا کام اعلیٰ اور بہتر ہو جاتا اور اس پر عالم طیر و سیر (سالک کا ایک مقام سے دوسرے مقام پر فائز ہونا) منکشف ہونے لگتا بلکہ اسے وہاں تک کماحقہ رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔ بلاشبہ مرشد کو ایسا ہی ہونا چاہیے۔

مبتدی کے لیے مذکورہ طریقوں کے مطابق ذکر کی تلقین کے بعد اہم ترین ریاضت شیخ کے ساتھ ربط قلب، پاس انفاس اور نفی خواطر (نفسانی خواہشوں پر قابو پانا) کا مراقبہ ہے۔ قطب عالم جس شخص کو اس ریاضت کے لائق خیال فرماتے اس کو یہ ریاضت

تعلیم فرماتے تھے۔ مذکورہ نشستوں کا طریقہ اور پاس انفاس کا مراقبہ ہر ایک کی تکمیل کے لیے مرشد کی موجودگی ضروری ہے۔ یہ معاملہ انتہائی نازک ہے، قلم اس سے زیادہ لکھنے کی طاقت نہیں رکھتا۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا کہ (ذاکر) لا الہ الا اللہ کی حضور قلب اور اللہ تعالی کی معیت کے احساس کے ساتھ بار بار تکرار کرے۔

اس موقعے پر قطب عالم نے فرمایا کہ ذاکر پر لازم ہے کہ تمام تر حضوری کے ساتھ ذکر کرے اور حق تعالی کو موجود دیکھے۔ اگر یہ مقام حاصل نہ ہو تو باری تعالی کو حاضرو ناظر جانے تاکہ مسلمانی کے دائرے سے خارج نہ ہو۔ یہ ضروری ہے کہ جب ذکر کیا جائے تو ذکر سے غفلت دور رہے کیوں کہ ذکر میں غفلت برتنا ذکر نہ کرنے کی معصیت سے زیادہ شدید ہے۔

شیخ قطب الدین مدمشقی نے فرمایا کہ ذاکر ذکر کی آواز کو پست کرے یعنی جب قوت و شدت کے ساتھ ذکر کرے تو آواز کو پست کرے کہ یہ عمل بھی ذکر کی گرمی کو بڑھانے میں مدد دیتا ہے اور اس کا اثر بہت جلد دل میں سرایت کرتا ہے۔ (دل پر) نفاق کے جو پردے پڑے ہوتے ہیں ان کو جلا دیتا ہے اور وہ نور جو اسم "اللہ" میں جاری و ساری ہے، قلب حقیقی کو منور کرتا ہے۔ قلب حقیقی کے دریچے کو کھول دیتا ہے اور بالآخر قلب کے نور سے تاریک گوشے روشن ہو جاتے ہیں۔ اسی کے ساتھ ذاکر

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا کہ لا الہ کو اپنے قلب کے اندر سے، اس حالت میں کہ وہ تمام نفسانی خیالات کی نفی کرنے والی ہو، انتہائی قوت سے باہر لائے اور ہر نوع کے تعلق کو باطن قلب سے خارج کر دے۔ کوئی خیال نفع بخش ہے یا نقصان دہ اس سے قطع نظر کرے، اور شدید قوت کے ساتھ الا اللہ کو اپنے دل کے اندر اس حالت

میں داخل کرے کہ توجہ حق تعالی کے ساتھ قائم ہو جائے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ "لا الہ" کو بائیں جانب سے شروع کرے اور "لا" کو ناف کی طرف جھکتے ہوئے کھینچے پھر "الہ" کو دائیں چھاتی تک لے جائے اور وہیں سے "الا" شروع کرے اور اسم "اللہ" کو بائیں چھاتی پر جس جانب دل گوشتیں واقع ہے ختم کرے، اس طرح کہ صنوبری شکل کے دل میں اس کی حرارت پہنچے اور اس سے اثر پذیر ہو، سینہ کھل جائے اور دل کو اطمینان حاصل ہو۔

ذکر اور اس کے آداب و شرائط

ذکر کے آداب و شرائط بہت سے ہیں جو سب کے سب رسالہ مکیہ میں بیان کیے گئے ہیں۔ جن صاحب کو جاننے کا شوق ہے، وہ رسالہ مکیہ کا مطالعہ کریں۔ ذکر کے آداب و شرائط پر عمل کیے بغیر ذکر مفید نہیں ہوتا نہ اس کی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔

شیخ قطب الدین دمشقی فرماتے ہیں کہ ذکر کی شرائط میں سے ایک شرط یہ ہے کہ ذکر میں ہمیشہ مشغول رہا جائے۔ تمام اذکار میں افضل ترین ذکر "لا الہ الا اللہ" ہے۔ معرفتہ المریدین اور دلیل السالکین میں بیان کیا گیا ہے کہ طبقات مشائخ میں جو اذکار رائج ہیں وہ تین ہیں:

اول ۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔

دوم ۔ سبحان اللہ والحمد للہ و لا الہ الا اللہ واللہ اکبر۔

سوم ۔ یا حی یا قیوم لیس کمثلہ شئی و ھو السمیع البصیر۔

صدر الحق والدین کے وصایا میں ہے کہ خلوت میں بیٹھ کر مسلسل "لا الہ الا اللہ" کا ذکر کرتے اور محمد رسول اللہ بھی کہتے۔ ذاکر کو ذکر از خود رفتہ کر دیتا ہے، اسی لیے کثرت سے "لا الہ الا اللہ" کی تکرار کرتا ہے اور جب اپنے آپ پر آتا ہے تو محمد رسول اللہ کہتا ہے۔

فتاوی صوفیہ میں آیا ہے کہ شیخ نے اپنی وصیت میں کہا: بے شک اذکار میں

سب سے بہتر ذکر لا الہ الا اللہ ہے بشرطیکہ (طالب نے) اس کا ذکر کیا اور حق تعالیٰ کے قدیم ہونے پر نظر رکھی، پھر اس پر جما رہا اور حق تعالیٰ کے غیر کا انکار کیا۔ ذاکر کو چاہیے کہ لا الہ الا اللہ کے ذکر میں آٹھویں یا دسویں باری میں محمد رسول اللہ کہے۔ اگر ذکر کا ذوق غالب آجائے اور وہ محمد رسول اللہ نہ کہہ سکے تو اس کی یہ کوتاہی اس حکم میں آجائے گی کہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو اس چیز کا مکلف نہیں بنایا جو اس کے اختیار میں نہیں ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا بے ادبی ہے۔

قطب عالم شیخ مینا جب چاہتے کہ ذکر کریں تو آپ تین مرتبہ درود شریف پڑھتے۔ اس کے بعد یہ آیت تلاوت فرماتے۔ فان تولوا فقل حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت و ھو رب العرش العظیم (سورہ التوبہ : ۱۲۹) (یعنی اس پر بھی یہ لوگ سرتابی کریں تو آپ فرما دیجیے کہ مجھ کو خدا بس کرتا ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں اسی پر بھروسہ کرتا ہوں جو عرش عظیم کا مالک ہے)۔ اس کے بعد بلند آواز سے کلمہ لا الہ الا اللہ کہتے، تیسری بار محمد رسول اللہ کہتے۔ پھر بلند آواز سے ذکر شروع کرتے۔ نو مرتبہ لا الہ الا اللہ کہتے، دسویں بار محمد رسول اللہ کہتے۔ بعدازاں بلند آواز سے ذکر شروع کر دیتے، یہاں تک کہ ذوق کے آثار ظاہر ہونے لگتے اور (جب تک) سانس ساتھ دیتا، الا اللہ، الا اللہ بلند آواز سے کہتے تھے اور جب اپنے آپ میں آتے تو محمد رسول اللہ کہتے تھے۔

آپ فرماتے تھے کہ اس طرح دونوں پر عمل ہو جاتا ہے۔ جب ذکر شروع کیا جاتا ہے تو پہلی دفعہ تیسری تکرار میں محمد رسول اللہ کہا جاتا ہے اور جب ذکر تلقین کرتے ہیں تو اس وقت بھی اس پر عمل ہوتا ہے۔ تلقین کے وقت مشائخ کا دستور ہے کہ تین دفعہ کلمے کو دہراتے ہیں، جب تیسری بار کلمے کی تکرار کرتے ہیں تو محمد رسول اللہ کہتے ہیں۔ دوسری دفعہ جب ذکر شروع کیا جاتا ہے تو (نو مرتبہ تکرار کے بعد) دسویں بار محمد رسول اللہ کہا جاتا ہے۔ بعض کتابوں میں جو یہ تحریر کیا گیا ہے کہ دسویں بار محمد

رسول اللہ کہیں سو اس کے مطابق بھی عمل ہو جاتا ہے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ رئیس العارفین شیخ قوام الحق والدین کا اسی پر عمل رہا اور اساس الطریقت جو رئیس العارفین کی تصنیف ہے، اس جانب اشارہ کرتی ہے، اس میں ہر جگہ بیان کیا گیا ہے کہ ذاکر جب ذکر میں مشغول ہو تو یہ آیت پڑھے فان تولوا فقل حسبی اللہ لا الہ الا ھو، علیہ توکلت و ھو رب العرش العظیم اس کے بعد لا الہ الا اللہ کی تکرار کرے، پھر جیسا کہ ذکر کی تعلیم دی گئی ہے، ذکر میں مشغول ہو جائے۔

قطب عالم ذکر سے فارغ ہونے کے بعد درود شریف پڑھتے۔ پھر یہ دعا مانگتے، اے ہمارے رب! ہم نے اپنی عقل، علم اور فہم کی کمی کے مطابق آپ کو یاد کیا، آپ اپنی رحمت اور اپنے فضل کی وسعت کے مطابق ہمیں یاد رکھیں (یعنی ہم پر نگاہ رکھیں) اے سب سے بہتر یاد رکھنے والے اور سب سے زیادہ رحم فرمانے والے۔

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر ذکر کے لیے بہت سے لوگوں کو بلایا جائے تو ان کے ساتھ ذکر کریں، اور ذکر کے وقت حلقہ بنا کر بیٹھنا مشائخ کی سنت ہے اور ویسے بھی جائز اور پسندیدہ بات ہے۔

خزانہ جلالی میں بیان کیا گیا ہے کہ جو شخص ذکر کرنے کی نیت کرے اور لوگوں کو اپنے ساتھ ذکر کرنے کے لیے بلائے تو یہ زیادہ بہتر بات ہے۔ خزانہ جلالی میں یہ صراحت بھی ہے کہ:

بیان کیا گیا ہے کہ "ذکر کی بعض شرائط میں یہ شرط بھی ہے کہ اہل ذکر حضرات سے ذکر کی تعلیم حاصل کر کے ذکر کیا جائے جیسا کہ صحابہ کرام نے کیا تھا۔ صحابہ کرام کا رسول کریم سے تلقین حاصل کر کے ذکر کرنا ثابت ہے۔"

اس حدیث میں، جس کے راوی شداد بن اوس ہیں اور عبادہ بن صامت اس کے شاہد ہیں اور انھوں نے شداد کی روایت کی تصدیق کی، شداد نے بیان کیا کہ میں

رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھا۔ اچانک رسول علیہ السلام نے فرمایا، کیا تمہارے درمیان کوئی اجنبی یعنی اہل کتاب ہے۔ ہم نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول ہمارے درمیان کوئی کافر نہیں ہے، تب رسول اللہ علیہ السلام نے ہمیں دروازہ بند کرنے کا حکم دیا، اس کے بعد فرمایا، اپنے ہاتھ اوپر کر لو اور لا الہ الا اللہ کہو، چنانچہ ہم نے اپنے ہاتھ اوپر کر لیے اور ایک گھڑی تک کلمہ پڑھا۔ اس کے بعد رسول اللہ علیہ السلام نے اپنے دست مبارک نیچے کر لیے، پھر فرمایا، الحمد للہ اے رب بے شک آپ نے مجھ کو اس کلمے کے ساتھ مبعوث فرمایا اور مجھے اس کلمے کا حکم دیا اور مجھ سے جنت عطا فرمانے کا وعدہ کیا۔ بے شک آپ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتے۔ اس کے بعد رسول علیہ السلام نے فرمایا، تم کو بشارت ہو بے شک خداوند تعالی نے تمہیں بخش دیا۔

یہ امر متحقق ہے کہ صحابہ کرام نے تابعین کو ذکر کی تلقین کی ہے اور تابعین سے ہمارے زمانے تک ایک شیخ نے دوسرے شیخ کو ذکر کی تلقین کی ہے۔ یہ سب کے سب اہل ذکر تھے جیسے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم اہل ذکر تھے۔ ارشاد باری تعالی ہے، والزمهم كلمته التقوى (الفتح ۲۶) اور (خدا تعالی نے) ان پر کلمہ تقوی لازم کر دیا) اور کلمۃ التقوی لا الہ الا اللہ ہے۔ بے شک صحابہ رضی اللہ عنہم اس کلمے کے لیے لائق ترین افراد تھے، انھوں نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا اور وہی اس کلمے کو نافذ کرنے اور لوگوں کے باطن میں انوار کی تاثیر پیدا کرنے کے اہل تھے۔"

مطلب یہ ہے کہ کلمہ تقوی کا نور صحابہ کے باطن میں، جو صاف اور پاکیزہ تھا اثر پیدا کرتا تھا اور انھیں درجات عالیہ تک پہنچاتا تھا، چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم ہر اعتبار سے اس کلمے کے مستحق اور اہل تھے اور انھوں نے اس دولت کو تابعین، تبع تابعین اور ایک شیخ کے بعد دوسرے شیخ کے واسطے سے ہمارے زمانے تک پہنچایا ہے، ذلک فضل الله يوتيه من يشاء (الجمعہ ۴) (یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہے عنایت کرے)

فصل۔ "گروہ صوفیہ کے پیشوایان طریق اور سرداران سلوک کے نزدیک یہ امر متحقق ہے کہ حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے) عرض کیا، یا رسول اللہ مجھے ایسے راستے کی ہدایت فرمایئے جو خدا تعالی تک پہنچنے کے لیئے سب سے زیادہ قریب اور بندگان خدا کے لیے سب سے زیادہ آسان ہو۔ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا، اے علی خلوت میں اللہ تعالی کا ذکر ہمیشہ کے لیے لازم کرلو۔ (درمیان میں حضرت علی نے (راوی سے) کہا (دیکھو) ذکر کی اس قدر فضیلت ہے اور بندگان خدا اسی باعث ذکر میں مشغول رہتے ہیں)۔ اس کے بعد رسول علیہ السلام نے فرمایا، اے علی جب تک زمین پر ایک نفر بندہ خدا، اللہ، اللہ کہنے والا رہے گا قیامت قائم نہیں ہو گی۔ حضرت علی نے عرض کیا، اے اللہ کے رسول میں کس طرح ذکر کیا کروں۔ رسول علیہ السلام نے فرمایا، تم آنکھ بند کرو اور جو میں کہوں اسے سنو۔ پھر رسول علیہ السلام نے تین بار لاالہ الااللہ کہا، اور علی نے سن کر تین مرتبہ لاالہ الااللہ کہا اور نبی نے سنا۔"

چنانچہ حضرت علی نے حسن بصریؒ کو ذکر تلقین کیا، حسن بصری نے اسے حبیب عجمی کو تعلیم کیا۔ اسی طرح آج تک ذکر الہی مشائخ کے درمیان جاری و ساری ہے۔

قطب عالم شیخ محمد بن قطب المعروف بہ شیخ بینا قدس سرہ نے حضرت شیخ سارنگ سے ذکر کی تلقین حاصل کی۔

حضرت شیخ سارنگ نے حضرت شیخ یوسف ایرجی سے ذکر سیکھا۔

حضرت شیخ یوسف ایرجی کو حضرت مخدوم جہانیاں سید جلال الحق والدین نے ذکر تعلیم کیا۔

حضرت مخدوم جہانیاں کو حضرت شیخ امام الدین گازرونی نے ذکر تعلیم کیا۔

شیخ امام الدین نے اپنے بھائی شیخ امین الدین سے ذکر کی تلقین حاصل کی۔

شیخ امین الدین نے اپنے چچا شیخ اوحد الدین بن عبداللہ بن مسعود سے ذکر

سیکھا۔

شیخ اوحد الدین کو شیخ اصیل الدین نے ذکر تلقین کیا۔

شیخ اصیل الدین کو شیخ رکن الدین ابی الغنائم بن فضل بن ابی القاسم الخطیب نے تلقین کی۔

شیخ رکن الدین نے شیخ قطب الدین بن ابی رشید احمد بن محمد حنیف ابہری سے ذکر کی تلقین حاصل کی۔

شیخ قطب الدین نے شیخ ضیاء الدین ابی نجیب عبدالقاہر بن عبداللہ سہروردی سے ذکر سیکھا۔

شیخ ضیاء الدین ابی نجیب کو شیخ احمد غزالی نے ذکر تلقین کیا۔

شیخ احمد غزالی کو ابی حفص عمر بن محمد حمویہ سہروردی نے تعلیم کیا۔

شیخ ابی حفص کو شیخ ممشاد دینوری نے ذکر تلقین کیا۔

شیخ ممشاد دینوری نے خواجہ جنید بغدادی سے ذکر کی تلقین حاصل کی۔

خواجہ جنید بغدادی کو خواجہ سری سقطی نے ذکر تلقین کیا۔

خواجہ سری سقطی کو خواجہ معروف کرخی نے ذکر کی تعلیم دی۔

خواجہ معروف کرخی نے خواجہ داؤد طائی سے ذکر سیکھا۔

خواجہ داؤد طائی کو خواجہ حبیب عجمی نے ذکر سکھایا۔

خواجہ حبیب عجمی کو خواجہ حسن بصری نے ذکر تلقین کیا۔

خواجہ حسن بصری کو امیر المومنین علی کرم اللہ وجہ نے ذکر تلقین کیا۔

حضرت علی نے محسن کائنات حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر سیکھا۔

مخدوم جہانیاں سید جلال الدین کو مختلف مقامات سے ذکر کی تلقین اور

خلافت حاصل ہوئی۔ اسی طرح حضرت شیخ سارنگ کو حضرت یوسف ایرجی اور مخدوم شیخ قوام الدین سے ذکر کی تعلیم حاصل ہوئی۔ لیکن شیخ یوسف سے تعلق کے بعد شیخ سارنگ دنیا سے کنارہ کش ہو گئے تھے، جب کہ حضرت شیخ قوام الدین سے وابستگی کے بعد، مشغولیت کے زمانے میں بھی ان کا دنیا سے تعلق رہا۔

قطب عالم نے فرمایا، حضرت شیخ سارنگ حضرت شیخ قوام الدین سے مرید ہونے کے بعد ایک روز مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مخدوم اس وقت حالت جذب میں تھے، فرمایا اے ملک سارنگ تنہا پیراہن کو عبا کی طرز پر بناؤ، میں تمھیں ذکر کی تعلیم دوں گا۔ چنانچہ وہ حکم بجا لائے۔ ذکر کی تلقین سے فارغ ہونے کے بعد مخدوم نے فرمایا اگر تم (یہی) تنہا لباس رکھو گے تو ان شاء اللہ یہ تلقین تمھارے کام آئے گی۔ حضرت مخدوم کی ولایت کی برکت سے ایسے اسباب پیدا ہوئے کہ حضرت شیخ سارنگ گوشہ نشین اور دنیا سے کنارہ کش ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی طلب غالب آ گئی اور انھوں نے کعبہ معظمہ کا (اللہ اس کی بزرگی بڑھائے) سفر اختیار کیا۔ مخدوم شیخ قوام الدین نے جو تلقین کی تھی، وہ اس پر عمل پیرا رہے۔

حضرت شیخ قوام الدین کو ذکر کی تلقین، مخدوم جہانیاں سید جلال الدین کے علاوہ دوسرے واسطوں سے بھی حاصل ہوئی تھی، انھی میں ایک حضرت شیخ قطب الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ مصنف رسالہ مکیہ بھی ہیں۔

حضرت شیخ سعد رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے معیار التصوف میں جو حضرت شیخ قوام الحق والدین کی تصنیف ہے، پڑھا کہ انھوں نے شیخ قطب الدین سے ذکر کی تلقین حاصل کی۔

مخدوم نے اپنی تصنیف معیار التصوف میں تحریر کیا ہے:

فقیر عباسی کہتا ہے کہ ذکر حق تعالیٰ کے قرب کو حاصل کرنے اور قلب کو

پاک کرنے کا ذریعہ ہے، لہذا سالک کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ذکر کرنے سے رک جائے۔ حسن فرماتے ہیں کہ "لا الہ الا اللہ لطیفہ سر کو غیر اللہ سے پاک کرنے کا ذریعہ ہے اور جب وہ غیر اللہ کی تعظیم سے خالی ہو جاتا ہے تو پھر ذکر کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ حسن کا قول ہے اور فقیر عباسی کہتا ہے، میں نے شیخ محمد بن اقیوی ساکن بیت المقدس سے سنا وہ یہ دو شعر پڑھ رہے تھے، جن کا مفہوم یہ ہے:

اللہ کے ذکر اور دلوں کی تسبیح سے اسرار اور غیب کھل جاتے ہیں۔

اس کیفیت میں ذکر نہ کرنا بہتر ہے۔ اللہ کی ذات کے آفتاب کو غروب نہیں ہے۔

اسی طرح میں نے قطب الحق و الشرع والدین دمشقی موئف رسالہ مکیہ سے دریافت کیا، جب انھوں نے مجھے کلمہ لا الہ الا اللہ کی تلقین فرمائی اور نفی و اثبات کی کیفیت بیان کی۔ میں نے کہا اے میرے سردار اور میرے لیے برکت! جب سالک کے دل میں غیر اللہ کا وجود باقی نہ رہے تو پھر کس چیز کی نفی کی جائے۔ شیخ نے جواب دیا اس وجود کا جس کے ہونے کا اعتبار کیا گیا، نفی کرنا لازم ہے۔ یہاں تک کہ دوئی مٹ جائے۔

دوسرا جواب۔ سالک کے لیے نفی کرنا ضروری ہے کیونکہ مقام جمع میں (ذات حق میں اس قدر محو ہونا کہ کسی کی خبر نہ رہے) وجود کی نفی کی جاتی ہے، البتہ مقام تفرقہ (حق سے خلق کی طرف آنا) میں وجود ثابت کیا جاتا ہے، جس طرح تمام موجودات کو ثابت کیا جاتا ہے۔ سکون کی طرف نظر کرنا جمع ہے اور تفرقہ سکون ہے لہذا لازمی ہے کہ موجودات کی نفی کی جائے۔ اس میں ایسے افراد داخل کیے جاتے ہیں جو مقام جمع میں نہیں ہیں، یہاں تک کہ وہ مقام جمع میں فنا ہو جائیں۔ یہ مقام بہت ہی بزرگ ہے، یہاں صرف موجود اہل معرفت کو رسائی حاصل ہوتی ہے کیونکہ مقام جمع اور تفرقہ باہم

متضاد ہیں، الا یہ کہ مشائخ سالکین کی نگاہیں اکثر مقام جمع کی طرف لگی رہتی ہیں اور جہانوں پر ان کی برکتیں بہت زیادہ ہوتی ہیں۔ اے ہمارے رب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی آل کی حرمت کے صدقے میں ہمیں ان سے محبت کرنے والا بنا دے اور ان کے انفاس کی برکتوں سے ہمیں محروم نہ کر۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا، مشائخ دلوں کے طبیب ہوتے ہیں۔ جب کسی طبیب کو مریض (کی بیماری) کے حقیقی سبب کا علم نہیں ہوتا تو وہ اپنے علاج سے مریض کو ہلاک کر دیتا ہے، کیونکہ وہ ایسی دوائیں تجویز کرتا ہے جو سبب مرض کے خلاف ہوتی ہیں۔ (ظاہر ہے کہ) ہر سبب مرض کا علاج مختلف ہوتا ہے، ہر جنون کے لیے معجون الگ ہوتی ہے اور ہر مرض کی اپنی خاصیت ہوتی ہے جسے صرف ماہر طبیب جانتے ہیں، اناڑی معالج اس سے واقف نہیں ہوتے۔ پس مرید کے لیے لازم ہے کہ وہ خود کو شیخ کامل کے سپرد کر دے، اس کے ہر حکم کو بجا لائے کیونکہ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ شیخ کے حقوق نبی کے حقوق کے برابر ہوتے ہیں اور والدین کے حقوق سے بڑھ کر ہوتے ہیں، چنانچہ ضروری ہے کہ مرید اپنے ظاہر اور باطن کو شیخ کے تصرف میں دے دے اور شیخ کے ارشاد پر عمل کرے۔ اگر مرید شیخ کے بتائے ہوئے راستے پر چلتا ہے اور اس کا حکم بجا لاتا ہے تو حقیقی معنوں میں مرید ہے۔ اگر اپنی خواہش کا راستہ اختیار کرتا ہے اور شیخ کے حکم کی نافرمانی کرتا ہے تو کبھی اپنی مراد حاصل نہیں کر سکتا۔

قطب عالم نے فرمایا، مرید کو موسوی صفت نہ ہونا چاہیے، البتہ اس کے لیے ضروری ہے کہ ہمیشہ حق تعالی کے دیدار کا طالب رہے اور کہتا رہے، رب ارنی انظر الیک (الاعراف ۱۴۳) (اے میرے پروردگار تو (اپنے تئیں) مجھے دکھا کہ میں تیری طرف ایک نظر دیکھوں)۔ وہ صفت جو نہیں چاہیے یہ ہے کہ موسی علیہ السلام سے حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات ہوئی اور وہ ان کے شرف صحبت سے بہرہ یاب ہوئے، لیکن انھوں نے

خضر کے افعال یعنی کشتی کو توڑنے، لڑکے کو قتل کرنے اور دیوار کو مرمت کرنے سے موافقت نہ کی، نہ خاموش رہے اور اعتراض کیا۔ اگرچہ (خضر کے) تمام افعال بہ ظاہر خلاف شرع نظر آتے تھے لیکن فی الحقیقت خلاف شرع نہ تھے ۔ بالاخر خضر کو کہنا پڑا ھذا فراق بینی وبینک (الکھف ۷۸) (اب مجھ میں اور تم میں چھٹم چھٹا)۔

اس واقعے میں تم لوگوں کے لیے ہدایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور خضر کے درمیان مفارقت کا سبب اصلی خضر کے کاموں پر اعتراض کرنا تھا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام اعتراض نہ فرماتے تو خضر کی صحبت سے جدا نہ ہوتے، اسی طرح مرید کو لازم ہے کہ وہ اپنے شیخ کے کاموں پر ظاہراً اور باطناً معترض نہ ہو تاکہ شیخ کی ذات اور صحبت کی برکت سے اسے روحانی نعمت حاصل ہو۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا کہ مرید کو شیخ کے حکم کے مطابق تلقین کی شرائط پر مسلسل تین دن تک عمل کرنا ضروری ہے۔ جب وہ تلقین حاصل کرنا چاہے تو تین دن تک ہر وقت باوضو رہے۔ ہمہ وقت ذکر میں مشغول رہے۔ افطار کے وقت کم کھائے۔ بات چیت کم کرے۔ رات میں کم سوئے اور زیادہ وقت جاگے اور لوگوں سے ملنا جلنا کم کر دے۔ تین دن کے بعد شیخ کے حکم سے غسل کرے۔ غسل کے وقت غفلت سے نکلنے اور حق تعالیٰ کے حضور میں حاضر رہنے کی نیت کرے۔ اس کے بعد شیخ کی خدمت میں حاضر ہو تاکہ شیخ اسے ذکر کی تلقین اور نصیحت کرے، جس طرح رسالہ مکیہ میں تلقین کا طریقہ اور شرائط بیان کیے گئے ہیں۔ اگر شوق و رغبت ہو تو رسالہ مذکور میں ان کا مطالعہ کرے۔

مرصاد العباد کے مصنف (شیخ نجم الدین رازی) فرماتے ہیں کہ جب غسل سے فارغ ہو تو بعد نماز عشا شیخ کی خدمت میں حاضر ہو، اور شیخ کی مسند کے قریب قبلہ رخ بیٹھے۔ اس وقت شیخ قبلے کی طرف پیٹھ کرکے مرید کو ذکر کی تلقین کرے۔

حضرت شیخ سعد نے بیان کیا ہے کہ جب قطب عالم شیخ مینا نے یہ چاہا کہ اس فقیر کو ذکر کی تلقین فرمائیں تو مذکورہ شرائط کے ساتھ روزہ رکھنے کا حکم دیا، غسل کے بعد، بعد نماز عشا فقیر کو طلب فرمایا۔ پھر اپنی پشت قبلے کی طرف کر کے مجھے قبلہ رخ بٹھایا۔ تھوڑا سا عطر منگا کر اپنی ریش مبارک پر لگایا اور جیسے کہ اکابر تک تلقین ذکر کی سند جاری ہے مجھے عطا فرمائی۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا کہ ذکر کرنے والے کا استغراق جس درجے کمال پر ہوتا ہے اسی درجے سلطان ذکر کا ظہور ہوتا ہے (بلکہ) ساعت بساعت، روز بروز بڑھتا جاتا ہے، یہاں تک کہ ذاکر مشاہدہ ذات کے مقام تک رسائی حاصل کر لیتا ہے۔ سلطان ذکر ایک نور ہے جو ذاکر پر ہر طرف سے چھا جاتا ہے۔ ذاکر اس نور کو دیکھ کر بے اختیار سجدہ کرنے لگتا ہے، لیکن ضروری ہے کہ سلطان ذکر کے ظہور کے وقت ذاکر کو ہوش رہے کہ ابھی بہت سا کام باقی ہے۔ ذکر میں استغراق ایک حال ہے جو کو معطل کر دیتا ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کعبے کا طواف کر رہے تھے۔ ایک شخص نے انھیں سلام کیا لیکن انھوں نے بالکل نہیں سنا اور سلام کا جواب نہیں دیا۔ اس شخص نے ان سے سلام کا جواب نہ دینے کی شکایت کی تو حضرت عبداللہ نے فرمایا، کما تری باللہ فی ذلک المکان) جیسے تم دیکھتے ہو میں اس جگہ اللہ کے ساتھ تھا)۔

قطب عالم نے فرمایا، ایک دفعہ شیخ فرید الدین دن میں زوال کے دوران تشریف فرما تھے۔ یکایک آپ نے سجدے کرنے شروع کر دیے۔ جو لوگ وہاں بیٹھے ہوئے تھے انھوں نے آپ کو منع کیا کہ یہ مکروہ وقت ہے اور مکروہ وقت میں سجدہ کرنا مکروہ ہے۔ مخدوم نے انتہائے شوق میں عاجزی کے ساتھ فرمایا، اے عزیزو! خدا کے لیے اس وقت کچھ نہ بولو کہ محبوب نظر کے سامنے ہے اور میں بے اختیار ہوں۔ قطب عالم

نے اس کی مناسبت سے یہ دوہرہ ارشاد فرمایا:

سائیں چت چڑھے جب آئے
رت کرت نہ دیکھی جائے

جب سائیں کی مرضی ہوتی ہے اپنا جلوہ دکھاتے ہیں۔ ریت ناریت نہیں دیکھی جاتی، بس جلوہ دیکھنا چاہیے۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا کہ لا الہ الا اللہ کہنے والا چند اوصاف کا محتاج ہے جن کے بغیر لا الہ الا اللہ کہنا کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا۔

صفت اول یہ ہے کہ ذاکر کو معلوم ہونا چاہیے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ کس چیز کی نفی کر رہا ہے اور کس بات کو ثابت کر رہا ہے۔ ذاکر جس امر کی نفی کرتا ہے، وہ (باطل) معبود ہیں جو خدا ہونے کا دعوی کرتے ہیں۔ یہ نفس، ہوا اور شیطان ہیں۔ ہوا (نفسانی خواہش) کی دو قسمیں ہیں، ایک ازروئے شریعت اور دوسری ازروئے طریقت۔ شریعت کی رو سے "ہوا" یہ ہے کہ نفس ایسی چیز کی جانب میلان کرے جس سے نفس کو لذت حاصل ہو، اور اس کی یہ خواہش شرعی سبب کے بغیر ہو۔ اس نفسانی خواہش کی پیروی جنت سے محرومی کا موجب ہے۔ طریقت کی رو سے "ہوا" یہ ہے کہ نفس ایسی چیز کی جانب میلان کرے جو ہدایت سے خالی ہو اور اسے اس خالی از ہدایت چیز سے لذت حاصل ہو۔ جائز خواہشوں کی پیروی یا جائز چیزوں سے پرہیز جنت سے محرومی کا سبب نہیں ہوتے بلکہ وہ امور ہیں جو "خاص ہدایت" کے حصول میں مانع ہوتے ہیں۔ لا الہ الا اللہ کہنے والا جس بات کو ثابت کرتا [illegible] وہ یہ ہے کہ وہ درستی کے ساتھ اللہ تعالی کا اثبات کرتا ہے پس اسی کو کافی سمجھتا ہے۔ ذاکر غیر اللہ کی نفی کر کے اللہ تعالی کا اثبات کرتا ہے۔

قطب عالم نے فرمایا، ذاکر جیسے ہی زبان سے لا الہ الا اللہ کے الفاظ کہتا ہے اس

کے معنی دل سے ادا کرتا ہے یعنی ذکر کے دوران مسلسل دل کی زبان سے یہ کہتا ہے کہ میں حق تعالیٰ کے سوا کسی شئے کا طالب نہیں ہوں۔ کیونکہ ابتدا میں طالب کے مناسب حال یہی بات ہے کہ ذکر کے وقت لاالہ الااللہ کے معنی دل کی زبان سے ادا کرے۔

ذاکر میں دوسری صفت یہ ہونی چاہیے کہ جب وہ لاالہ الااللہ کہے تو حق تعالیٰ کی عظمت اور بزرگی کی بنا پر اس کا دل حق تعالیٰ کی تعظیم سے معمور ہو جائے کیونکہ حق تعالیٰ ہی اس کا مطلوب و محبوب ہے۔

ذکر میں تیسری صفت یہ ہونی چاہیے کہ اس کے دل میں صدق ارادہ اور محبت ہو تاکہ وہ مشاہدہ دل کے وسیلے سے حق تعالیٰ تک پہنچنے میں کامیاب ہوسکے۔ اگر اس کے ارادے میں ضعف ہوگا تو یہ نقص اس کے دل میں صدق و محبت پیدا نہ کرسکے گا اور اس کی یہ تمنا کہ وہ قرب الٰہی حاصل کرے ناتمام رہے گی، کیونکہ صدق و محبت کے بغیر محض کمزور آرزو سے کسی کو کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

ذاکر میں چوتھی صفت یہ ہونی چاہیے کہ وہ انتہائی ادب و احترام سے کلمہ ادا کرے اس لیے کہ اگر ذاکر ادب و احترام کا خیال نہ رکھے گا تو یقیناً وہ سخت دل اور بے حس ہو جائے گا۔ خراب اور بے ہودہ باتیں کرنے کے باعث اسے بھلائی بھی کم حاصل ہو گی۔ وہ بزرگوں اور نیکوں کی صحبت کے لائق بھی نہیں رہے گا۔ نتیجہ یہ کہ حق تعالیٰ اس پر اپنے قرب اور اپنے جلیس ہونے کے مشاہدے کا دروازہ کشادہ نہ کریں گے، یعنی وہ ذاکر جو کلمے کی ادائیگی میں ادب و احترام کا خیال نہ رکھے اسے ہرگز ہرگز حق تعالیٰ کا قرب اور مقام مشاہدہ و مکاشفہ نصیب نہ ہو گا۔

جو شخص اپنے حسن اخلاق کے سبب اعلیٰ علیین (اوپر ہی اوپر) تک پہنچتا ہے، اگر وہ حسن ادب ترک کر دے تو اس کو اس کی بے ادبی اسفل السافلین (سب سے نیچے

ہونے والوں) میں گرا دیتی ہے یعنی ہر چند کہ ایک شخص اعلیٰ مقام تک پہنچ جائے لیکن اگر وہ حسن ادب کو ترک کر دے تو حق تعالیٰ اسے مقام اعلیٰ سے مقام اسفل پر گرا دیتے ہیں۔ تصوف یک قلم ادب ہے سو جو شخص ادب سے رکا وہ تمام نیکیوں سے محروم رہے گا۔ اس راہ میں اصل شئے ادب و احترام ہے۔

قطب عالم نے بارہا فرمایا کہ لوگ عمل کی وجہ سے بہشت میں نہیں جائیں گے بلکہ خالق کا ادب کرنے کے باعث بہشت میں جائیں گے۔

ذاکر کا پانچواں وصف حق تعالیٰ کی معیت کے احساس کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ کا مراقبہ ہے۔ اس میں اندیشے کو بھی شامل کرے یعنی تمام اندیشوں کو ایک اندیشے میں مبدل کرے۔ ایک دل میں ایک دوست جو حی و قیوم ہے بسائے، غیر کی دوستی اور غیر کا خیال مٹا دے۔ ایک عارف فرماتے ہیں۔

یک دوست بسندہ کن کہ یک دل داری

گر مذہب عاشقان عاقل داری

اگر تم نے اہل عقل عاشقوں کا دین اختیار کیا ہے اور یک دل ہے تو ایک محبوب کو کافی سمجھ (اسی سے لو لگائے رکھ)۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا جب مرید صادق مسلسل چالیس روز تک، ان شرائط کے ساتھ جو رسالہ مکیہ میں درج ہیں، ذکر کے عمل کو انجام دے لیتا ہے تو بلا شبہ اس پر عالم روحانیت سے مکاشفات و مشاہدات کا دروازہ کھول دیا جاتا ہے کیونکہ پیغمبر علیہ السلام کا ارشاد پاک ہے، جو شخص اللہ تعالیٰ سے چالیس صبح یعنی چالیس روز اس طرح اخلاص اختیار کرتا ہے کہ ہر صبح اخلاص کے ساتھ ذکر الٰہی میں مشغول ہو تو اس کے دل سے حکمت کے چشمے پھوٹنے لگتے ہیں اور زبان سے جاری ہو جاتے ہیں۔

قطب عالم نے فرمایا، جب کوئی مخلص درویش حق تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول کر

لیا جاتا ہے تو اس کی زبان حکمت کا پرنالہ ہو جاتی ہے۔ جو کچھ اس کی زبان سے نکلتا ہے حق و صواب ہوتا ہے بلکہ عین حق ہوتا ہے۔ (یہاں ایک شعر تھا جو واضح نہ ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا گیا ہے۔)

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا کہ آں حضرت علیہ السلام نے ایک جماعت سے فرمایا، تم کون لوگ ہو؟ جماعت نے عرض کیا ہم مسلمان ہیں۔ تمھارے ایمان کی کیا علامت ہے؟ رسول کریم نے فرمایا۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہم مصیبت پر صبر کرتے ہیں، آسائشوں اور نعمتوں پر شکر ادا کرتے ہیں اور حق تعالی کے فیصلوں پر راضی رہتے ہیں۔ رب کعبہ کی قسم تم اہل ایمان ہو رسول کریم نے فرمایا۔ اور ایک دوسری روایت میں آیا ہے۔ "یہ لوگ حکما اور علما ہیں۔" بزرگوں نے کہا ہے، باطن کی پاکیزگی کے ساتھ اللہ کا ذکر کرنے والا بندہ مصیبتوں کی تلخی کو محسوس نہیں کرتا، یعنی پاکیزگی کے ساتھ جتنا ذکر کیا جائے مصیبت کی تلخی اسی قدر دور رہتی ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ ممشاد دینوریؒ رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہو گئے اور سخت تکلیف میں تھے۔ لوگوں نے ان سے معلوم کیا کہ آپ نے تکلیف کو کیسا پایا۔ آپ نے فرمایا، یہ بات تکلیف سے پوچھو کہ اس نے مجھے کیسا پایا۔ لوگوں نے پھر دریافت کیا کہ آپ کے دل کی کیا کیفیت ہے۔ آپ نے جواب دیا، تیس سال ہونے میں دل کو بھلا چکا ہوں۔ تم لوگ تکلیف کی شدت اور دل کی کیفیت کیوں معلوم کر رہے ہو۔

قطب عالم نے فرمایا کہ آں حضرت صلعم کا ارشاد پاک ہے: حق تعالی اہل ایمان کو بلا میں ڈال کر آزماتے ہیں، جس طرح کوئی شخص سونے کو آگ میں تپا کر پرکھتا ہے۔ چنانچہ ضروری ہے کہ صاحب ایمان اس قدر مصیبت پر صبر و تحمل کرے کہ وہ بلا کی حقیقت بن جائے اور بلا اس کی حقیقت ہو جائے تا کہ مصیبت کا احساس ہی نہ ہو۔ ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا و جعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ (النحل، ۲۴)

(بادشاہ جب کسی شہر میں داخل ہوا کرتے ہیں تو اس کو خراب اور وہاں کے معزز لوگوں کو ذلیل کر دیا کرتے ہیں) کے یہی معنی ہیں، لیکن اسی تباہی و بربادی میں تمام تر عزت ہے اور اس رسوائی اور بربادی کی حقیقت سے وہی اہل عزت باخبر ہیں جو تباہی و بربادی کے امتحان سے گزر کر قرب الٰہی تک پہنچتے ہیں اور راحت سے ہم کنار ہوئے ہیں۔

قطب عالم نے یہ بھی فرمایا، ارشاد باری تعالیٰ ہے فمنھم ظالم لنفسہ و منھم مقتصد و منھم سابق بالخیرات (فاطر، ۳۲) (پھر بعضے تو ان میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض ان میں متوسط درجے کے ہیں اور بعضے ان میں خدا کی توفیق سے نیکیوں میں ترقی کیے چلے جاتے ہیں۔) ظالم وہ ہوتا ہے جو مصیبتوں میں اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتا ہے اور خوف و بے صبری کا اظہار کرتا ہے، مقتصد وہ ہوتا ہے جو مصیبتوں پر صبر کرتا ہے اور سابق بالخیرات وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی تکلیفوں سے لذت حاصل کرتا ہے اور عیش میں رہتا ہے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں:

ہر بلا کیں قوم را حق دادہ است

زیر آں گنج کرم بنہادہ است۔

گر شراب لطف او خواہی مدام

قطع کن وادی قہر او تمام

زانکہ تا ایں نبودت آں نبودت

بے بلاء و درد درماں نبودت

حق تعالیٰ اس گروہ کو جو مصیبت دیتے ہیں، اس کے پیچھے اپنے کرم کا خزانہ رکھ دیتے ہیں۔

اگر تم چاہتے ہو کہ حق تعالیٰ کے لطف کی شراب ہمیشہ پیتے رہو تو تمھیں اس کے قہر کی گھاٹی عبور کرنی پڑے گی۔

کیونکہ جب تک تم آزمائش میں پورے نہ اترو گے لائق کرم نہ بن سکو گے۔
بغیر تکلیف میں مبتلا ہوئے تمھارا علاج نہیں ہو گا۔

حضرت جنید فرماتے ہیں: مصیبت عارفوں کا چراغ ہے، مریدوں کی بیداری ہے اور اہل غفلت کے لیے ہلاکت ہے۔

جس طرح اندھیری رات میں چراغ لایا جاتا ہے اور اس کی روشنی سے ہر شے نمایاں ہو جاتی ہے بالکل اسی طرح مصیبت عارفوں کے لیے چراغ کا کام دیتی ہے۔ جب ان پر کوئی آفت نازل ہوتی ہے تو وہ اس حال میں بھی اللہ تعالیٰ پر نظر رکھتے ہیں اور انھیں عین اس آفت کے دوران مشاہدہ حاصل ہوتا ہے۔ اگرچہ اہل معرفت کو آزمائش کی حالت کے بغیر بھی تجلی اور مشاہدے سے نوازا جاتا ہے لیکن مصیبت کی حالت میں تجلی اور مشاہدے کی نوعیت خاص ہوتی ہے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت بایزید پیٹ کے درد میں مبتلا ہوئے۔ آپ اپنی جگہ سے اٹھ کر مسجد کے بالائی حصے میں آ گئے کہ شاید کچھ آرام مل جائے۔ اچانک فجر سے پہلے موذن وہاں اذان کے لیے آ گیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک شخص پیٹ کے درد میں مبتلا وہاں پڑا ہوا ہے۔ موذن نے بے رحمی کے ساتھ شیخ کو پکڑا اور زینے کے چند قدموں تک گھسیٹ کر لے آیا۔ غصے میں بہت ڈانٹ ڈپٹ کی اور کہا مسجد سے نکل جا۔ بایزید کو اس حالت میں زینے کے ہر پائے پر ترقی حاصل ہوئی اور مشاہدہ تجلی سے سرفراز کیا گیا۔ اس واقعے کے بعد شیخ افسوس سے کہتے تھے کہ اے کاش وہ موذن چند اور قدموں تک گھسیٹتا تو زیادہ ترقی اور تجلی حاصل ہوتی۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا کہ "ایک ساعت کا بخار ایک سال کا کفارہ ہے"۔

اس کی مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا کہ ایک دن کا بخار ایک سال کے

گناہوں کا کفارہ ادا کرتا ہے نہ زیادہ اور نہ کم۔ اس میں بھید یہ ہے کہ ایک دن کا بخار ایک سال کا خون چوس لیتا ہے چنانچہ اس کے مقابلے میں ایک سال کے گناہ رخصت ہو جاتے ہیں، لیکن انبیا و صدیقین پر جو آفت نازل ہوتی ہے وہ ان کے صدق و اختیار سے ہوتی ہے۔ یہ حضرات بلا نازل ہونے کے بعد مقام صبر و رضا میں ثابت قدم رہتے ہیں اس لیے انھیں مزید رفعت و ترقی حاصل ہوتی ہے۔

فصل۔ شرائط ثمانیہ کی چھٹی شرط یہ ہے کہ سالک کو خواطر کی (نفسانی اور شیطانی خیالات کی) نفی کرتے رہنا چاہیے۔ اہل مجاہدہ و ریاضت کے لیے خواطر کی نفی کرنا دشوار ترین مرحلہ ہے، کیونکہ انسان کے لیے خواطر بہت سے ہیں اور سوائے منتہی عارف کے کوئی شخص ان کے فرق کو نہیں جانتا۔ نوارد طالب پر لازم ہے کہ ہمیشہ ظاہراً اور باطناً خواطر کی نفی کرنے میں مشغول رہے کیونکہ نفس اپنی باتوں سے سخت خطرات پیدا کرتا ہے اور شیطان لعین ہمیشہ ورغلانے اور گمراہ کرنے کے ذریعے دشمنی نکالتا ہے، چنانچہ نفس سے باتیں کرنے سے (دل کی) سلامتی خطرے میں پڑ جاتی ہے، مگر جب دل کو استقامت حاصل ہو جاتی ہے اور وہ پرہیزگاری اور ذکر سے مخصوص ہو جاتا ہے تو نفس ہار جاتا ہے اور شیطان مایوس ہو جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ خواطر میں تمیز کرنا ممکن ہو جاتا ہے۔ یہاں تمام باتوں کو بیان کرنا طوالت کا باعث ہوگا، اس لیے جسے شوق ہے وہ رسالہ مکیہ کا مطالعہ کرے۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا:

"حضرت جنید سے خطرات (خیالات جو ضمیر پر وارد ہوتے ہیں) کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ خطرات چار قسم کے ہوتے ہیں۔ خطرہ رحمانی، خطرہ ملکی، خطرہ نفسانی، خطرہ شیطانی۔ جو خطرہ حق تعالی کی طرف سے ہوتا ہے اس میں اشارہ ارشاد کیا جاتا ہے۔ خطرہ ملکی طاعت و عبادت کا راستہ دکھاتا ہے۔ خطرہ نفسانی دنیا اور عزت

دنیا کی طلب کی جانب کھینچتا ہے۔ خطرہ شیطانی گناہوں کی طرف کھینچتا ہے۔"

قطب عالم نے فرمایا، ایک دفعہ ایک بزرگ نماز میں لوگوں کے امام بنے۔ جب وہ آگے آئے اور مقتدیوں سے کہا استووا (برابر ہو جاؤ) تو وہ یہ کہتے ہوئے بے ہوش ہو کرگر پڑے۔ دو روز بعد جب ہوش میں آئے تو لوگوں نے ان سے بے ہوشی کے بارے دریافت کیا۔ انھوں نے جواب دیا کہ جب میں نے تم لوگوں سے کہا برابر ہو جاؤ تو میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہ خطرہ ڈالا گیا جیسے کوئی مجھ سے کہہ رہا ہے، یا عبدی هل استویت طرفة عین حتی تقول لخلقی استووا (اے میرے بندے کیا تم ایک لمحے برابر ہوئے تھے کہ میری مخلوق سے کہتے ہو کہ برابر ہو جاؤ)۔

بیان کرتے ہیں کہ جنید نے فرمایا، ایک مرتبہ میں بیمار ہو گیا۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھے صحت و عافیت عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے میرے باطن میں القا کیا لاتدخل بینی و بین نفسک (تو میرے اور اپنی جان کے درمیان داخل نہ ہو) میں جانوں اور تیری ذات جانے، جس طرح میں رکھوں اسی طرح رہ۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا، مشائخ صوفیہ کے نزدیک یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ خواطر چار ہیں، اور یہ سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتے ہیں۔ جو کچھ کرتا ہے وہی کرتا ہے، دوسرے تو محض بہانہ ہوتے ہیں بلکہ تمام امور سے ناواقف ہوتے ہیں، اسی بنا پر رسالہ مکیہ کے مصنف فرماتے ہیں: "لیکن یہ صحیح ہے کہ ان خواطر میں سے بعض بلاواسطہ ہوتے ہیں اور بعض بالواسطہ ہوتے ہیں، چنانچہ جو خطرہ بلاواسطہ دل میں آتا ہے اور وہ خیر ہوتا ہے، تو وہ خاطر ربانی اور دوائے حقانی ہے۔"

اللہ تعالیٰ کے ادب کے لحاظ سے، اللہ تعالیٰ سے سوائے خیر کے کچھ منسوب نہیں کرنا چاہیے حالانکہ خیر و شر سب اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے لیکن ہم شر کو اللہ سے منسوب نہیں کرتے، کیوں کہ ادب کا تقاضہ ہے، نہ کہ اس سبب سے کہ اسے اللہ تعالیٰ

نے پیدا نہیں کیا۔ اس لیے یہ ہر گز نہیں کہا جاتا خالق الشرو رو القبائح (کہ اللہ برائیوں اور قباحتوں کا خالق ہے) بلکہ یہ کہا جاتا ہے خالق جمیع الکائنات خیر آ کان او شر آ (اللہ تمام کائنات کا خالق ہے خواہ وہ خیر ہو یا شر ہو) کیونکہ تنہا برائیوں کو اللہ کی طرف منسوب کرنا اللہ تعالی کی جناب میں بے ادبی ہے۔

وہ خطرہ جو بالواسطہ ہو اور خیر بھی ہو تو وہ خطرہ ملکی ہے، اس کے برعکس وہ خطرہ جو بالواسطہ شر ہے اور ایسی معین بات کے قصد و ارادے سے ہے جس میں نفس کے لیے لذت کا سامان ہے تو وہ خطرہ نفسانی ہے۔ وہ خطرہ جو قصد و اصرار کے ساتھ کسی معین فعل کے لیے نہیں ہے خطرہ شیطانی ہے۔ خواہش نفسانی اور خواہش شیطانی میں بنیادی فرق یہی ہے کہ اول الذکر قصد و اصرار کے ساتھ کسی معین بات کے لیے ہوتی ہے اور موخر الذکر قصد و اصرار کے ساتھ غیر معین بات کے لیے ہوتی ہے۔

جب شیطان کسی شخص کو کسی گناہ کی دعوت دیتا ہے اور وہ گناہ اس شخص کو قبول نہ ہو یا وہ اسے فوراً حاصل نہ ہو تو شیطان فوراً دوسرا وسوسہ پیدا کر دیتا ہے، کیونکہ شیطان کا مقصود کسی فعل کے بارے میں متعین نہیں ہے کہ لامحالہ وہ فعل سرزد ہونا چاہیے بلکہ اس کا مقصود یہ ہے کہ سر تسلیم خم کرنے والے کو راستے سے بھٹکا دے، یہ امر جیسے بھی ممکن ہو، خیر سے یا شر سے۔

اس موقعے پر قطب عالم نے فرمایا کہ صوفیہ میں سے ایک بزرگ نے بیان کیا ہے کہ میں خلوت و مجاہدے میں مشغول تھا، اچانک شیطان نے مجھے وسوسے میں ڈالا اور میرے دل میں یہ خیال پیدا کیا کہ کہ تو ایک عالم اور آں حضرت صلعم کی سنت کی پیروی کرنے والا شخص ہو سکتا ہے، اگر تو مشائخ کی باتیں اور آں حضرت صلعم کی احادیث کی اسناد تلاش کرنا شروع کر دے تو یہ کام خلوت اور مجاہدے میں بیٹھنے سے بہتر ہے۔ اگر تو ایسا نہیں کرے گا تو زیادہ بہتر کام سے محروم رہے گا۔ میں اسی کشش و

پنج میں تھا کہ ہاتف غیبی نے آواز دی کہ بندہ خدا مجاہدہ ترک نہ کر اور خلوت گاہ سے قدم باہر نہ نکال۔ اس پر مجھے شیخ محمد بن حسین سلمی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یاد آیا، وہ آخر عمر میں فرمایا کرتے تھے: استغفر اللہ، ان الغلو فی الاسناد من زخارف الدنیا (میں اللہ کی بخشش مانگتا ہوں، بے شک اسناد میں غلو کرنا دنیا کے اسباب میں سے ہے)۔ پس میں نے جان لیا کہ یہ خطرہ شیطانی ہے، خطرہ رحمانی نہیں ہے۔ میں نے یہ خطرہ دور کر دیا اور متنبہ ہو گیا۔ پھر اچانک شیطان لعین نے دوسرا وسوسہ ڈالا اور کہا کہ یہ بات کس قدر عمدہ ہو گی کہ تم ایک کتاب "حبل الورید علی المرید" کے نام سے لکھو تاکہ لوگ میرے حیلوں اور وسوسوں سے واقف ہو جائیں، اس کے علاوہ دنیا و آخرت میں تمھارا نام ہو گا اور یہ کام ذخیرہ ثواب ہو گا۔ طالبین اس کتاب سے رجوع کریں گے اور میرے مکر و حیلے سے نجات پائیں گے۔ چنانچہ میں نے وہ کتاب لکھنے کا ارادہ کر لیا لیکن میرے شیخ میرے مددگار بن گئے اور مجھے متنبہ کیا کہ یہ بھی حیلہ شیطانی ہے، وہ تمھیں دل کے اطمینان اور انسیت سے دور کر دینا چاہتا ہے۔

منقول ہے: سالک کو معلوم ہونا چاہیے کہ مطالبات نفس دو طرح کے ہیں۔ ان میں سے بعض مطالبات وہ حقوق ہیں جن کے بغیر چارہ نہیں اور بعض ایسے مطالبات ہیں جو محض لذات ہیں، پس جو مطالبات حقوق ہیں وہ (سالک کی) ضرورت ہیں کیونکہ ذات کا قیام اور زندگی کی بقا ان سے وابستہ ہے۔ ان حقوق کی ادائیگی طے شدہ ہے لیکن لذات حقوق سے زائد ہیں، پس سالک طالب پر لازم ہے کہ وہ حقوق کو حظوظ (لذات) سے الگ رکھے تاکہ حقوق ادا کر سکے اور حظوظ کو دور کر سکے۔

مبتدیوں پر لازم ہے کہ وہ ضرورت کی حد تک حق نفس ادا کریں لیکن ان کا حد ضرورت سے تجاوز کرنا ان کے حق میں گناہ ہے۔ اسی بنا پر مشائخ نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی مرید کو دیکھو کہ وہ شہوتوں پر ٹک گیا ہے اور نفسانی لذتوں کا طالب ہے

تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے۔ پس سالک کے لیے ضروری حقوق سے دست بردار ہونا بھی ہلاکت ہے اور ضروری حقوق سے تجاوز کرنا بھی ہلاکت ہے، اس لیے بحد ضرورت حق نفس ادا کرنا چاہیے اور ضرورت سے زیادہ حق نفس کی ادائیگی سے بچنا چاہیے۔

سالک منتہی راہ کی کشادگی اور وسعت کا حامل ہوتا ہے، چنانچہ اس کے لیے ضرورت کی تنگی سے مشاہدہ اور دوستی کے میدان کی طرف نکلنا اور حق سبحانہ تعالیٰ کے حکم سے لذتوں کے خطرات کو ڈھیل دینا جائز ہے، یعنی سالک منتہی صاحب مکاشفہ و مشاہدہ ہوتا ہے اور نفس کے ساتھ آسانی کا برتاؤ کرتا ہے کیونکہ اس نے نفس کو اپنا مطیع اور فرماں بردار بنا لیا ہے، اس کے لیے راہ بھی کشادہ ہے، وہ ضرورت کی تنگی سے باہر نکل سکتا ہے اور حکم الٰہی سے لذتوں کے خطرات کو ڈھیل دے سکتا ہے، یعنی لذت حاصل کرسکتا ہے اور لذتوں اور خواہشوں کے ساتھ (اللہ کی یاد میں) مشغول رہ سکتا ہے۔

قطب عالم شیخ مینا نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک بیوہ عورت کا بیٹا حضرت شیخ عبدالقادر گیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مجاہدہ و خلوت میں مشغول ہو گیا۔ حضرت شیخ نے جیسا کہ مجاہدے کا طریقہ ہے اس لڑکے کو کم کھانے، کم بولنے اور کم سونے کا حکم دیا۔ ایک روز اس لڑکے کی ماں آئی۔ اس نے لڑکے کو بہت لاغر پایا، کم خواری کا حال سنا، وہ شیخ کی خدمت میں آئی۔ وہاں اس نے دیکھا کہ آپ بہت نفیس کپڑے پہنے ہوئے فرحت و ہمت کی ساتھ تشریف فرما ہیں۔ مرغ اور دوسرے اقسام کے کھانے تناول فرما رہے ہیں۔ اس ناقص العقل عورت نے کہا کہ اے شیخ آپ نے میرے بیٹے کو ایسے برے حالوں رکھا ہوا ہے، اس قدر کم کھانا کھانے کو دیتے ہیں اور خود اس قدر آسائش کے ساتھ ہیں اور خوب کھاتے ہیں۔ حضرت شیخ نے مرغ کا ایک ٹکڑا اس کو دیا کہ کھائے۔ جب وہ عورت اپنا ہاتھ منہ تک لے گئی، کیا دیکھتی ہے کہ وہ سانپ ہے اور اس کا مزہ تلخ اور کھاری ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تیرا بیٹا ایسا ہو

جائے کہ مرغ کو سانپ اور سانپ کو مرغ سمجھے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ اس کے آگے کھانے کے لیے مرغ رکھیں اور وہ کھائے۔ وہ عورت اپنی گستاخی پر پشیمان ہوئی اور توبہ کی۔

یہ بات اچھی طرح جان لیں کہ اس مقام پر جواں مردی تو اس میں ہے کہ سالک منتہی نفس کو سزا دینے اور اسے شہوت سے باز رکھنے سے بے پروا ہو جائے۔ اس سلسلے میں بعض حضرات نے جو یہ کہا ہے کہ سالک اس مقام میں روزہ نماز اور نوافل کی کثرت سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اسے نفس کو شہوت سے باز رکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی، صحیح نہیں ہے، کیونکہ سالک منتہی (خواہ کتنے ہی مقامات طے کیوں نہ کرے) جبلت اور طبیعت کو ختم نہیں کرسکتا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ سالک منتہی نفس کو اپنا مطیع اور فرماں بردار بنالیتا ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ میں اور نفس چرواہے اور بھیڑوں کی مثل ہیں۔ جب کبھی ایک جانب سے ہانک کر لاتا ہوں، وہ دوسری جانب دوڑ جاتا ہے یعنی میں نفس کو کسی ایک لذت سے روکتا ہوں تو وہ کسی دوسری لذت کی جانب دوڑتا ہے۔

اس مسئلے میں مناسب نقطہ نظر یہ ہے کہ سالک منتہی کسی شے کو حاصل کرنے یا ترک کرنے کا پورا اختیار رکھتا ہے۔ وہ کبھی کثرت سے عمل کرتا ہے اور کبھی نفس کو آسانی دینے کی خاطر ترک کر دیتا ہے۔ کبھی نفس کو سزا دینے کے لیے لذات نفس کو ترک کر دیتا ہے، کبھی نفس کو آسانی دینے کے خیال سے لذتوں کو حاصل کرتا ہے۔ لذت کا یہ حصول کبھی رفاقت نفس کی نیت سے ہوتا ہے اور کبھی رفاقت نفس کی نیت حق سبحانہ تعالیٰ کے حکم سے کی جاتی ہے، کیونکہ بعضے کامل سالکوں نے پہلے حق سبحانہ تعالیٰ سے حکم کی درخواست کی، پھر نفس کو آسانی دینے کے لیے

لذتوں سے متمتع ہوئے بلکہ ایسی بات جو شرعاً حرام و ممنوع ہے اس کی اجازت کے لیے بھی اللہ تعالیٰ سے حکم کی درخواست کی ہے، حتیٰ کہ انھیں حکم ہوا، میں نے تمھارے لیے حلال کیا، کھا سکتے ہو، لیکن یہ رتبہ ہر کسی کو میسر نہیں ہے صرف شہبازوں اور مقربوں کا یہ مقام ہے۔

قطب عالم نے فرمایا، ایک دفعہ دو بزرگ عارف کسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک عورت کوئی میٹھی چیز ان کی خدمت میں لائی۔ ان میں سے ایک بزرگ نے فرمایا، اسے یہاں سے لے جاؤ، ہمارے لیے اس کا کھانا حلال نہیں ہے، کیونکہ فریب کے مال سے حاصل کی گئی ہے۔ دوسرے بزرگ نے اپنا سر جھکایا (جیسے کچھ غور کر رہے ہوں) تھوڑی دیر بعد سر اٹھا کر فرمایا لے آؤ ہم کھائیں گے۔ چنانچہ وہ شیرینی ان کے آگے رکھ دی گئی اور انھوں نے کھانا شروع کر دیا۔ جن بزرگ نے یہ فرمایا تھا اس شیرینی کا کھانا ہمارے لیے جائز نہیں ہے، انھیں بھی بلا کر شریک طعام کر لیا۔ جب وہ کھانے سے فارغ ہو گئے تو لوگوں نے ان سے دریافت کیا کہ یہ کیا بات ہوئی، پہلے تو آپ نے فرمایا تھا کہ اس شیرینی کا کھانا ہم پر حلال نہیں ہے۔ جب دوسرے بزرگ نے آپ کو بلایا تو آپ نے وہی شیرینی تناول کی۔ انھوں نے جواب دیا کہ جب وہ عورت شیرینی لے کر آئی تھی تو میں نے تحقیق سے یہ معلوم کر لیا تھا کہ اسے حرام مال سے حاصل کیا گیا ہے اور اسی بنا پر میں نے کہا تھا کہ میں نہیں کھاؤں گا۔ جب میرے رفیق نے مراقبہ کر کے حق تعالیٰ سے حکم کی درخواست کی تو حکم ہوا، میں نے تمھارے لیے حلال کیا اور اس کے لیے بھی جسے تم کھلاؤ۔ جب مجھے یہ معلوم ہو گیا تو میں بھی آ کر شریک طعام ہو گیا۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا کہ جب سالک خطرات کی نفی کرنے میں مسلسل لگا رہتا ہے، اور یہ خطرات کی نفی بہت بڑی شرط ہے بلکہ خلوت کے عمل کا خلاصہ

ہے، پھر وہ وقت آجاتا ہے جب سالک حقیقت تفرید اور انس کے مقام پر پہنچ جاتا ہے۔ اس وقت شیطان کی باتیں الہام رحمانی میں اور نفس کی باتیں مکالمہ روح میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور دل حق تعالی کی مناجات میں مشغول ہو جاتا ہے، انشاء اللہ تعالی۔

شیخ قوام الحق والدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں : "اے درویش ! وصول الی اللہ کی شرط تجرید و تفرید (مخلوق اور اپنی خودی سے بے تعلقی) ہے، اور وہ اپنے ہاتھ اور دل کو غیر اللہ سے خالی کر دیتا ہے۔ان دو خوبیوں کے بغیر کسی شخص کو خدا تک پہنچنے کا راستہ نہیں ملا۔جس شخص نے سب سے کٹ کر خدا کی طرف رُخ کیا اسی نے اس کو پایا۔ ایسے بامراد شخص کے سامنے شاہان عالم خالی ہاتھ اور بے آسرا گدا ہیں۔

در مملکت فقر زمانے گزرے کن

تا قیصر و خاقانت نمایند گدایاں

تم کچھ وقت زمانہ فقر کی سلطنت میں بسر کرو تا کہ حق تعالی قیصر و خاقان کو تمہارے دروازے کے بھکاری بنا کر دکھائیں۔

فصل - شرائط ثمانیہ کی ساتویں شرط، ربط القلب بالشیخ من جهة الارادة التامه لانه رفيق فى الطريق پورے ارادے سے شیخ کے ساتھ قلبی تعلق ہے، کیونکہ شیخ راستے کے رفیق ہیں۔جب تک رفیق سفر کے ساتھ قلبی ربط مضبوط نہیں ہوتا منزل اور مقصد تک پہنچنے میں دشواری ہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

شیخ سے قلبی تعلق کا مطلب یہ ہے کہ اپنے دل کو ہمیشہ شیخ کی جانب متوجہ رکھے۔شیاطین کے ظہور یا دوسرے عوارض کے وقت شیخ کی ولایت کے سائے میں پناہ لینے کے لیے دوڑے۔ ذکر کی ابتدا میں شیخ کو اس معنی میں یاد کرے کہ اے شیخ میں اعلان کرتا ہوں کہ میں حق تعالی کے سوا کسی کا طالب نہیں ہوں، آپ گواہ رہیں۔ تمام احوال میں شیخ کو یاد کرے۔ جب منزل مراد تک پہنچ جائے تب بھی خود کو شیخ کی

تربیت و ہمت کا محتاج خیال کرے۔

منقول ہے کہ "مرید پر واجب ہے کہ وہ اس امر کا یقین کرے کہ مشائخ وقت میں اس کے شیخ کے سوا کوئی ایسا نہیں ہے جو اسے حق تعالیٰ تک پہنچا دے، اگرچہ مشائخ وقت میں ہر ایک اس خصوصیت کا حامل ہو اور ہر ایک میں اس کے حال سے باخبر ہونے کی صلاحیت ہو یا ایسا ہو کہ ساری دنیا میں اس کے شیخ کے علاوہ ایک شخص ہو جو اسے حق تعالیٰ تک پہنچا دے (دونوں صورتوں میں) شیطان اس کے باطن میں تصرف کرے گا اور خلوت میں اسے لغزشوں میں مبتلا کرے گا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ شیطان تصرف کر کے اس کے شیخ کی شکل میں اس کے پاس آئے اور اسے ایسی چیزیں دکھائے جن سے اس کا اعتقاد فاسد ہو جائے۔"

اس قول کی مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا، خزانہ جلالی میں ایک مکتوب ہے جو حضرت شیخ قوام الدین کی خدمت میں بھیجا گیا تھا، اس کا مضمون یہ ہے:

"مولانا عالم صالح خواجہ قوام الدین محمد بن ظہیر الدین نے کئی بار دریافت کیا کہ جب کسی مرید کی مکمل تربیت سے قبل اس کے شیخ کی وفات ہو جائے تو (ظاہر ہے کہ) وہ اس راہ میں بہت زیادہ نقصان میں رہے گا، کیونکہ وہ اپنے کام کی بہتری کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، اسے یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ مقام قرب کی نوعیت کیا ہے، اور اسے کس طرح اپنے کام میں مشغول ہونا ہے۔

اگر وہ اپنے نفس کی تکمیل کے لیے بلند مرتبہ مشائخ کے گروہ میں جائے اور ان میں سے کسی ایک شیخ واصل اور مرشد کامل کی تابعداری اختیار کرے اور اپنے نفس پر اس شیخ کی اطاعت اس طرح لازم کرے جیسے غسال کے ہاتھ میں مردہ ہوتا ہے، کیونکہ مشائخ نے فرمایا ہے، من خالف المشائخ لم یفلح ابدا (جس نے مشائخ کی مخالفت کی وہ کبھی فلاح نہیں پا سکتا)۔ یہ مرید مشائخ کی ہدایت پر بالکل اسی طرح عمل کرتا ہے جیسے

بعضے مشائخ اس قسم کے واقعے سے دوچار ہوئے کہ انھوں نے خود کو کسی دوسرے شیخ کے تصرف میں دے دیا تا کہ نقصان میں نہ رہیں۔

سوال یہ ہے کہ اس باب میں گروہ مشائخ کا بہترین طریقہ کیا ہے؟ اپنے تمام تر کرم کے ساتھ اس بے کس کی دستگیری کریں اور وضاحت فرمائیں۔

جواب تفصیل۔ یہ دریافت کردہ تحقیق اور مسئلہ "تحفۃ البررۃ الاسئلۃ العشرۃ" اور سلوک کی دوسری کتابوں میں بیان ہوا ہے۔ وہاں کہا گیا ہے کہ (ایسا مرید) کسی دوسرے شیخ سے تعلق پیدا کرے تاکہ اس کی تکمیل ہو جائے اور اس کی کوشش ضائع اور باطل نہ ہو۔"

تحفۃ البررہ میں مصنف نے تحریر کیا ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اور (مرید کے) درمیان جس قدر تعداد مشائخ زیادہ ہو گی، اسی قدر راہ زیادہ روشن ہو گی۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ جس مقام پر شمع اور چراغ زیادہ ہوتے ہیں وہاں روشنی بھی تیز ہوتی ہے۔

بعضی کتابوں میں ہے کہ شیخ نجم رحمۃ اللہ علیہ کے مریدوں کو علم تھا، حضرت شیخ نجم الدین کے تین شیخ تھے۔ ایک شیخ اسماعیل بصری، دوسرے شیخ عمار یاسر اور تیسرے شیخ ضیاء الدین ابو النجیب رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ اور اسی وجہ سے ان کو شیخ "سہ تراش" کہتے تھے کیونکہ انھیں تین مشائخ کی مدد اور قوت حاصل تھی۔ یہ نوع چونکہ مشائخ صوفیہ کے طبقات میں مستحسن اور پسندیدہ رہی ہے اس لیے لازم ہے کہ (سالک) اپنی زندگی بیکار اور ضائع بسر نہ کرے اور کسی شیخ کی تابعداری میں رہے تاکہ حق تعالی اسے درجہ کمالیت نصیب فرمائیں۔

منقول ہے، بیان کیا گیا کہ مرید کو اس امر کا یقین ہونا چاہیے کہ شیخ کی

روحانیت ایک جگہ سے دوسری جگہ آجاسکتی ہے اور کسی ایک مقام پر جامد نہیں ہے۔ شیخ کے لیے تمام جگہیں ایک جیسی ہیں، پس مرید جہاں کہیں بھی ہے روحانیت شیخ اس سے جدا نہیں ہوتی، اگرچہ شیخ جسمانی طور پر اس سے دور ہوں۔ لہذا مرید کے حق میں شیخ سے دوری کوئی معنی نہیں رکھتی۔

(اس سلسلے میں یہ نکتہ پیش نظر رکھنا چاہیے کہ) مرید کی رسائی ابھی مقام روح تک نہیں ہوئی ہے اور شیخ مقام روح تک رسائی حاصل کر چکے ہیں بلکہ مقامات روح سے بھی عروج کر چکے ہیں، اس لیے لازمی امر ہے کہ شیخ کی روحانیت ایک جگہ سے دوسری جگہ آجا سکے اور مرید سے جدا نہ رہے، بلکہ یہ بھی ممکن ہے کہ اہل عروج جو مختلف مقامات سے اپنی روح کو منتقل کرنے اور روحانی ہم شکلی کی قدرت رکھتے ہیں، آن واحد میں مختلف جگہوں پر موجود ہوں۔

منقول ہے کہ جس شخص کو اپنے شیخ سے قلبی تعلق زیادہ ہوتا ہے، اس پر شیخ کی مدد کا انعام بھی بے حساب ہوتا ہے کیونکہ جب شیخ کے ساتھ مرید کا ربط بڑھتا ہے تو حق تعالی جو دلوں کی حالت بدلنے کی قدرت رکھتے ہیں، شیخ کے دل اور روحانیت کو مرید کی جانب پھیر دیتے ہیں۔ جو شخص کسی کی معیت میں ہوتا ہے وہ بھی اس شخص کے ساتھ ہوتا ہے۔ جو شخص کسی کے خیال میں ہوتا ہے وہ بھی اس شخص کے خیال میں ہوتا ہے، القلوب مع القلوب تتشاهد (قلوب، قلوب کے ساتھ موجود ہوتے ہیں) کے یہی معنی ہیں۔

قطب عالم نے فرمایا ہے کہ ایک بادشاہ کے غلام اور ملازم خوش شکل اور ملیح چہرہ تھے، لیکن بادشاہ کی توجہ اور عنایت اپنے غلام پر تھی جو خوش شکل نہ تھا بلکہ لوگ اس کے لباس سے بھی نفرت کرتے تھے۔ مصاحبین اس سبب سے کہ بادشاہ اس غلام کی جانب بہت زیادہ مائل تھا، اس کے خلاف بادشاہ کے کان بھرتے تھے۔ بادشاہ اگرچہ ان

کی مخالفت کے سبب سے واقف تھا، لیکن اس نے اپنی مہربانی کی وجہ سے یہ ظاہر نہیں کی، نہ کسی پر یہ راز منکشف کیا اور ان کی بے ہودگیوں کو برداشت کرتا رہا۔

ایک دفعہ بادشاہ نے سفر کا ارادہ کیا اور شہر سے باہر نکلا۔ گرم ہوا چلنے لگی تو ایک درخت کے سایے میں کھڑا ہو گیا۔ اچانک بادشاہ نے ایک جانب نگاہ کی۔ جب بادشاہ نے بار بار اسی جانب دیکھا، تو اس غلام نے بادشاہ کے حکم کے بغیر اپنا گھوڑا اس طور دوڑایا اور بادشاہ جو چاہتا تھا اسے بجا لایا۔ جس وقت غلام نے گھوڑا دوڑایا غلام اور ملازم جو اس سے حسد کرتے تھے اس پر ہنسنے لگے اور کہنے لگے کہ ہمارا بادشاہ اس بے وقوف کی ایسی ہی فضول حرکتوں کو پسند کرتا ہے۔ جب غلام بادشاہ کی مرضی کو پورا کر کے اس کے سامنے حاضر ہوا تو بادشاہ نے کہا، ہم نے تو تم سے کچھ کہا بھی نہیں تھا، تو نے کس طرح ہماری مرضی معلوم کر لی اور گھوڑے کو اس جانب دوڑایا۔ غلام نے عرض کی کہ جہاں پناہ بار بار اس چیز کی جانب نگاہ کرتے تھے۔ میں نے سوچا کہ جہاں پناہ کا بار بار ایک طرف دیکھنا بے وجہ نہیں ہے چنانچہ میں نے اسی طرف گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور وہ چیز لے کر خدمت میں حاضر ہو گیا۔ بادشاہ کو وہ چیز بہت پسند تھی، لے کر بے حد خوش ہوا، اور کہ دوستو! انصاف کرو، تم میرے دربار میں ہمیشہ اپنے خیالوں میں مگن رہتے ہو اور کسی کو میرے حال اور مرضی کی خبر نہیں ہوتی، لیکن یہ بدصورت غلام میرے ارادے اور میری مرضی کی دھن میں رہتا ہے، پس جو کسی کے خیال میں رہتا ہے کیوں نہ وہ بھی اس کے خیال میں رہے۔

شیخ کون ہوتا ہے؟

فصل ۔ رسالہ ملیہ کے مصنف کہتے ہیں کہ شیخ وہ ہوتا ہے جو مریدوں کے قلوب میں دین اور شریعت کو قائم کر دیتا ہے، یعنی وہ ایسے مقام پر ہوتا ہے کہ اسے دین و شریعت میں پختہ یقین اور عمل کرنے کی قوت حاصل ہوتی ہے، جس سے کام لے کر وہ دین و شریعت کو مریدوں کے دل میں راسخ کر دیتا ہے۔

وہ شخص باطنی تربیت اور رہنمائی کا اہل نہیں ہے جو سالک نہ ہو اور نیک و بد کا باطنی شعور نہ رکھتا ہو، یعنی وہ شخص ظاہری رذائل اور فضائل سے واقف ہونے کے ساتھ ساتھ باطنی رذائل و فضائل سے بھی آگاہ ہو، اور جس نے اپنی ذات سے ناپسندیدہ باتوں کو دور کر دیا ہو، اور پسندیدہ باتوں کو اپنی ذات میں رچا بسا لیا ہو۔

مجذوب باطنی تربیت اور رہنمائی کا اہل نہیں ہے، کیونکہ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ مجذوب نے مقصود کو حاصل کر لیا ہو اور وہ واصلان حق میں سے بھی ہو لیکن اس نے اللہ تعالی کے راستے کی مشکلات کو عبور نہیں کیا، یعنی اس نے راہ سلوک کی مشقتوں کو برداشت نہیں کیا۔ ناپسندیدہ اور پسندیدہ باتوں سے بتدریج آشنا نہیں ہوا بلکہ ایک دم میں منزل مقصود پر کھینچ لیا گیا اور واصل و مقرب ہو گیا، پس مجذوب عارف تو ہوسکتا ہے، مرشد نہیں ہوسکتا۔ جب تک وہ مرشد نہ بنے باطنی تربیت کا اہل نہیں ہے۔

جس طرح مجذوب تربیت اور رہنمائی کے لائق نہیں ہوتا اسی طرح محض سالک بھی رہنمائی اور پیشوائی کے لائق نہیں ہوتا۔

مجذوب سالک اور سالک مجذوب پیری و پیشوائی اور ہدایت کے اہل ہوتے ہیں۔

مجذوب سالک سالک مجذوب سے زیادہ بہتر اور بلند رتبہ ہوتا ہے۔

منقول ہے کہ اپنے آپ کو اور اپنی طاعت کو ناچیز خیال کرنا چاہیے اور دوسرے تمام لوگوں کو اپنے سے بہتر اور خود کو ان سے کم تر تصور کرنا چاہیے بزرگوں نے فرمایا ہے، خود کو کوئی چیز جاننا خود کو ناچیز کرنا ہے۔ قطب عالم اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

ساقی بیار بادہ کہ نزدیک عارفاں
میخوار بہ ز زاہد معجب ہزار بار

اے ساقی شراب لے آ کہ اہل معرفت کے نزدیک مے خوار زاہد مغرور سے ہزار

درجہ بہتر ہے۔

شیخ قوام الحق والدین فرماتے ہیں کہ وہ حضرات ہیں جو ہدایت سبحانی کے قصر میں ربانی نظر عنایت کی بنا پر شاہ کے خلوت خانے کی عروس ہیں اور اس بارگاہ الٰہی کے شاہد ہیں کہ اولیاء اللہ ان کے جمال با کمال پر برجمائے عزت ڈالتے ہیں اور انھیں اپنی بارگاہ کی حرم سرا میں بٹھاتے ہیں تا کہ غیروں کے غبار نظر سے پوشیدہ رہیں۔

بیان کیا گیا ہے کہ شیخ کو شریعت سے متعلق فرض، سنت، نفلی عبادت اور مختلف قسم کے حلال و حرام کا علم ہونا چاہیے تا کہ وہ حلال و حرام اور فرض و سنت میں فرق کر سکے۔

طریقت میں شیخ پر لازم ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ کی راہ میں مختلف تدابیر اور مریدوں کے لائق مختلف مجاہدات کا علم ہو۔ اسے یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ کون سا مرید کس قسم کے مجاہدے کا اہل ہے۔ اس کی اسی طریقے پر تربیت کرے۔ اگر کوئی مرید ریاضت سفلی کا اہل ہے تو اس سے ریاضت علوی نہ کرائے۔

ریاضت سفلی کم کھانا، کم بولنا، کم سونا، لوگوں سے کم ملنا جلنا اور ذکر میں مشغول رہنا۔

ریاضت علوی، خطرات کی نفی کرنا اور پاس انفاس ہے کہ فقیر کی عبادت خطرات کی نفی ہے اور وہ مجاہدہ کرنے والوں پر بہت سخت چیز ہے۔

شیخ قوام الحق والدین فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے طریقت کے اصولوں کے خلاف ہدایت شروع کر دی ہے۔ جو طالب علم ان کے پاس آتا ہے، اسے عام طور پر اپنی تعلیم ترک کرنے کی ترغیب دیتے ہیں۔ وہ بے چارہ ابتدائے حال میں نہ نیکوں کے درجے میں ہوتا ہے نہ اسے سب سے آگے مقربوں کا مقام حاصل ہوتا ہے۔ ایسے مرید کو ترک تعلیم کی ترغیب دینا، اس پر نیکیوں کا دروازہ کھولنے کے بجائے بند کرنا

ہے۔ پھر دوسری مصیبت یہ ہے کہ اس مرید کو توبہ میں استقامت حاصل کرنے سے قبل ہی اپنی ہستی کی نفی کرنے، فنا فی اللہ ہونے اور توحید کو مجرد کرنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ اس طرح ابتدا ہی میں اس بے مقام شخص کو جو ابرار کے مرتبے سے بھی واقف نہیں ہوتا گمراہی میں مبتلا کر دیتے ہیں اور مقصود کلی سے باز رکھتے ہیں، لیکن وہ شیخ جو صاحب تصرف اور صاحب ولایت ہوتا ہے اپنی ولایت کی قوت سے، چاہے تو آن واحد میں یہ اوصاف مرید کی ذات میں پیدا کرسکتا ہے۔ ایسے شیخ کے لیے روا ہے کہ وہ مرید سے سفلی اور علوی ریاضت نہ کرائے اور آن واحد میں اسے خدا تک پہنچا دے۔ ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشا۔ (یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہے عنایت فرمائے، سورہ الجمعۃ، ۴)

منقول ہے کہ خضر کی نوع کے بارے میں بھی اختلاف رائے ہے۔ بعض انھیں فرشتہ (اور بعض بشر) کہتے ہیں۔ جو لوگ انھیں انسان کہتے ہیں ان کے قول میں بھی اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ نبی تھے اور بعض ولی اور صاحب اختیار کہتے ہیں۔ رسالہ مکیہ کے مصنف کا خیال ہے کہ خضر ولی تھے۔ جیسے کہ اوپر تصریح کی گئی ہے، ان کا قول خضر کی ولایت کے بارے میں ہے۔ ہر گروہ اپنے قول کو دلیل کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ یہاں اختصار کے سبب انھیں بیان نہیں کیا جا رہا ہے۔ اگر تم چاہتے ہو تو رسالہ مکیہ میں دیکھ لو۔ خضر کا تلفظ تین طرح سے کیا گیا ہے:

(۱) خا پر زبر اور ضاد کے نیچے زیر۔

(۲) خا کے نیچے زیر اور ضاد ساکن۔

(۳) خا پر زبر اور ضاد ساکن۔

ابی اللیث رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر معالم التنزیل میں سورہ کہف کی تفسیر میں بیان کیا ہے کہ خضر ایک بادشاہ کے فرزند تھے۔ بادشاہ چاہتا تھا کہ ان کو اپنی جگہ بٹھائے،

لیکن خضر نے اسے قبول نہیں کیا اور وہاں سے بھاگ نکلے۔ اس کی جزا میں دریا سے پیوست ہو گئے۔

بعض کہتے ہیں کہ وہ بنی اسرائیل کی قوم سے تھے اور بے شک خضر کو موت واقع ہو گی، کل نفس ذائقۃ الموت، و ھو الحی الذی لایموت (انبیاء : ۳۵، الفرقان : ۵۸) یعنی ہر جاندار (ایک نہ ایک دن) موت (کا مزہ) چکھنے والا ہے اور صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو زندہ ہے، جس کو موت نہیں)۔

علما کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ خضر اس وقت تک زندہ ہیں یا نہیں۔ بعضے کہتے ہیں: "وہ زندہ نہیں ہیں کیونکہ اگر زندہ ہوتے تو پہچانے جاتے اور اگر (خود) پہچنواتے تو ان کی نشانیاں ظاہر ہوتیں اور یہ جائز نہیں ہے کہ وہ نبی علیہ السلام کے بعد نبی ہوں۔ یہ بات (اس کے لیے ہے) جن کی رائے ہے کہ خضر نبی ہیں۔"

بعضے کہتے ہیں: "وہ زندہ ہیں کیونکہ انھوں نے چشمہ حیات کا پانی پیا ہے۔ معالم التنزیل میں کہا گیا ہے کہ خضر اور الیاس دونوں زندہ ہیں اور ہر سال حج کے دنوں میں ملاقات کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں فریقین کے دلائل اور ایک دوسرے کے جواب دلائل تفسیر کی کتابوں میں مذکور ہیں اور صحابہ، تابعین، علما، مشائخ اور صلحا سے جو روایتیں منقول ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے بعض لوگوں نے خضر کو دیکھا ہے اور پہچانا ہے۔

اس ذکر کی مناسبت سے قطب عالم نے فرمایا، جیسا کہ مشہور ہے کہ مولانا ضیاء الدین سنامی کو حضرت شیخ نظام الدین سے سماع کے سبب مخالفت تھی۔ ان کے درمیان صلح و آشتی کا سبب یہ ہے کہ ایک غیر شادی شدہ صوفی تھے جو ہمیشہ اپنے حجرے میں مشغول رہتے تھے۔ وہ کسی سے سوال نہیں کرتے تھے۔ ان کے پڑوس میں ایک جولاہا رہتا تھا۔ وہ افطار کے وقت انھیں کھانا پہنچاتا تھا۔ مولانا ضیاء الدین ان صوفی بزرگ سے

محبت و اعتقاد رکھتے تھے۔ ایک دن مولانا ضیاء الدین نے ان بزرگ سے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ خضر سے ملاقات ہو جائے۔ ان صوفی نے جواب دیا کہ جس روز شیخ نظام الدین کے ہاں سماع ہوتا ہے، خواجہ خضر آتے ہیں اور صوفیوں اور تمام حاضرین مجلس کی جوتیوں کی حفاظت اور نگہبانی کرتے ہیں۔ اس دن سے مولانا ضیاء الدین کو مخدوم شیخ نظام الدین سے اعتقاد پیدا ہو گیا۔ انھوں نے مخدوم سے موافقت کر لی اور عداوت ختم کر دی۔

قطب عالم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ شیخ نظام الدین کے ایک مرید تھے۔ وہ کچھ عرصہ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر رہے۔ ایک دن شیخ نے ان سے فرمایا کہ اگر تمھاری کوئی حاجت ہے تو بیان کرو۔ ان مرید نے عرض کیا میری خواہش ہے کہ خضر سے ملاقات کروں۔ حضرت شیخ نے فرمایا، یہاں سے کافی مسافت پر فلاں مقام ہے، وہاں ایک عرضی نویس رہتا ہے۔ اس عرضی نویس کے مکان کے سامنے ایک مسجد ہے۔ خواجہ خضر ہر روز اس مسجد میں آتے ہیں، تم وہاں جاؤ، ملاقات ہو جائے گی۔ شیخ نے خواجہ خضر کا حلیہ اور شکل بھی مرید کو بتا دیا۔ مرید سفر پر روانہ ہو گئے اور کچھ عرصے کے بعد منزل مقصود پر پہنچ گئے۔ اس مسجد میں آئے اور سو گئے۔ اتفاق سے خضر بھی اسی حلیے اور شکل میں جو شیخ نے مرید کو بتایا تھا مسجد میں آ گئے اور وہ بھی سو گئے۔ یہ مرید کچھ دیر کے بعد جاگے اور خواجہ خضر کو پکڑ کر جگایا کہ اے خواجہ اٹھیے۔ خواجہ خضر نے ان سے پوچھا کہ میاں آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ میں خضر ہوں۔ انھوں نے کہا کہ مجھے شیخ نظام الدین نے بھیجا ہے۔ خواجہ خضر نے ان سے کہا اگر تمھاری کوئی ضرورت ہے تو بیان کرو۔ مرید نے جواب دیا کہ میں اپنی ضرورت تو بعد میں عرض کروں گا، پہلے آپ یہ فرمائیں کہ آپ اس مسجد میں روزانہ کیوں آتے ہیں۔ خواجہ نے کہا کہ میں اس عرضی نویس سے جس کا مکان اس مسجد کے سامنے ہے، ملنے آتا ہوں اور اس کا یہ حال ہے کہ مجھ سے ملاقات ہی نہیں کرتا۔ ان مرید نے خواجہ خضر کو وہیں چھوڑا اور لپک کر عرضی نویس کے مکان پر

پہنچے۔ انھوں نے دیکھا کہ وہ عرضی نویس گھوڑے پر سوار ہونے کے لیے تیار ہیں تاکہ بادشاہ کی خدمت میں جائیں۔ بہت سی عرضیاں اور کاغذ جن میں بندگان خدا کی حاجتیں تحریر تھیں عرضی نویس کی بغل میں تھے۔ عرضی نویس نے مرید سے پوچھا اگر تمھاری کوئی حاجت ہے تو جلدی سے کہو۔ مرید نے کہا، میری کوئی حاجت نہیں ہے لیکن آپ بتائیں کہ خواجہ خضر آپ سے ملاقات کرنے کے لیے روزانہ کیوں آتے ہیں اور آپ ان سے کس وجہ سے ملاقات نہیں کرتے؟ عرضی نویس نے جواب دیا کہ مجھے معلوم ہے کہ خواجہ خضر روزانہ آتے ہیں لیکن مجھے ان سے ملاقات کی فرصت نہیں ملتی۔ مرید نے کہا کہ آپ عجیب بات فرما رہے ہیں۔ عرضی نویس نے کہا کہ اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ہے۔ میں بادشاہ کا ملازم ہوں، لیکن میں اس سے تنخواہ یا روزینہ نہیں لیتا۔ میں نے بادشاہ سے کہا ہے کہ میری تنخواہ اور روزینہ یہی ہے کہ جب میں بندگان خدا کی عرضیاں آپ کی خدمت میں پیش کروں تو آپ روگردانی نہ کریں۔ تم دیکھ رہے ہو کہ اس وقت بھی میرے پاس بندگان خدا کی کس قدر عرضیاں ہیں۔ اگر میں کسی حاجت مند کی حاجت بر لاؤں تو یہ بہتر ہے یا خواجہ خضر سے ملاقات بہتر ہے۔

فصل۔ شرائط ثمانیہ کی آٹھویں شرط حق تعالی کے فیصلوں پر ہر طرح کا اعتراض ترک کرنا ہے۔ حق تعالی تنگی و کشادگی، رنج و راحت، صحت و مرض، رزق کی زیادتی اور کمی جو بھی دیں، اس پر راضی رہے اور اس کے آگے سر جھکا دے۔ ناپسند نہ کرے اور چون و چرا میں گرفتار نہ ہو۔

علم ہونا چاہیے کہ مرید کے حال کے مطابق بعض باتیں لازمی ہیں (جن پر اسے عمل کرنا ہے) جب وہ خلوت میں بیٹھنا چاہے تو تنہائی اختیار کرے۔ غسل کرے اور غسل کے دوران یہ نیت کرے کہ بے شک یہ میت کا غسل ہے یعنی خود کو مردہ کرلے اور اسی طرح اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دے جس طرح مردہ غسل کرانے والے کے

ہاتھ میں ہوتا ہے۔ کسی طرح کا تصرف اور حرکت اس میں باقی نہ رہے اور تمام تصرفات پر حق تعالی کو متصرف جانے۔ تمام احوال میں شاکر، راضی برضا اور صابر رہے۔ ....

منقول ہے کہ محبت کے روشن احوال میں سے ایک حال شوق ہے جو محبت کے قریب ہوتا ہے۔ محبت کے بعد شوق کی نمود بھی حق تعالی کی عطا اور بخشش ہے۔ اس میں ذاتی کوشش کا دخل نہیں ہے۔ محبت سے جو شوق پیدا ہوتا ہے وہ ایسے ہی ہے جیسے توبہ سے پرہیز گاری پیدا ہوتی ہے۔ جب توبہ پختہ ہو جاتی ہے تو زہد ظاہر ہوتا ہے اور جب محبت استوار ہوتی ہے تو شوق ظاہر ہوتا ہے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ حق تعالی کی محبت سب سے اعلی مرتبہ ہے۔ تمام درجات اور احوال کے بعد اس مرتبے میں رسائی ہوتی ہے۔ حق تعالی کی محبت کا ادراک کوئی حال نہیں ہے بلکہ یہ محبت کے پھلوں میں سے ایک پھل ہے، جیسے کہ شوق اور انس پھل ہیں۔ کوئی مقام ایسا نہیں ہے جو محبت سے برتر ہو۔ سب محبت سے پہلے کے احوال ہیں جیسے توبہ، پرہیز گاری اور زہد ہیں۔

ابو عثمان نے فرمایا، شوق محبت کا ثمر ہے۔ جس نے حق تعالی سے محبت کی اسے حق تعالی کو دیکھنے کا شوق ہوا۔

منقول ہے ایک بار (مجلس میں) قرب و بعد کا ذکر آ گیا، یعنی دوری کا مطلب مشاہدے اور مکاشفے سے دور ہو جانا ہے اور قرب عبارت ہے مکاشفے کے ساتھ حق تعالی کے قریب ہونے سے۔ بعضوں نے کہا ہے قرب ذلیل و خوار ہونا ہے، اس اعتبار سے کہ اللہ تعالی فرماتا ہے، واسجد و اقترب (علق : ۱۹) (اور آپ سجدہ کرتے رہیے اور قرب حاصل کرتے رہیے) قرب عزت ہے۔ جس قدر کہ درگاہ مولی کا غلام خوار ہو گا، اسی قدر زیادہ عزت ملے گی۔ قطب عالم نے فرمایا:

کس بصد سال نیابد رہ در عزت یار

تا بہ عزت نہ کشد زیں در صد خواری را

کوئی شخص سو سال تک (محبوب کے) دروازہ عزت میں باریاب نہیں ہوسکتا۔ جب تک عزت کے ساتھ اس دروازے سے سو طرح کی ذلتیں نہ اٹھائے۔

(مجلس میں) "خلق عظیم" کا ذکر آگیا، قطب عالم نے فرمایا: خلق عظیم دونوں جہانوں سے منہ پھیر لینا اور کلی طور پر حق تعالی کو قبول کرنا ہے۔ شیخ واسطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ خلق عظیم یہ ہے کہ کوئی کسی سے دشمنی نہ کرے اور نہ اس کا کوئی دشمن ہو۔

سالک ہر حال میں مصروف عبادت رہے

فصل۔ سالک کو اپنے تمام احوال میں مختلف قسم کی عبادتوں کو ادا کرتے رہنا چاہیے اور اسے یقین ہونا چاہیے کہ بے شک اللہ تعالی نہایت ہی (عدل کے ساتھ) حساب کرنے والے ہیں وان کان مثقال حبۃ (انبیاء: ۴۷) اور اگر رائی کے دانے کے برابر بھی (کسی کا عمل) ہوگا، اور وہ تمام حالات میں، تمام مقامات میں ثابت قدم رہ کر، مختلف عبادات کو لازم کر لینا ہے یعنی جب تک کوئی شخص اپنے اوپر ان تمام مقامات کو ثابت نہیں کرے گا، اس وقت تک تمام احوال میں مختلف عبادات کی ادائیگی میسر نہ ہوگی اور وہ بندے کا حق تعالی کے سامنے اس کی عبادت کے لیے کھڑا ہونا ہے۔

ان مقامات میں سے اول توبہ ہے، اور وہ ہمیشہ ندامت اور استغفار کی کثرت کے ساتھ حق تعالی سے رجوع کرنا ہے۔

اس کے بعد انابت ہے اور وہ ذکر سے غفلت اختیار کرنے پر حق تعالی کی طرف رجوع کرنا ہے۔

پھر عفت ہے یعنی اعضا کی خواہشوں کو ترک کرنا، اس لیے کہ ہر عضو کی ایک خواہش ہوتی ہے۔

پھر ورع ہے اور وہ یہ ہے کہ جن کاموں کے کرنے سے روکا گیا ہے ان کو ترک کر دینا۔

اس کے بعد تقوی ہے۔ تقوی پرہیزگاری ہے یعنی جو بات شبہے والی ہے اس سے کلی طور پر پرہیز کرنا۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے، نہایت تقوی یہ ہے کہ بندہ مومن اس حد تک خوف میں رہے کہ جو چیز حلال ہے، اسے بھی (اللہ کے) ڈر سے حرام سمجھ کر چھوڑ دے تاکہ اس کے اور آتش دوزخ کے درمیان پردہ حائل ہو جائے۔ اس لیے کہ اہل تقوی میں سے ایک بزرگ نے ایک شخص کے پاس سو درہم امانتاً رکھے، وہ شخص ان سے سو درم لے کر چلا گیا۔ متقی بزرگ نے اس ڈر سے کہ کہیں زیادہ رقم نہ لے لیں اس شخص سے ننانوے درم واپس لیے۔ اور ان ہی اہل تقوی میں سے ایک بزرگ نے تجارت شروع کی۔ وہ (خریدار سے) ایک حبہ کم لیتے تھے اور اسے ایک حبہ مال زیادہ دیتے تھے۔

اس سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا، ایک کاتب تھے، انھیں مولانا احمد کہتے تھے۔ شیخ قوام الدین کی کتابیں اجرت لے کر نقل کرتے تھے۔ (ان کا طریقہ تھا کہ) جب رات ہوتی تو وہ شیخ سے تیل لیتے اور اس کے چراغ کی روشنی میں کتابیں لکھتے۔ جب کھانا کھاتے تو چراغ گل کر دیتے اور چراغ کی روشنی میں کھانا نہ کھاتے۔ جب کھانے سے فارغ ہوتے تو پھر چراغ روشن کر کے کتابت شروع کر دیتے۔

اس کے بعد زہد ہے اور وہ ایسے شغل کا ترک کرنا ہے جو اللہ تعالی کی یاد سے روکے۔ ماشغلک عن اللہ فھو ذم (جو کام تمھیں اللہ تعالی سے دور رکھے، ناپسندیدہ ہے)
جو دل اللہ کی یاد کے بغیر ہے تباہ ہے۔ تجھے دل تباہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔
خراب دل اللہ تعالی کے لائق نہیں۔

ہر چہ در دنیا خیالت آں بود

تا ابد راہ وصالت آں بود

جو کچھ دنیا میں ہے اگر تیرا خیال اسی میں لگا رہے تو ابد تک تیرے قرب کا راستہ وہی رہے گا۔

ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا، زہد فرض ہے، فضل ہے اور بزرگی ہے یعنی سبب بزرگی ہے۔ جو زہد فرض ہے وہ حرام کا ترک کرنا ہے اور جو زہد فضل ہے وہ حلال میں ہے کہ اگر ضرورت سے زیادہ ہو تو حلال چیز کو بھی ترک کر دے، اور جو زہد بزرگی ہے وہ شبہات کا ترک ہے کہ جن باتوں میں شبہ اور احتمال کا امکان ہے اسے ترک کر دے۔

اس کے بعد ارادت ہے اور وہ ہے ہمیشہ تکلیف برداشت کرنا اور راحت ترک کرنا۔ اسی بنا پر کہتے ہیں کہ مرید کے لیے جاگ کر سو جانا زہر قاتل ہے۔

پھر فقر ہے اور وہ ملکیت کا باقی نہ رہنا اور دل کا اس چیز سے خالی ہو جانا ہے، جس سے ہاتھ خالی ہو چکا ہے۔ اگر ہاتھ مال و زر سے خالی ہو اور دل میں اس کی خواہش ہو تو اسے فقر نہیں کہا جا سکتا۔ امام شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں کہ ان سے حقیقت فقر کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے کہا: سب سے بے نیازی اور حق تعالی سے نیاز مندی۔

قطب عالم شیخ مینا نے فرمایا، فقر یہ ہے کہ اس دنیا میں اس دنیا کا مال اس کے پاس نہ ہو اور اگر دونوں جہان اس کے فقر کی ترازو کے پلڑے میں ڈال دیے جائیں تو اس کے بازار فنا میں ان کی ایک حبہ قیمت نہ ہو۔

شیخ کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، جب اللہ تعالی کی طرف محتاجی درست ہو

گئی تو اللہ کے ساتھ غنا بھی درست ہو گئی کیونکہ بے شک یہ دو حال ہیں جو ایک دوسرے کے بغیر مکمل نہیں ہوتے۔ بزرگوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ فاقہ اور خالی ہاتھ ہونا فقر نہیں ہے بلکہ پسندیدہ فقر اللہ کے ساتھ جو کچھ اس نے تقسیم کر دیا، پختہ ہونا اور راضی برضا رہنا ہے۔

سہل بن عبداللہ سے فقر صادق کے بارے میں دریافت کیا گیا۔ انھوں نے جواب دیا نہ سوال کرنا، نہ رد کرنا، نہ شمار کرنا۔

شیخ عبداللہ انصاری نے فرمایا ہے کہ فقر کی تین قسمیں ہیں، بے اختیاری، اختیاری اور حقیقی۔ پھر بے اختیاری فقر کی بھی تین صورتیں ہیں: کفالتی، عقوبتی اور قطیعتی (موروثی)۔

(۱) کفالتی فقر کی علامت صبر ہے۔

(۲) عقوبتی فقر کی علامت ناچاری ہے۔

(۳) قطیعتی فقر کی علامت شکایت ہے۔

فقر اختیاری بھی تین طرح کا ہوتا ہے: درجتی، قربتی، کرامتی۔

(۱) درجتی فقر کی علامت قناعت ہے۔

(۲) قربتی فقر کی علامت رضا ہے۔

(۳) کرامتی فقر کی علامت ایثار ہے۔

اسی طرح فقر حقیقی بھی تین قسم کا ہوتا ہے۔ اپنی حاجت مخلوق کے سامنے بیان نہ کرنا، جو کچھ مانگنا اللہ سے مانگنا، غیر اللہ سے لاتعلق ہو جانا۔

شرح آداب میں ہے کہ فقر تصوف سے علیحدہ چیز ہے بلکہ فقر کی انتہا، تصوف کی ابتدا ہے۔ صوفی ایک نام ہے، جو کاملان ولایت اور محققین اولیا کے لیے بولا جاتا ہے۔ اہل صفا بھی تین طرح کے ہیں۔ ایک صوفی، دوسرے متصوف اور تیسرے مستصوف۔

صوفی وہ ہے جو اپنی ذات سے فانی اور حق تعالیٰ کے ساتھ باقی ہو، نیز وہ طبعی عادات کی قید سے نکل کر حقیقت الحقائق سے واصل ہو گیا ہو۔ متصوف اسے کہتے ہیں جو صوفی کے مانند مجاہدات کرتا ہے اور اپنے مقصد کے حصول کے لیے صوفی کی پیروی کرتا ہے۔ مستصوف وہ ہے جو دنیاوی عزت اور لذت کے حصول کے لیے صوفی کا بہروپ بھرتا ہے اور صوفی اور متصوف کے کام کی حقیقت سے کورا ہوتا ہے۔

فقر کے بعد صدق کا مقام ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنے ظاہر و باطن کو یکساں کرنا ہے یعنی حق تعالیٰ سے تعلق میں اس درجے استقامت ہو کہ ظاہر و باطن میں حق تعالیٰ کے سوا کوئی خطرہ نہ آنے پائے۔

صدق کے بعد تبصر کا مقام ہے اور وہ نفس کو مکروہات سے بچانا اور اسے تکالیف کی تلخیوں کا مزہ چکھانا ہے۔ اگر وہ صبر نہ کرے تو خود کو صبر کے ساتھ وابستہ کرنا ہے۔

تبصر کے بعد صبر کا مقام ہے اور وہ غیر اللہ سے شکایت نہ کرنا ہے۔ اس میں نکتہ یہ ہے کہ اگر بندے کا گلہ اللہ تعالیٰ سے ہے تو یہ شکایت نہیں ہے بلکہ اپنی عاجزی اور بے چارگی کا اظہار ہے، اس اعتبار سے شرع میں بھی پسندیدہ ہے

صبر کے بعد مقام رضا ہے اور وہ مصائب سے لذت اندوز ہونا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح عنایتوں سے لذت حاصل ہوتی ہے۔

اس کے بعد اخلاص ہے اور وہ اس معاملے میں جو حق تعالیٰ کے ساتھ ہے مخلوق سے بے تعلق ہو جانا ہے، یعنی جو عمل کیا جائے وہ مخلوق کو مد نظر رکھتے ہوئے نہ کیا جائے اور عمل میں خود کو بھی غرض و مقصود نہ ٹھہرائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے قرب کو غرض و مقصود قرار دے۔

اخلاص کے بعد توکل کا مقام ہے اور وہ وعدہ و وعید میں حق تعالیٰ پر اعتماد

کرنا ہے اور اس کے غیر سے کسی قسم کی طمع نہ کرنی ہے۔ وعدہ خیر کے معنی میں ہے اور وعید شر کے معنی ہیں۔

تین باتیں توکل کی علامت ہیں۔ ایک یہ کہ سوال نہ کیا جائے اور دل سے حرص کو مٹا دیا جائے کیونکہ حرص ہی تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ دوسری یہ کہ اگر کوئی سوال کے بغیر کچھ دے تو اسے رد نہ کیا جائے۔ تیسری یہ کہ جو کچھ ملے نہ اس کا ذخیرہ کرے نہ حفاظت کرے کہ ذخیرہ کرنا بد نصیبی کی بات ہے۔

صوفیا کی اصطلاح میں ادب کیا ہے؟

فصل ۔ ذکر آگیا کہ حضرات صوفیہ کے محاورے میں ادب یہ ہے کہ اپنی گفتگو میں خیر خواہی و رہنمائی اور طلب نجات کی نیت رکھے اور جو حاصل ہو اس کا فائدہ سب کے لیے ہو یعنی باہمی گفتگو میں اس گروہ کا ارادہ و نیت مخلوق کی خیر خواہی اور ہدایت ہو اور یہ گروہ لوگوں کی نجات کا طلب گار ہو۔ و لایتکلم الناس الا علی قدر عقولھم (اور وہ لوگوں کو ان کی عقل کے مطابق تعلیم دیتا ہے)

قال علیه السلام ، نحن معاشر الانبیاء امرنا ان نتکلم الناس علی قدر عقلولھم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے، ہم انبیا کا گروہ ہیں، ہمارا کام لوگوں سے ایسی بات کہنا ہے جو ان کی عقل کے مطابق ہو۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ میں اور ابو بکر رضی اللہ عنہ حضرت رسالت پناہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے۔ حضور پاک نے ابو بکر سے کوئی بات فرمائی جو میں سن اور سمجھ نہیں سکا، دوبارہ پھر کوئی ایسی بات فرمائی جسے میں نے نہ سمجھا نہ سنا۔ بات یہ نہیں ہے کہ مصطفے علیہ السلام وہ بات عمر سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے بلکہ وہ چونکہ اس بات کی استعداد یا مزاج نہ رکھتے تھے اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر ظاہر کرنا مناسب خیال نہیں فرمایا۔

اسی سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا کہ اگر شیخ مرید میں یہ استعداد دیکھے کہ وہ

ایک دم مال و ملکیت سے دست بردار ہوسکتا ہے تو مرید کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی اجازت دے دے۔ شیخ کی یہ اجازت اس وقت درست ہو گی جب وہ ایسی حالت جو مرید کے دل کی تسلی اور اطمینان کا موجب ہو، بدلے میں دے سکے اور مرید اس حالت کا اہل ہو جیسا کہ رسول علیہ السلام نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو تمام مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔

اگر شیخ یہ خیال کرے کہ مرید کے دل میں ابھی مال و دولت سے تعلق باقی ہے تو اتنا مال اس کے پاس رہنے دے جو اس کی ضرورت کے لیے کافی ہو، تمام مال خرچ کرنے کی اجازت نہ دے، جیسا کہ جنید بغدادی کے ایک مرید نے تمام مال و دولت کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی درخواست کی، لیکن انھوں نے اجازت نہیں دی اور فرمایا کہ ضرورت کے لیے کچھ بچا لو تا کہ کھانا اور غذا فراہم ہوسکے، کیونکہ میں تمام مال خرچ کرنے کے بعد تمھارے مطالبہ نفس کی طرف سے مطمئن نہیں ہوں۔

(مجلس میں ایک بار) خلافت کے بارے میں ذکر آگیا۔ اس سلسلے میں کہا گیا کہ سید محمد گیسو دراز کے ملفوظ میں ہے کہ رسول علیہ السلام سے دو طرح کی خلافت جاری ہوئی۔ ایک خلافت کبری اور دوسری خلافت صغری۔ پہلی خلافت باطنی خلافت ہے اور دوسری ظاہری خلافت ہے ....

جان لیں کہ طریقت کے چودہ خانوادے مشہور ہیں، ان سب کا تعلق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات گرامی سے ہے۔ شرح عوارف میں جہاں بارہ اماموں کا ذکر کیا گیا ہے یہ بھی کہا گیا ہے کہ اصل خانوادے بارہ ہیں۔

۱۔ ادہمیاں، جو ابی اسحاق ابراہیم بن ادہم کے معتقد ہیں۔

۲۔ طیفوریاں، جو ابو یزید طیفور بن عیسی بسطامی کے پیرو ہیں۔

۳۔ محاسبیاں، جو ابو عبداللہ حارث بن اسد المحاسبی سے اعتقاد رکھتے ہیں۔

۴۔ قصاریاں، جو ابو صالح حمدون قصار سے اعتقاد رکھتے ہیں۔

۵۔ جنیدیاں، جو ابوالقاسم جنید بغدادی کے معتقد ہیں۔

۶۔ نوریاں، جو ابوالحسن احمد بن محمد نوری کے معتقد ہیں۔

۷۔ سہلیاں، جو ابو محمد سہل بن عبداللہ تستری کے معتقد ہیں۔

۸۔ حکیمیاں، جو ابی عبداللہ محمد بن علی الحکیم الترمذی سے اعتقاد رکھتے ہیں۔

۹۔ خرازیاں، جو ابی سعید احمد بن عیسی خراز سے اعتقاد رکھتے ہیں۔

۱۰۔ سیاریاں، جو ابی عباس قاسم مہدی السیاری کے معتقد ہیں۔

۱۱۔ حلاجیاں، جو ابوالمغیث حسین بن منصور حلاج کے معتقد ہیں۔

۱۲۔ خفیفیا، جو ابو عبداللہ محمد بن خفیف کے پیرو ہیں۔

البتہ خانوادہ چشت ادہمیوں سے اور سہرورد جنیدیوں سے نکلا ہے۔ ان سب پر اللہ تعالی کی رحمت ہو۔

قطب عالم شیخ مینا کو کلاہ عطا کرنے اور خرقہ پہنانے کی اجازت خانوادہ چشت اور سہرورد دونوں سے حاصل تھی۔ یعنی آپ کو شیخ صدرالدین راجو بخاری کا اجازت نامہ شیخ سارنگ کے توسط سے جو اس فقیر کے مرشد ہیں، حاصل ہوا اس میں تحریر کیا گیا تھا کہ وہ مشائخ چشت و سہرورد کا خرقہ پہنے۔ لیکن شیخ اکثر و بیشتر خانوادہ چشت کی کلاہ عنایت فرماتے تھے۔ اگر کوئی اصرار نہ کرتا تو سہروردی کلاہ منگا کر دیتے تھے۔ سہروردی کلاہ دیتے وقت اس کی گھنڈی کا خانہ نکال دیتے اور فرمایا کرتے کہ سہروردی اور چشتی کلاہ میں یہی فرق ہے۔

جب کوئی شخص آپ کی خدمت میں مرید ہونے کے لیے حاضر ہوتا اور اس کے سر پر بال ہوتے تو حجام اس کے بال مونڈ کر آپ کے سامنے بٹھا دیتا۔ اس کے بعد شیخ فرماتے کہ تم نے اس بھائی کو بھائی ہونے کی حیثیت سے قبول کیا، وہ کہتا میں نے

قبول کیا، تو آپ فرماتے آؤ اب ہم دونوں بھائی توبہ کرتے ہیں۔ پھر تین مرتبہ خود اور وہ مرید یہ دعا کرتے ،استغفر اللہ لاالہ الااللہ ھو الحی القیوم و اتواب الیہ (میں اللہ سے مغفرت چاہتا ہوں، اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ زندہ اور قائم رہنے والا ہے میں اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں) بعد ازاں اگرچہ مرید کا سر منڈا ہوا ہوتا پھر بھی آپ اس کے سر پر قینچی ضرور چلاتے۔ پہلے پیشانی کے بال کاٹتے، پھر دائیں اور بائیں جانب کے بال تراشتے۔ بال تراشتے وقت یہ دعا فرماتے ،اللھم صل علی محمد و بارک وسلم ، اللھم ثبتنا علی التوبۃ و احفظنا عن المعصیت بحفظ منک بحق محمد صلی اللہ علیہ وسلم و اھل بیتہ (اے اللہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور ان کی آل پر رحمت بھیجیے اور برکت و سلامتی عطا کیجیے۔ اے اللہ ہمیں توبہ پر ثابت قدم رکھیے اور ہمیں اپنی حفاظت کے ساتھ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اہل بیت کے طفیل گناہوں سے بچا لیجیے) اور جب کلاہ پہناتے تو یہ فرماتے۔ "بزرگی اور نیک بختی کے تاج کی طرف متوجہ رہو، گناہ سے بچو اور دین اسلام پر قائم رہو۔" آپ بعضے مریدوں کا منہ خود میٹھا کراتے اور یہ دعا کرتے ، اللھم ارزقہ حلاوۃ الایمان برحمتک یا ارحم الراحمین (اے اللہ ، اے ارحم الراحمین اپنی رحمت کے صدقے میں اس کو ایمان کی حلاوت عطا کیجیے)

شیخ قوام الحق والدین نے اپنی تصنیف ارشاد المریدین میں تحریر فرمایا ہے کہ معرفت المریدین اور دلیل السالکین میں بروایت حسن بصری مذکور ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے تین جگہ سے سر کے بال کاٹے۔ یہ حضرت علی کی سنت ہے۔

مرید کی درستی اور ارادت کا کام سر کے بال ترشوانے پر منحصر ہے۔ یہ بھی تصوف کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ قینچی سے سر کے بال کٹوانا دنیاوی علائق کا قطع کرنا ہے۔ بہر حال جب تک کوئی شخص قینچی کو ہاتھ میں نہیں

لیتا اس وقت تک حقیقت حال سے بے خبر رہتا ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ قینچی سے بال ترشوانے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص بال کٹوانا چاہے تو قبلہ رخ بیٹھے۔ پھر قینچی ہاتھ میں لے کر تین مرتبہ تکبیر کہے۔ قینچی چلاتے وقت کیا کرنا چاہیے' اس بارے میں اہل سلوک کی رائے مختلف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ لاحول ولاقوۃ الاباللہ العلی العظیم کہنا چاہیے۔ پہلے پیشانی کے اوپر سے ایک بال کاٹے اور کہے اے بادشاہ اے مالک یہ غلام تیری بارگاہ سے بھاگ گیا تھا' اب (نادم ہوکر) تیری غلامی میں آنا چاہتا ہے' اور جس طرح دوسرے غلام غلامی کر رہے ہیں ویسی ہی غلامی کرنا چاہتا ہے۔ جو تیری ی اد سے باہر ہے وہ اس کا غیر ہو جائے۔ پھر ایک بال پیشانی کے دائیں جانب سے اور ایک بائیں جانب سے کاٹے۔

اوقات کی نگاہ داشت نماز اشراق وغیرہ کے سلسلے میں

فصل ۔ ان اوقات کی نگہداشت کا ذکر آگیا جو نماز و اذکار کی ادائیگی کے ساتھ مزید مقرر کیے جاتے ہیں جیسے اشراق وغیرہ کی نماز ہے۔

بیان کیا گیا کہ اشراق کے وقت چار رکعت نماز ادا کرے۔ یہ درمیانی تعداد ہے' ورنہ کم سے کم دو رکعت اور زیادہ سے زیادہ دس رکعتیں اشراق کے وقت پڑھی جاتی ہیں۔ پہلے دو رکعتیں اللہ تعالی کے شکر کے طور پر ادا کرے۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں آمن الرسول پڑھے۔ اس کے بعد دو رکعت اللہ تعالی سے پناہ مانگنے کے لیے پڑھے۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ فلق اور دوسری رکعت میں سورہ الناس پڑھے۔ اس کے بعد دو رکعت بھلائی اور بہتری کے لیے پڑھے۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ الکافرون اور دوسری رکعت میں سورہ اخلاص پڑھے۔ پھر دو رکعت محبت و دوستی کے لیے ادا کرے۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سورہ واقعہ اور دوسری رکعت میں سبح اسم تلاوت کرے۔

اس محل پر شیخ مینا نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص سورہ واقعہ اور سبح اسم نہ پڑھے

تو پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد انا انزلنا اور دوسری رکعت میں سورہ کوثر تلاوت کرے۔
اس کے بعد دو رکعت شکرانہ پڑھے۔ دونوں رکعتوں میں فاتحہ کے بعد پانچ پانچ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے۔ ہر دو رکعت نماز میں سلام پھیرنے کے بعد درود شریف اور وہ دعائیں جو شیخ بہاء الدین کی کتاب اوراد میں مذکور ہیں، پڑھے۔

صاحب رسالہ مکیہ فرماتے ہیں کہ، اشراق کا وقت آفتاب طلوع ہونے سے شروع ہوتا ہے اور دو نیزہ بلند ہونے تک باقی رہتا ہے۔ وہ اوقات جن کی نگہداشت نماز و اذکار کے بعد بطور اضافہ کرنی چاہیے، چاشت کے وقت تک رہتے ہیں، چنانچہ چاشت کی نماز بھی ادا کرے جس کی رکعتوں کی تعداد زیادہ سے زیادہ بارہ اور کم سے کم دو ہے۔ چاشت کا وقت دن چڑھے سے زوال آفتاب تک رہتا ہے۔

منقول ہے (ایک بار مجلس میں) بیان کیا گیا کہ نماز ظہر کے بعد دس رکعتیں "صلوۃ الخضر" جیسا کہ اوراد میں مذکور ہے ادا کی جائیں۔ قطب عالم نے فرمایا:

صلواۃ الخضر کی دس رکعتوں کے بعد چار رکعت "صلوۃ الفتح" ادا کرے۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد اذا جاء نصر الله تیرہ مرتبہ پڑھے، دوسری رکعت میں گیارہ مرتبہ، تیسری رکعت میں نو مرتبہ اور چوتھی رکعت میں سات مرتبہ تلاوت کرے۔ سلام پھیرنے کے بعد درود شریف پڑھے، پھر سجدے میں چلا جائے اور تین بار یہ دعا پڑھے۔ یا مفتح فتح، یا مسبب سبب، یا مفرج فرج یا مسھل سھل، یا میسر یسر، یا متمم تمم، یا ربانی مغلوب فانتصر (اے مشکل حل کرنے والے مشکل حل کر دے، اے سبب پیدا کرنے والے سبب پیدا کر دے، اے غم دور کرنے والے غم دور کر دے، اے مصیبتوں کو سہل کرنے والے مصیبتوں کو سہل کر دے، اے آسان کرنے والے آسانی عطا فرما، اے مکمل کرنے والے کامل بنا دے، اے پروردگار میں عاجز ہوں تو ہی بدلہ لے) اس کے بعد سجدے سے سر اٹھا کر بیٹھ جائے اور دونوں ہاتھوں کو اٹھا کر یہ دعا کرے۔ "الہی

سب راستے سوائے تیری طرف راستے کے تنگ ہو گئے، سب خواہشیں سوائے اس کے جو تو پوری کرے پامال ہو گئیں، سوائے تیری جانب امید کے سب منقطع ہو گئیں، سوائے تجھ پر بھروسے کے ہر بھروسہ باطل ہو گیا، سوائے تیرے کہیں جائے پناہ نہیں، سوائے تیری طرف آنے کے کوئی جائے فرار نہیں۔ اے پروردگار مجھ کو اکیلا نہ چھوڑ، تو سب وارثوں سے بہتر وارث ہے، جو شخص ان باتوں پر عمل کرے گا، حق سبحانہ تعالی اس پر اپنی نعمتوں کے دروازے کھول دے گا۔ یہ نماز شیخ نظام الدین کے اوراد میں بھی مذکور ہے۔ اس کے علاوہ ان اوقات کی نگہداشت کے سلسلے میں جو نماز یاد کر کے اوقات سے زاید ہیں، نماز اوابین کا بھی ذکر ہے جسے مغرب و عشا کے درمیان پڑھا جاتا ہے۔ نماز اوابین کی کم سے کم رکعتیں چھ ہیں اور ہو سکے تو بیس رکعتیں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

شیخ بہاء الدین زکریا کے معمولات میں قرات اور دیگر دعائیں مذکور ہیں۔ شیخ نصیر الدین (چراغ دہلی) کے اوراد میں تحریر کیا گیا ہے کہ نماز اوابین کی بیس رکعتیں ادا کی جائیں یا چھ رکعتیں، تین سلام کے ساتھ پڑھی جائیں۔ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد تین مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی جائے۔ اس کے بعد دو رکعت نماز حفاظت ایمان کے لیے پڑھے۔ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد چھ مرتبہ اخلاص اور ایک ایک بار معوذتین (سورہ فلق اور سورہ الناس) پڑھے۔

قطب عالم مرید کو کلاہ عطا کرنے کے بعد دوران تربیت آٹھ رکعت نماز پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ چھ رکعتیں بالکل اسی طرح جس طرح شیخ نصیر الدین کے اوراد میں مذکور ہیں، باقی دو رکعتوں کی پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورہ اخلاص اور ایک بار سورہ فلق اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سات مرتبہ سورہ اخلاص اور ایک بار سورہ الناس پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔

شیخ نصیر الدین کے اوراد میں تحریر ہے کہ اس کے بعد دو رکعت "صلوۃ البروج" دو رکعت "شکر اللیل" دو رکعت "صلوۃ النور" دو رکعت "صلوۃ الکوثر" دو رکعت "صلوۃ الفردوس" اور دو رکعت "حفظ الایمان" ادا کی جائیں۔

قطب عالم کا حکم تھا کہ مغرب کی سنت ادا کرنے کے بعد دو رکعت ہدیہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھے۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد والضحیٰ اور دوسری رکعت میں الم نشرح تلاوت کی جائیں۔ سلام پھیرنے کے بعد یہ دعا مانگے۔ اللھم اجز عنا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ماھواھلہ و مستحقہ و بلغ روحہ منا التحیۃ والسلام (اے ہمارے رب! آپ ہماری طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا اچھا بدلہ دیجیے جس کے وہ اہل اور مستحق ہیں اور ہماری طرف سے ان کی روح پاک کو تحیت اور سلام پہنچا دیجیے) بعد ازاں دو رکعت "صلوۃ المعرفت" بھی ادا کرے۔ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد پندرہ مرتبہ سورہ اخلاص پڑھے، اس طرح کہ اس نماز سے پہلے کسی سے بات چیت نہ کرے تاکہ اس نماز کا ادا کرنے والا جب قیامت کے دن اٹھے تو (اسے دیکھ کر) سب یہ کہیں کہ یہ شخص صدیقوں میں سے ہے اور جب وہ ان کے درمیان سے گزرے تو کہیں کہ یہ شخص شہیدوں میں سے ہے۔

قطب عالم شیخ مینا نماز اوابین ادا کرنے کے بعد، دو رکعت "صلوۃ الھلاہل" بھی پڑھتے تھے۔ پہلی رکعت میں فاتحہ کے بعد ایک ایک بار آیۃ الکرسی اور قل یاایھا الکافرون پڑھتے تھے اور دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد حم، تنزیل الکتاب من اللہ العزیز العلیم، غافر الذنب و قابل التوب شدید العقاب ذی الطول لاالہ الاھو الیہ المصیر۔ ایک بار، اور سورہ اخلاص ایک بار پڑھتے تھے۔ سلام کے بعد سات مرتبہ استغفر اللہ اور سات مرتبہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہتے تھے۔ سات مرتبہ درود شریف پڑھتے تھے۔ اس کے بعد سجدے میں چلے جاتے تھے اور سات بار یا وھاب کہتے تھے۔ پھر جانماز کا پلا پکڑ کر

فرماتے، میں بے جا خواہش سے چھوٹ گیا اور میں نے مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دامن پکڑ لیا، جب تک میری حاجت پوری نہ ہو گی (ان کا) دامن نہ چھوڑوں گا۔ پھر جو حاجت ہوتی اللہ تعالیٰ سے عرض کرتے اور وہ ہمیشہ پوری ہوتی للہ الحمد علی ذلک المنۃ

نماز اوابین کے بعد سالک پوری قوت اور حضور قلب کے ساتھ ذکر خفی میں مشغول ہو جائے۔ (واضح ہو کہ) رات کا تیسرا پہر بھی ان اوقات میں سے ہے جن کی نگہداشت ضروری ہے اور جو نماز و ذکر کے علاوہ ہیں۔ اس وقت اللہ کی یاد میں مشغول ہونا بڑے فضل کی بات ہے۔ اس وقت تیرہ رکعت نماز پڑھے۔ دس رکعت نماز تہجد اور تین رکعت نماز وتر۔

رسالہ مکیہ کے مصنف کی رائے کے مطابق نماز تہجد کی کم سے کم رکعتیں تین ہیں۔ دو رکعت نماز تہجد اور ایک رکعت نماز وتر۔

اوراد میں امام شافعی کے حوالے سے تحریر کیا گیا ہے کہ نماز تہجد کی کم سے کم رکعتیں چار ہیں۔

محیط میں بیان کیا گیا ہے کہ ہمارے نزدیک نماز وتر کی تین رکعتیں ہیں، جب کہ امام شافعی کا قول ہے کہ اگر کوئی چاہے تو نماز وتر میں تین، یا پانچ، یا سات، یا نو، یا گیارہ رکعتیں پڑھ سکتا ہے، اس سے زیادہ نہیں۔

(نماز تہجد اور نماز وتر کے بعد) طلوع فجر تک ذکر میں مشغول رہے۔ اس کے بعد نماز فجر ادا کر کے پھر اشراق تک ذکر میں مشغول رہے۔ بعضے صوفی نماز فجر کے بعد سے طلوع آفتاب تک وہ دعائیں پڑھتے ہیں جو اوراد میں مذکور ہیں، لیکن ذکر کرنا زیادہ اولیٰ اور بہتر ہے۔

نماز فجر ادا کرنے کے بعد، کسی سے بات چیت کرنے اور زانو اٹھانے سے

پہلے دس مرتبہ یہ پڑھنا چاہیے۔ لا الہ الا اللہ ، وحدہ لا شریک لہ ، لہ الملک ولہ الحمد ، یحیی و یمیت ، وھو حی لایموت أبدا ، بیدہ الخیر ، وھو علی کل شی قدیر (کوئی معبود نہیں ہے سوائے اللہ کے ، وہ یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں ، باشاہت اسی کی ہے ، حمد و ثنا اسی کے لیے ہے ، وہی جلاتا ہے وہی مارتا ہے ، وہ ابد تک زندہ رہے گا ، اس کو کبھی فنا نہیں ، سب خیر و خوبی اس کے اختیار میں ہے اور وہ تمام چیزوں پر قدرت رکھتا ہے)۔ یہ کلمہ ایک بار پڑھنے کے بدلے اللہ تعالی دس نیکیاں اس کے نامہ اعمال میں لکھنے کا حکم فرمائیں گے ، اس کے لیے بہشت میں ایک درجہ بلند کریں گے ، ایک غلام آزاد کرنے کا ثواب بخشیں گے ۔ اس روز وہ حق تعالی کی حفاظت اور پناہ میں ہو گا۔ اس روز شیطان یا کوئی گناہ اسے نقصان نہ پہنچائے گا ، سوائے شرک کے ، اللہ تعالی اس سے اپنی پناہ میں رکھیں ۔

قطب عالم کا ہمیشہ یہ معمول رہا کہ مذکورہ کلمہ پڑھنے کے بعد بہ آواز بلند یہ دعا پڑھتے تھے :- اے ہمارے رب ! آپ ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر صبح و شام رحمت بھیجیے ، ایسی رحمت جس کی برکت سے آپ ہمیں تمام ہولناکیوں اور آفات سے بچالیں ، جس کی برکت سے آپ ہماری تمام حاجتوں کو پورا کر دیں ، جس کی برکت سے آپ ہمیں تمام برائیوں سے پاک کر دیں ، جس کی برکت سے آپ ہمیں اپنے نزدیک اعلی درجات پر بلند فرمائیں ، جس کی برکت سے آپ ہمیں تمام بھلائیوں کے ساتھ اس زندگی میں اور موت کے بعد انتہا تک پہنچا دیں۔ اے ارحم الراحمین اپنی رحمت کے ساتھ ہماری یہ دعا قبول فرما۔ میں جس غم میں پڑا ہوں اس سے مجھے چھڑا دیجیے۔

حضرت شیخ سعد بیان کرتے ہیں کہ قطب عالم اکثر اس فقیر کو نماز پڑھانے کا حکم دیتے تھے (نماز پڑھانے کے بعد) میں ادب کے خیال سے اٹھنا چاہتا تو آپ اشارے سے منع فرماتے۔ مجبوراً میں آپ کے آگے بیٹھا رہتا ، پھر میں ، دس مرتبہ لا الہ الا

الله وحده آخر تک پڑھتا، اس کے بعد مذکورہ بالا دعا پڑھتا، پھر قدم بوسی کر کے اپنی خلوت گاہ میں چلا جاتا۔

(ایک مجلس میں) بیان کیا گیا کہ مسبعات عشر صبح اور شام پڑھنی چاہیئں۔ ان کے پڑھنے کا طریقہ عام طور پر سب کو معلوم ہے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ عوارف المعارف اور شیخ بہاء الدین زکریا کی تالیف اوراد میں مذکور ہے کہ مسبعات عشر کے بعد فاتحہ اور معوذتین پڑھے، پھر سورہ اخلاص، کافرون اور آیۃ الکرسی پڑھنی چاہیئں۔

شیخ عبداللہ یافعی کے ارشاد سے معلوم ہوا کہ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے، اس کے بعد سورہ کافرون، پھر سورہ اخلاص اور معوذتین پڑھے۔

قطب عالم دونوں قول کی رعایت سے صبح کے وقت عبداللہ یافعی کے ارشاد کے مطابق اور عصر کے بعد عوارف المعارف اور اوراد کی تصریح کے مطابق مسبعات عشر پڑھتے تھے اور مریدین و طالبین کو بھی اس طرح پڑھنے کا حکم دیتے تھے۔ یہ بھی فرماتے تھے کہ جو شخص مسبعات عشر کے بعد اکیس مرتبہ یا جبار کہے، وہ کسی ظالم کے پنجے میں گرفتار نہ ہو گا۔

فوائد الفواد میں مذکور ہے کہ حاجت بر آری کے لیے بھی مسبعات عشر پڑھنے کو کہا گیا ہے۔ جامع فوائد الفواد نے دریافت کیا کہ کیا مقررہ دونوں وقتوں ہی میں پڑھی جائیں۔ شیخ نظام الدین نے فرمایا کہ اگر کوئی دینی یا دنیوی کام درپیش ہو گیا ہو تو جب وقت ملے پڑھ لے۔

منقول ہے کہ حضرت جنید نے اپنے رب سے خواب میں عذاب سے نجات پانے کا ذریعہ دریافت کیا، حکم ہوا کہ یہ دعا ذریعہ نجات ہے، بسم اللہ الرحمن الرحیم، اے ہمارے رب! دنیا کو ہماری آنکھوں میں پست کر دے اور ہمارے دلوں میں اپنے جلال

کی عظمت ثبت کر دے، ہمیں اپنی خوشنودی حاصل کرنے کی توفیق دے اور اے بڑی بزرگی اور شان والے ہمیں اپنے دین پر ثابت قدم کر دے۔ اپنی رحمت کے صدقے میں اے سب سے زیادہ رحم کرنے والے

ہدایہ کے مصنف نے کہا ہے کہ مجھے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوئی، صحابہ رضی اللہ عنہم بھی وہاں موجود تھے۔ حضور پاک نے فرمایا، ہزاروں لوگ مرتے ہیں لیکن ایمان کے ساتھ کوئی دنیا سے نہیں جاتا۔ پھر میں نے دیکھا کہ میں نے اپنا سر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قدموں میں رکھ دیا اور عرض کیا (اے اللہ کے نبی) وہ کون سی صورت اور تدبیر ہے (کہ ایمان کے ساتھ موت آئے) حضور پاک نے ارشاد فرمایا، میری یہ وصیت یاد رکھو اور اس پر عمل کرو۔ یہ دعا پڑھا کرو۔ جب میں بیدار ہوا تو میں نے یہ دعا خط سبز میں اپنے ہاتھ میں لکھی ہوئی پائی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم اللھم بعز تک یا عزیز، و بقدر تک یا قدیر و بحمدک یا حمید و بحکمتک یا حکیم و بعظمتک یا عظیم و برحمتک یا رحیم و بفضلک یا رحمن و بمنتک یا منان و بعفوک یا عفوان تحفظ علی الایمان فی آناء اللیل و اطراف النہار قائماً و قاعداً راکعاً وساجداً ویقظانا و نائما حیاً و میتا علی کل حال برحمتک یا ارحم الراحمین (اے ہمارے رب، اے عزت والے اپنی عزت کے طفیل، اے قدرت والے اپنی قدرت کے طفیل، اے تعریف کیے ہوئے اپنی تعریف کے طفیل، اے حکمت والے اپنی حکمت کے طفیل، اے عظمت والے اپنی عظمت کے طفیل، اے رحم فرمانے والے اپنی رحمت کے طفیل، اے بہت بخشش کرنے والے اپنی مہربانی کے طفیل، اے احسان فرمانے والے اپنے احسان کے طفیل، اے معاف کرنے والے اپنی معافی کے طفیل، ہم درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے ایمان کی حفاظت فرما، دن اور رات کے اوقات میں خواہ کھڑے ہوں، بیٹھے ہوں، رکوع میں ہوں

سجدے میں ہوں، جاگتے ہوں یا سوتے ہوں، زندہ ہوں یا مر چکے ہوں، ہر حال میں۔ اے سب سے زیادہ رحم فرمانے والے، اپنی رحمت کے صدقے میں ہماری دعا قبول فرما)۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا ہے کہ میں نے خواب میں اپنے رب سے دریافت کیا کہ مخلوق کو کس ذریعے سے نجات حاصل ہوسکتی ہے۔ حکم ہوا کہ جو شخص صبح اور شام یہ دعا پڑھے اس کی بخشش ہو جائے گی۔ وہ دعا یہ ہے: بسم اللہ الرحمن الرحیم، پاک ہے اللہ جو ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، پاک ہے اللہ جو ایک ہے، پاک ہے اللہ جو زبردست اور بے نیاز ہے، پاک ہے اللہ جس نے بغیر ستون کے آسمانوں کو بلند کیا، پاک ہے اللہ جس کی بیوی اور بیٹا نہیں ہے، پاک ہے اللہ جس سے نہ کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کے برابر ہے۔ اور مخلوق میں سب سے بہتر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں، آپ کی آل اور آپ کے اصحاب پر رحمت ہو۔

قطب عالم کا یہ معمول رہا کہ جنید کی دعا ہر فرض نماز کے بعد پڑھتے تھے اور صاحب ہدایہ کی دعا صبح کے اوراد ختم کرنے کے بعد اور امام اعظم کی دعا صبح شام پڑھتے تھے۔ حضرت شیخ سعد بھی جو اپنے شیخ قطب عالم کی پیروی کرتے تھے، ان تینوں دعاؤں کو مقررہ اوقات میں پڑھتے تھے۔

فتاویٰ ظہیریہ میں ہے کہ بعض علما نے تحیت مسجد کے بارے میں اختلاف کیا ہے، بے شک بیٹھے، پھر کھڑا ہو اور نماز ادا کرے، پھر بیٹھے، پھر کھڑا ہو، اور عام علما کہتے ہیں جب مسجد میں داخل ہو تو بغیر بیٹھے تحیت مسجد ادا کرے۔

صاحب عوارف المعارف نے فرمایا ہے کہ علما کی ایک جماعت نے نماز عصر کے بعد تحیت طہارت کا ذکر کیا ہے۔ مشائخ صالحین نے اس کی اجازت دی ہے۔

معدن المعانی میں ہے کہ اوقات مکروہہ میں نفل نماز پڑھنے کا ذکر ہوا ہے۔ نصر اللہ بن عالم نے اوقات مکروہہ میں نفل نماز پڑھنے کے بارے میں دریافت کیا، مخدوم

نے فرمایا کہ ظاہری روایات کی بنا پر جیسا کہ (کتب فقہ میں) بیان کی گئی ہیں، مکروہ ہے۔ لیکن ارباب تصوف تحیت وضو کی دو رکعت تمام اوقات میں ادا کرتے ہیں اور اپنے مریدوں کو بھی ایسا کرنے کا حکم دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں آپ نے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ملتان میں تمام مرید نماز فجر کی سنت سے پہلے دو رکعت نفل پڑھتے ہیں۔ ایک مرتبہ ایک طالب علم مسجد میں آیا تو اس نے مریدوں کو فجر کی سنت سے پہلے نفل پڑھتے ہوئے دیکھا، اس کے بعد وہ شیخ رکن الدین کی مجلس میں حاضر ہوا، وہاں مریدین بھی موجود تھے۔ طالب علم نے شیخ سے عرض کیا کہ آپ کے مرید فجر کی سنت سے قبل نفل پڑھتے ہیں۔ کیا انھیں معلوم نہیں کہ ایسا کرنا مکروہ ہے۔ شیخ نے فرمایا مرید ہی نہیں، میں بھی پڑھتا ہوں۔ تم فضول باتیں نہ کرو۔ اس کے بعد شیخ نے یہ واقعہ سنایا کہ شیخ بہاء الدین زکریا کے زمانے میں آپ کا ایک مرید بے پڑھا لکھا تھا۔ شیخ نے اسے فجر کی سنت سے قبل نفل پڑھنے کا حکم دیا۔ ایک روز وہی مرید شیخ بہاء الدین کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھے طالب علم پریشان کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ جو تو فجر کی سنت سے پہلے نفل پڑھتا ہے کس کتاب میں ہے۔ (آپ فرمائیں) میں انھیں کیا جواب دوں۔ شیخ نے فرمایا، ان سے کہنا یہ عاشقوں کی نماز ہے۔

بعضے لوگ کہتے ہیں کہ عاشورے کے دن سرمہ لگانا مکروہ ہے۔ جان لیں کہ لوگ عاشورے کے روز جو مختلف قسم کے اناج اور جنس ملا کر پکاتے ہیں یہ جائز ہے۔ اس سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا کہ جب نوح علیہ السلام طوفان تھم جانے کے بعد کشتی سے اترے تو آپ نے فرمایا کہ جس شخص کے پاس جس طرح کی جنس اور جس طرح کا اناج بچ گیا ہے، لے آئے۔ سب لوگ آپ کی خدمت میں وہ چیزیں لے آئے۔ آپ نے سب کو ملا کر پکایا۔ اس روز عاشورہ تھا، چنانچہ مختلف اجناس ملا کر پکانا نوح علیہ السلام

کی سنت ہے۔

(مجلس میں) بیان کیا گیا کہ مشائخ نے نماز لیلۃ الرغائب ادا کی ہے۔ اس سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا کہ انھوں نے یہ نماز جماعت کے ساتھ پڑھی ہے اور قرآن بلند آواز سے پڑھا ہے۔ جماعت کے ساتھ نفل نماز پڑھنا مکروہ نہیں ہے۔

خلاصہ میں ہے کہ کتاب الاصل میں بیان کیا گیا ہے، جماعت کے ساتھ اس طریقے پر نفل نماز پڑھنا کہ لوگوں کو بلا کر جمع کیا جائے، مکروہ ہے۔ البتہ مسجد کے ایک طرف بغیر اذان اور اقامت کے باجماعت نوافل ادا کرنا جائز ہے۔

شمس الائمہ حلوانی نے کہا ہے کہ اس پر سب کا اتفاق ہے کہ اگر امام کے علاوہ تین آدمی اور ہوں تو (باجماعت نفل نماز پڑھنا) مکروہ نہیں ہے۔

ارواح میں ہے کہ (اس مسئلے پر) مشائخ رحمہم اللہ میں اختلاف ہے۔ عتابیہ کے مصنف نے کہا ہے کہ کراہیت کے بارے میں اختلاف جائز ہونے کی دلیل ہے۔ تجنیس اور مجموع النوازل میں ہے، جب کوئی قاری حافظ تنہا نفل نماز پڑھنا پسند کرے تو (اس سے کہو) جماعت کے ساتھ پڑھو، یہ زیادہ بہتر ہے۔

فتاوی سراجیہ کے باب مسائل متفرقہ میں کتاب الصلوۃ کے ذیل میں ہے کہ نبی علیہ السلام نے معراج کی رات ملائکہ اور انبیا علیہم السلام کی ارواح کو بیت المقدس کے نزدیک نماز پڑھائی۔ یہ نفل نماز تھی۔ یہی بات کافی کے باب اذان میں بیان کی گئی ہے۔

اوراد میں ہے کہ ماہ رجب کی جمعرات کو روزہ رکھیں اور نماز مغرب کے بعد بارہ رکعتوں اور چھ سلام کے ساتھ لیلۃ الرغائب کی نفل ادا کریں۔ اس نماز کی سورتیں اور دعائیں اوراد میں بیان کی گئی ہیں۔ لیکن فتاوی صوفیہ میں کہا گیا ہے کہ ماہ رجب کی جمعرات کا ہونا شرط نہیں ہے۔

اس میں بیان کیا گیا ہے کہ صاحب جامع نے کہا ہے، وہ رجب میں جمعہ کی پہلی رات ہے اور تواتر سے جو عمل جاری ہے اس سے بھی ثابت ہے کہ ماہ رجب میں جمعرات کا ہونا شرط نہیں ہے۔

ہم نے مسلمانوں کے شہروں میں اسی پر عمل ہوتے ہوئے دیکھا ہے اور شہر دہلی کے اساتذہ کو بھی اسی پر عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ شہر ملتان کے مشائخ صوفیہ بھی مسلمانوں میں سے کسی ایک شخص کی نکیر نہیں کرتے۔ اہل ملتان ہمیشہ لیلۃ الرغائب کی نفل پڑھتے ہیں۔ خود ہمارے مشائخ مغرب اور عشا کے درمیان اوقات میں جمع ہوتے ہیں، روزہ افطار کرتے ہیں، لیلۃ الرغائب کے نوافل، نماز عشا اور نماز تسبیح پڑھتے ہیں۔ اس رات یہ حضرات پکوان اور حلوا پکاتے ہیں، شربت بناتے ہیں۔ موسم گرما ہو تو افطار میں پانی اور شربت پیتے ہیں۔ اس سے فارغ ہونے کے بعد لیلۃ الرغائب کے نوافل ادا کرتے ہیں، پھر نماز عشا اور نماز تسبیح پڑھتے ہیں، اس کے بعد کھانا کھاتے ہیں۔

(ایک مجلس میں) بیان کیا گیا کہ جس طرح اوراد میں مذکور ہے، نماز تعریف ادا کی جائے۔ بیان کرتے ہیں کہ قطب عالم شیخ مینا کبھی کبھی مسجد جا کر اسے ادا کرتے تھے ورنہ زیادہ تر خانقاہ ہی میں باجماعت پڑھتے تھے۔ نماز تعریف پڑھنا ایک مستحب فعل ہے۔

جیسا کہ فتاوی الحجہ میں بیان کیا گیا ہے کہ جامعہ صغیر میں ہے، نماز تعریف جسے عام لوگ پڑھتے ہیں کوئی چیز نہیں، اسی طرح یہ ہے کہ عرفہ کے دن ہر شہر میں کچھ صلحا اور عارفین جمع ہوتے ہیں، وہ عرفات میں حاجیوں کی مشابہت کرتے ہوئے تہلیل اور تکبیر کرتے ہیں، یہ بھی کوئی چیز نہیں یعنی باہمی نسبت کی کوئی بات ہی نہیں لیکن اپنی ذات میں کسی نہ کسی حیثیت سے یہ مشابہت عبادتوں اور بھلائیوں میں سے ہے اور وجہ اس کی عرفات کا شوق ہے۔ جامع البرہانی میں اس مسئلے کے بارے میں

بیان کیا گیا ہے کہ بعض مشائخ نے کہا ہے کہ نماز تعریف جسے عام لوگ پڑھتے ہیں، کوئی چیز نہیں، ان الفاظ سے انھوں نے فی نفسہ اس عمل کے مشروع ہونے کی نفی نہیں کی، کیونکہ یہ دعا اور تسبیح ہے اور اللہ تعالیٰ سے عاجزی کرنا ہے۔ جنھوں نے منع کیا ہے انھوں نے یہ سمجھ کر منع کیا ہے کہ نماز تعریف نہ سنت ہے اور نہ واجب ہے۔

عبائی کی جامع الصغیر اور کفایۃ الفقہا میں امام محمدؒ سے روایت کی گئی ہے، بے شک وہ اس کی خبر دیتے ہیں اور ابن عباس سے روایت ہے کہ انھوں نے بصرے میں ایسا ہی کیا۔

قطب عالم اس نماز میں اونچی آواز سے قرات کرتے تھے۔ فتاوی الصوفیہ میں تحفۃ الفقہا سے نقل کیا گیا ہے کہ امام مالک کے اصحاب نے بیان کیا کہ دن کے نوافل میں بلند آواز سے قرات کی جائے۔

جیسا کہ اوراد میں مذکور ہے، قطب عالم یہ نماز ننگے سر پڑھتے تھے۔

"محیط، ذخیرہ، خلاصہ، النصاب، خانیہ، تجنیس المزید، فتاوی ظہیریہ، القنیہ اور الوقایہ اور اسی طرح کی دوسری کتابوں میں بیان کیا گیا ہے کہ" ننگے سر نماز پڑھنا اس صورت میں مکروہ ہے جب وہ کسل مندی، تساہل، اتراوٹ اور غیر اہم خیال کر کے پڑھی جائے، جب کہ نماز تو اللہ تعالیٰ سے گڑ گڑانا اور عاجزی کرنا ہے۔ پس اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ بہتر ہے۔ لیکن اگر ذخیرہ اور خلاصہ کے بیان کو پیش نظر رکھا جائے تو مستحب ہے، کیونکہ نماز کی اساس ہی عاجزی ہے۔"

فصل۔ (مجلس میں) ذکر ہوا، سالک کے لیے ضروری ہے کہ توبہ کے بعد پرہیز گاری اور تقوی اختیار کرے اور نفس کی مخالفت میں کوشاں رہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ" کفر کی بنیاد یہی ہے کہ تم اپنے نفس کی خواہشوں تک محدود ہو کر رہ جاؤ۔" انسان اس کوشش میں لگا رہے کہ نفس حد سے بڑھ کر باعث نقصان نہ ہو، جو باتیں نفع

بخش ہیں جیسے نیکی، ثواب کے کام، مشاہدہ حق اور ذوق و حضور انھیں حاصل کرے اور عذاب، سزا، بے جا خواہش، غیبت اور ہر وہ کام جو حق تعالی کو پسند نہیں ان کے نقصان سے اپنے آپ کو بچائے، یعنی جب دن تمام ہو جائے تو اپنا احتساب کرے کہ عمر کا ایک دن جو گزر چکا ہے، اس میں کیا پایا اور کیا کھویا۔ اگر گزرے ہوئے دن میں فائدہ زیادہ اور نقصان کم ہوا تو مطلوب حاصل ہو گیا، لیکن اگر نقصان زیادہ ہوا اور فائدہ کم ہوا تو اس پر افسوس کرے اور پشیمان ہو، کوشش کرے کہ ہر روز نفع زیادہ اور نقصان کم ہو، تاکہ ہمت اور ارادہ نفس کے مطیع نہ بن سکیں۔

اس سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا کہ درویش کو بنیئے کی مانند ہونا چاہیے۔ بنیئے کی عادت ہے کہ تمام دن اپنے کاروبار میں مصروف رہتا ہے اور جب رات ہوتی ہے تو دن بھر کا حساب کرنے بیٹھ جاتا ہے اور یہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ آج نفع ہوا یا نہیں۔ اگر حساب کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ نفع ہوا تو چین کی نیند سوتا ہے، اور نقصان ہوتا ہے تو غمگین اور نادم ہوتا ہے، بلکہ اس کی کوشش کرتا ہے کہ روزانہ کھانے پینے پر جو خرچ ہوتا ہے اس میں کمی کر دے۔ اسی طرح درویش کو ہونا چاہیے کہ اپنے نفس کا محاسبہ کرے کہ گزرے ہوئے زمانے سے آج کچھ نفع زیادہ ہوا ہے یا نہیں۔ اگر ہوا ہے تو اس پر حق تعالی کا شکر بجا لائے، لیکن شرط یہ ہے کہ مغرور نہ ہو، اور اگر محسوس کرے کہ کمی ہوئی ہے تو رات میں اس کی تلافی کرے بلکہ کچھ زیادہ ہی مجاہدہ کرے تاکہ "جس شخص کے دو دن یکساں ہوئے اسے نقصان ہوا" کا سزاوار نہ ہو۔

زبدۃ السالکین میں شیخ سعد کہتے ہیں کہ ایک موقعے پر میں نے عرض کیا کہ بندے کو اس حدیث شریف کے پیش نظر وظائف میں اضافہ کرنا، جس بات کی طاقت نہ ہو اسے کرنا معلوم ہوتا ہے، ایسی صورت میں اس حدیث پر کس طرح عمل کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے تو وظائف اور اشغال زیادہ کرے، جب نہ ہوسکیں تو جس قدر ممکن

ہو حضور ذوق و شوق میں اضافہ کرے تا کہ ذوق و شوق میں حضوری کی کیفیت بڑھتی رہے۔

مرید اپنے احوال اپنے شیخ سے بیان کرتا رہے

رسالہ مکیہ میں بیان کیا گیا ہے کہ مرید اپنے احوال جس جس وقت اسے پیش آئیں، اپنے شیخ کی خدمت میں عرض کرتا رہے۔ بزرگوں نے کہا ہے وہ مریض عقل مند نہیں ہے جو طبیب سے مرض کی علت و کیفیت بیان نہ کرے۔ مطلب یہ ہے کہ مرید مریض کے مانند اور شیخ طبیب کے مانند ہوتا ہے، اس لیے مرید کے لیے ضروری ہے کہ اپنے راز شیخ کی خدمت میں ظاہر کر دے۔ جو کرامت اور بخشش اسے حق تعالی کی جانب سے عطا ہو، نہ چھپائے اور شیخ سے من و عن بیان کر دے۔

اگر مرید کوئی بات پوشیدہ رکھے گا تو اس کے باطن میں ایک طرح کا عقدہ پڑ جائے گا، اس کے نتیجے میں جو فراخی اور مدد شیخ کی جانب سے حاصل ہوتی ہے وہ حاصل نہ ہو گی۔ عقدہ ایسی کیفیت کو کہتے ہیں جو سالک کے سفر سلوک میں پیدا ہوتی ہے اور اس کی سیر و ترقی میں رکاوٹ ڈالتی ہے، لیکن اگر مرید شیخ کی خدمت میں وہ حالت بیان کر دے تو شیخ اس عقدے کے حل کی کوشش کرے گا تا کہ اس کے سفر سلوک میں کوئی حالت یا کیفیت حارج نہ ہو۔

قطب عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ شیخ ابو محمد سلمہ نے فرمایا ہے کہ وہ مرید جس نے اپنے شب و روز کے احوال درست نہ کیے، اس نے راہ سلوک طے نہیں کی۔ یعنی مرید پر لازم ہے کہ وہ (اپنے شیخ سے) احکام طریقت معلوم کرے اور جو مرض و علت اسے لاحق ہے یا جو کشف و مشاہدہ اسے ہوا ہے، تمام اپنے شیخ کی خدمت میں عرض کرے تا کہ شیخ اس کے سوال کا جواب دے اور اس کے مرض کا علاج کرے اور کشف و مشاہدے سے متعلق توضیح کرے تا کہ وہ سفر سلوک میں کامیاب ہو۔ اگر مرید ایسا نہیں کرتا تو کسی بھی اعتبار سے صاحب سلوک کہلانے کا مستحق نہیں ہے اور وہ حصول

مقصد میں ناکام رہے گا۔

اے بھائی اس کام میں طبیب حاذق درکار ہے جو علاج کرنے کا اہل ہو۔ اگر ایسا نہیں تو اس طبیب سے بیمار کا علاج نہ ہو سکے گا۔

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

(سویا ہوا شخص کسی دوسرے سوئے ہوئے کو کیسے جگا سکتا ہے؟)

(ایک مجلس میں) بیان کہ کیا گیا نبی علیہ السلام نے فرمایا، ابوبکر (انبیا علیہم السلام کے بعد تمام مخلوق میں) اس وجہ سے برتر نہیں ہیں کہ وہ کثرت سے نماز پڑھتے اور روزہ رکھتے ہیں بلکہ اس لیے کہ وہ بات کرتے ہیں جو ان کے قلب میں باوقار محسوس ہوتی ہے۔

اس سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے چاہا کہ ان کے احوال اور اعمال کے بارے میں معلوم کیا جائے۔ ان کی بیوی نے کہا اے عمر ظاہراً میں نے ابوبکر میں فرض اور سنت کی ادائیگی کے علاوہ اور کوئی بات نہیں دیکھی، مگر یہ کہ یا تو بیٹھے ہوئے سر نیچا کر کے مراقبے میں ہوتے تھے یا پرانی گدڑی سینے میں مشغول ہوتے۔ جب سر اونچا کرتے تو ایک آہ بھرتے جس سے جلے ہوئے گوشت کی بو آتی۔ صبح کے وقت اٹھتے، وضو فرماتے، پھر بیٹھ کر اسی طرح کی آہیں اور نالے کرتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم نے سچ فرمایا تھا، "حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تمام عملوں سے بالاتر عمل کرتے تھے، اسی لیے آنحضرت نے ان کو فاضل اور دسروں کو مفضول خیال فرمایا۔ ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشا۔

(ایک مجلس میں) بیان کیا گیا کہ ابوبکر وراق نے فرمایا ہے کہ نفس، انسان کے جملہ احوال کا آئینہ ہے، اکثر حالتوں میں ریاکاری اختیار کرتا ہے اور بعض حالتوں میں

شرک کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ نفس کی نظر ہمیشہ مخلوق پر رہتی ہے۔ کسی کام کو کرنے یا ترک کرنے سے اس کا مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کی تعریف کریں اور اسے مقبولیت حاصل ہو، یہ سراسر ریا کاری ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جب بندہ نفس لوگوں کو تعریف کرتے ہوئے سنتا ہے تو اس کی بھوک اور بڑھ جاتی ہے، لیکن دکھاوے کے بغیر ایک معمولی سا کام بھی جو صرف حق تعالی کے لیے ہو، اس سے انجام نہیں پاتا، سوائے اس کے کہ حق تعالی کی توفیق اس کے شامل حال ہو۔

اس سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا کہ ایک دفعہ ایک صوفی (کاذب) نے ویرانے میں ڈیرا جمایا اور دکھاوے کی عبادت میں مشغول ہو گیا (اور مشہور کر دیا کہ) وہ ایک سال تک بغیر کچھ کھائے پیے عبادت کرے گا۔ ایک خلقت اس کی زیارت کے لیے آتی تھی، لیکن وہ کسی سے نہیں ملتا تھا اور کہلوا دیتا کہ فلاں روز جب سال ختم ہو جائے گا تو فلاں جگہ ملاقات کے لیے آنا۔ مقررہ دن لوگوں کی بھیڑ اس سے ملاقات کرنے کے لیے جمع ہوئی۔ وہ تمام سال بغیر کھائے پیے خوش و خرم رہا اور یہی خوشی اور خواہش کہ وہ لوگوں میں مقبول ہو جائے گا، غذا کا کام دیتی رہی۔

اچانک ایک اہل دل درویش اس بستی میں آ گئے، انھوں نے بھی یہ قصہ سنا اور کہا کہ یہی بے جا خواہش اور امید اس کی غذا ہے۔ اسے نفس کی آفتوں کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ مقررہ دن وہ درویش اس "صوفی" کی جائے قیام کی طرف گئے اور لوٹ آئے۔ لوگوں سے کہ کہ میں مخدوم کی زیارت کی غرض سے گیا تھا، مخدوم نے فرمایا ہے کہ مقررہ دن انھیں کام ہے، خدا سے ملاقات کرنی ہے، اس لیے خلقت اس دن نہ آئے، بلکہ دوسرے دن آئے۔ چنانچہ خلقت مقررہ دن ملاقات کے لیے نہیں گئی۔ وہ صوفی مقررہ دن طے کی ہوئی جگہ پر ملاقات کے لیے پہنچ گیا۔ سارے دن ساری رات لوگوں کا انتظار کیا، لیکن کسی ایک شخص کی بھی صورت نظر نہ آئی۔ چونکہ عوام الناس میں مقبول

ہونے کی غذا نہیں ملی اس لیے زندہ نہ رہ سکا۔ دوسرے دن خلقت مقررہ جگہ پر پہنچی تو اسے مردہ پایا۔

ان بزرگ نے حقیقت حال بیان کی کہ صوفی کو معاملات تصوف کا کوئی علم نہ تھا اور نفس جو آفتیں لاتا ہے ان کی بھی اسے خبر نہ تھی۔ وہ صرف مخلوق سے اپنی تعریف سننے کی خواہش میں گرفتار تھا۔ پورے ایک سال یہی خواہش اس کی غذا رہی اور وہ قبول عام کے ذوق میں خوش رہا، اسے کھانے کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ جب سال کے بعد اس بے چارے کو یہ غذا نہ ملی تو نتیجتہً" مر گیا۔

یہ جو کہا گیا کہ نفس بیشتر احوال میں منافقت اختیار کرتا ہے سو وہ اس طرح سے ہے کہ بندہ نفس کا ظاہر اور باطن یکساں نہیں ہوتا، وہ گندم نما جو فروش ہوتا ہے۔ اس کی ہمیشہ یہی خواہش ہوتی ہے کہ اچھائی کی نمائش کرے اور باطن میں جو فساد ہے اس کو چھپائے۔ اگر ایک رات صد ہزار خرابی اور سرکشی کی حرکتیں کرے تو ہرگز یہ نہ چاہے گا کہ کوئی شخص ان سے واقف ہو جائے، اس کے برعکس اگر کسی رات تھوڑی سی دیر جاگ لے اور چند رکعتیں ادا کرلے تو یہ چاہے گا کہ ساری دنیا میں اس کی شہرت ہو جائے۔

اے عزیز غور کر کہ نفس کی حماقت کی اس سے زیادہ کیا حد ہو سکتی ہے کہ اپنی خودی کے احساس میں اس قدر غرق ہو جاتا ہے کہ اپنے رب ہونے کا دعوی کرتا ہے اور حق تعالی کے احکام کی مخالفت کر کے خوش ہوتا ہے۔ اللہ تعالی اس کے شر اور اس کی حماقت سے اپنی پناہ میں رکھے۔

یہ جو کہا گیا کہ نفس بعض حالتوں میں شرک کرتا ہے، سو یہاں اس سے مراد "پوشیدہ شرک" ہے اور وہ اللہ تعالی کے سوا (دل میں) دوسرے کا خوف ہے۔ اللہ کے سوا دوسرے سے امید قائم کرلینا، اللہ کے سوا دوسرے کو نفع اور نقصان پہنچانے والا خیال

کرنا' یہ ساری باتیں شرک ہیں۔ چنانچہ جب تک دل سے غیر اللہ کا خوف اور امید زایل نہ ہوں اور سوائے حق تعالی کے نفع اور نقصان پہنچانے والا' دینے والا نہ دینے والا یقین نہ کرے' اس وقت تک کوئی شخص مشرکوں کے زمرے سے باہر نہیں نکل سکتا اور (اس کے نامہ اعمال میں) جو شرک تحریر کر دیا گیا ہے' اس کی سزا سے رہائی نہیں پا سکتا۔ اسی نکتے کو شیخ قوام الحق والدین نے بیان فرمایا ہے۔

توئی چوں مومن و مشرک موحد نیستی واللہ
موحد انگہے گردی کہ رواز غیر گردانی

تو مومن اور مشرک جیسا تو ہے' لیکن خدا کی قسم موحد نہیں ہے۔
موحد جب ہی بن سکتا ہے جب تو غیر اللہ سے اپنا منہ پھیر لے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ ایک دفعہ حضرت بایزید کے پیٹ میں تکلیف ہوئی۔ ایک بزرگ ان کی مزاج پرسی کے لیے ان کے ہاں گئے۔ بایزید نے بتایا کہ رات میں نے دودھ پی لیا تھا اسی کے سبب پیٹ میں درد ہو گیا۔

بہت عرصے بعد کسی رات حضرت بایزید کو انبساط کی کیفیت حاصل ہوئی تو وہ اللہ تعالی سے محبت کا اظہار کرنے لگے۔ غیب سے آواز آئی کہ اے مشرک اللہ سے محبت کرنے کا دم نہ بھر' اور اس کا دعوی نہ کر۔ کیا تو دودھ والی رات بھول گیا کہ جس رات تیرے پیٹ میں درد اٹھا تھا تو تو نے کہا تھا کہ دودھ پینے کی وجہ سے تکلیف ہوئی' یہ کیوں نہ کہا کہ اللہ نے درد دیا ہے۔

پس اے بھائی ! نفس کو قطعی طور پر ڈھیلا مت چھوڑ کہ اسلام کا دعوی کرے اور اس دعوے کے ساتھ شرک بھی نہ چھوڑے۔ اس طرح مشرق مغرب ہو جائے اور مغرب مشرق ہو جائے (جو ناممکن ہے) تب بھی تو مسلمان نہیں ہو سکتا۔ یہ شعر جس کسی نے بھی کہا ہے خوب کہا ہے۔

صوفی و سبز پوشی، شیخی و جبہ دار

ایں جملہ شدی و لے مسلماں نہ شدی

مانا کہ تو سبز پوش صوفی اور جبہ پوش شیخ ہے، تو یہ سب کچھ تو بن گیا لیکن مسلمان نہ ہوا۔

خرقہ پہننے کے متعلق چند باتیں

(ایک مجلس میں) خرقہ پہننے سے متعلق ذکر آ گیا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے، گدڑی اولیا کا لباس ہے اور اس کے پہننے کی شرط یہ ہے کہ (پہننے والا) اسے کفن خیال کرے۔ زندگی اور لذتوں کی امید منقطع کر دے اور دل کو زندگی کی راحتوں سے پاک کر لے۔ اپنی عمر کو حق تعالیٰ کی غلامی کے لیے وقف کر دے۔

شیخ علاء الدولہ سمنانی نے فرمایا ہے، اللہ اس سے اپنی پناہ میں رکھے کہ مرید ناامید ہو کر الٹے پاؤں واپس ہو جائے اور پہلے کی سی بے ہودگی میں مبتلا ہو، تو ایسی صورت میں شیخ پر واجب ہے کہ مرید سے خرقہ واپس لے لے۔ اگر شیخ موجود نہ ہوں (وفات پا چکے ہوں) تو ان کے خلیفہ یا حاضر باش اصحاب پر لازم ہے کہ اس سے خرقہ واپس لے لیں، جب تک اللہ تعالیٰ اپنی طرف لوٹنے کی توفیق بخشیں۔

شیخ قوام الحق والدین فرماتے ہیں کہ جس کسی کو قوت حاصل ہے وہ اس ناپسندیدہ طریقے کو بدل ڈالے اور اس کام کو (کم ہمت) لوگوں پر نہ چھوڑے۔

اے عزیز بعضے مشائخ خرقہ نہیں پہنتے، وہ عام لوگوں کی طرح زندگی بسر کرتے ہیں، جو لباس میسر ہوتا ہے پہن لیتے ہیں اور اپنے مریدوں کو بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ جو کچھ انھیں میسر ہو جائے پہن لیں۔ اگر عبا ملے تو عبا پہنیں اور قبا مل جائے تو قبا پہنیں، یہی طریقہ بہتر ہے۔

مراد اہل طریقت لباس ظاہر نیست

کمر بہ خدمت سلطاں بہ بند، صوفی باش

اہل طریقت کا مقصود ظاہری لباس نہیں ہے۔ بادشاہ کی خدمت میں سنہری پٹکا باندھو، لیکن (اس حال میں بھی) صوفی رہو۔

بعضے مشائخ وہ ہیں جو احتیاطاً ایک جوڑا کپڑا اپنے پاس فاضل رکھتے ہیں کہ اگر پہنا ہوا لباس ناپاک ہو جائے یا اس کے پاک ہونے میں شبہ ہو تو رکھا ہوا جوڑا پہن لیں۔

بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سید السادات کی مجلس میں کلاہ کا ذکر آ گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کلاہ لاطیہ پہنی ہے، کلاہ ناشزہ نہیں پہنی۔ لاطیہ ایسی ٹوپی کو کہتے ہیں جو پیشانی سے چپکی ہوئی ہوتی ہے اور ناشزہ پیشانی سے چپکی ہوئی نہیں ہوتی بلکہ اونچی ہوتی ہے۔ اگر ٹوپی کے بیچ میں برج نما گرہ ہوتی تو سید السادات اسے قطع کر دیتے تھے۔

شمائلِ محمدی میں تحریر ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نبی علیہ السلام کی کلاہ کے بارے میں روایت کی ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت کو سفید ٹوپی پہنے ہوئے دیکھا ہے۔

ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آنحضرت سفر میں گوشے دار ٹوپی پہنتے تھے اور قیام مدینہ کے زمانے میں شامی کلاہ زیب سر فرماتے تھے۔

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تین طرح کی کلاہ پہنے ہوئے دیکھا ہے۔ ایک وہ جو سفید کپڑے کی ہوتی ہے، دوسری وہ جو منقش ہوتی ہے اور تیسری وہ جو گوشے دار ہوتی ہے۔ یہ آپ سفر میں زیب سر فرماتے تھے۔

حضرت سید السادات نے فرمایا ہے کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ کھڑا عمامہ باندھا جائے، لیکن یہ ان کے لیے مناسب ہے (جو صاحب فضل و کمال ہیں) کہ جب وہ کھڑے ہوں تو تمام اہل مجلس (ان کی تعظیم میں) کھڑے ہو جائیں، بصورت دیگر نیچا عمامہ باندھ

جائے۔ اسی سبب سے قطب عالم سماع کے بعد یا اس کے علاوہ ان اوقات میں جب مرید اور معتقد مجلس میں ہوتے تھے، نیچا عمامہ باندھتے تھے تاکہ کسی شخص کو کھڑے ہونے کی زحمت نہ ہو۔

شمائل محمدی میں ہے، انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق روایت کی ہے کہ میں نے آپ کے سر مبارک پر سبز عمامہ بندھا ہوا دیکھا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ فتح مکہ کے دن آنحضرت نے اپنے سر مبارک پر سیاہ عمامہ باندھا ہوا تھا۔ عبداللہ جعفر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کو سر مبارک پر زرد عمامہ باندھے ہوئے اور زعفرانی رنگ کی چادر زیب تن کیے ہوئے دیکھا ہے۔

عمامے کا شملہ چھوڑنا مستحب ہے اور فقہا کی روایت کے مطابق شملے کو پیٹھ کے پیچھے ڈالا جائے۔ بعضے صوفیہ کہتے ہیں کہ شملے کو آگے ڈالا جائے۔ اکثر علما اور عام لوگ شملہ نہیں چھوڑتے، بلکہ اسے کھینچ کر عمامے کے ساتھ لپیٹ لیتے ہیں۔ یہ بھی جائز ہے۔

محیط اور مطالب میں بیان کیا گیا ہے کہ عمامے کا شملہ رکھنا مستحب ہے، البتہ علما نے اس کی لمبائی میں اختلاف کیا ہے۔ ان میں چند یہ کہتے ہیں کہ بالشت برابر ہو، کچھ کہتے ہیں کہ کمر کے درمیان تک ہو اور چند کہتے ہیں کہ شملے کی لمبائی سرین تک ہو۔

فتاوی صوفیہ میں بھی مصنف نے کہا ہے کہ میں نے جامع مسجد میں ہمارے شیخ رکن الحق والدین اور ان کے بھائی کو جو جامع مسجد میں عالم ہیں دیکھا کہ دونوں نے اپنے عمامے کے ایک سرے کو عمامے کے اوپر سے بائیں طرف لٹکایا ہوا تھا اور دوسرے سرے کو چھوڑا ہوا تھا۔ وہ وقتاً فوقتاً ایسا کرتے تھے۔

خزانہ جلالی میں منقول ہے کہ حضرت سید السادات نے فرمایا، بزرگوں نے شملے کو سینے کے بائیں طرف لٹکانا اختیار کیا۔

شرح منار میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دو گوشے والی ٹوپی پہنتے تھے اور سیاہ عمامہ باندھتے تھے۔

قطب عالم شاہ مینا اکثر سیاہ اونی کپڑا سر پر باندھتے تھے یا پھر جو میسر ہوتا باندھ لیتے تھے۔

آداب المریدین میں بیان کیا گیا ہے کہ جنید سے لوگوں نے کہا کہ آج کل گدڑی پہننے والے اور لوٹے اٹھانے والے بہت ہو گئے ہیں (یہ آثار اچھے نہیں) آپ نے فرمایا، اب سلوک بہتر ہو جائے گا، تم کو لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے لیکن تم باطن میں اللہ تعالی کے ساتھ ہو گے۔

فتاوی فقیہ ابی اللیث میں کہا گیا ہے کہ بڑا عمامہ باندھنا اور کشادہ لباس پہننا ان فقیہوں کے لیے بہتر ہے جو دین کو پھیلاتے ہیں اور یہ اچھا ہے کہ نماز میں خوب صورت لباس پہنا جائے۔

قطب عالم شاہ مینا یہ بھی فرماتے تھے کہ اس باب میں اہل طریقت کا مقصود یہ ہے کہ ظاہر میں فقیہوں کی طرح ہوں اور باطن میں اہل معرفت ہوں تا کہ مخلوق ان سے فائدہ حاصل کرے۔ آج کل دیکھا جارہا ہے کہ لوگوں نے اہل دنیا اور فاسقوں کی طرح تنگ آستین کا لباس پہننا اور دستار باندھنا اختیار کر لیا ہے اور لوگوں کی بڑی تعداد ایسا ہی لباس پہن رہی ہے، اسی لیے بعضے صوفیہ بارانی پہننے سے جو آج کل دنیا طلب علما پہنتے ہیں، پرہیز کرتے ہیں۔

قطب عالم نے یہ بھی فرمایا کہ پہلے زمانے میں مشائخ اور علما عام لوگوں سے مختلف اور ممتاز لباس نہیں پہنتے تھے (ان ہی جیسے کپڑے پہنتے تھے لیکن) ایک مرتبہ امام ابو حنیفہ کو (عام آدمی سمجھ کر) بیگار میں پکڑ کر لے گئے، بس اسی دن سے جیسا کہ بعض حضرات نے بیان کیا ہے، مشائخ اور علما نے عوام سے مختلف اور ممتاز لباس پہننا شروع

کر دیا۔ کبھی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی لباس فاخرہ پہن لیتے تھے، لیکن آپ کو کسی طرح کی بڑائی کا احساس نہیں ہوتا تھا، چنانچہ اگر کوئی شخص اچھا لباس پہن کر تکبر کا اظہار کرنے لگے تو اسے ایسا لباس پہننا حرام ہے۔

فتاوی ظہیریہ میں ہے جب کوئی شخص غرور میں مبتلا نہ ہو تو لباس فاخرہ پہننے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ تکبر کرنا حرام ہے، اور اس کی وضاحت یہاں اور اس سے پہلے کی جا چکی ہے۔

وہ لباس جو کسنبھ (ایک قسم کا درخت جس سے سرخ رنگ حاصل کیا جاتا ہے) اور زعفران سے رنگا ہوا ہو، اسے صوفیہ جائز نہیں سمجھتے، کیونکہ آنحضرت کا ارشاد گرامی ہے، سرخ لباس پھینک دو، وہ شیطان کا لباس ہے۔ بہر حال اس مسئلے میں فقہا کے درمیان اختلاف ہے۔ بعضے مکروہ کہتے ہیں (لیکن) کراہت تنزیہی نہ کہ کراہت تحریمی۔ اور بعض مباح کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کوئی حرج نہیں ہے۔ مطالب میں بیان کیا گیا ہے، سرخ رنگ کا لباس مردوں کے لیے مکروہ ہے اور امام ابو حنیفہ کے نزدیک مردوں کے لیے ایسا لباس پہننا جو کسنبھ اور زعفران یا ورس (ایک قسم کی گھاس) سے رنگا گیا ہو، مکروہ ہے۔ یہ تہذیب میں ہے۔

امام محمد سے روایت ہے کہ جوانوں کے لیے جب وہ شادی کریں زرد رنگ کے کپڑے پہننے کی اجازت ہے۔ یہ جوامع الفقہ میں ہے۔ ان کپڑوں کے پہننے کے بارے میں اختلاف ہے جو معصفر، زعفران اور ورس سے رنگے گئے ہوں؛ اکثر فقہا نے مردوں کے لیے مکروہ کہا ہے، کیونکہ حضرت عمر نے ایک شخص کو سرخ کپڑے پہنے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اس کو چھوڑو، یہ عورتوں کے کپڑے ہیں۔ دوسرے لوگوں نے مباح سمجھا ہے، کیونکہ کعب بن عمر کے غلام لقمان سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چار یا پانچ اصحاب کو دیکھا کہ وہ سرخ کپڑے پہنتے تھے۔ یہ ظہیریہ

کے باب کراہیت میں ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم اور جمہور تابعین کے درمیان معصفر سے رنگے ہوئے لباس کے مباح ہونے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی، ابو حنیفہ اور مالک رحمہم اللہ تعالی کی بھی اسی طرح کی رائے ہے۔ لیکن ان کے علاوہ دوسرے علما کا کہنا ہے کہ اس سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔

(اس تمام گفتگو کا) حاصل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی بہت عمدہ لباس زیب تن فرماتے تھے اور اکثر موٹا کھردرا کپڑا زیب جسم فرماتے۔ سب سے بہتر بات یہ ہے کہ صوفی موٹا کھردرا کپڑا پہنے۔ شرح رسالہ مکیہ میں (اس موضوع پر) بہت سی روایات ہیں یہاں اختصار کے سبب تحریر نہیں کی گئیں۔

صوفی اور عاجزی و انکسار

فصل۔ (ایک بار مجلس میں) ذکر آگیا کہ عاجزی اور انکسار میں صوفی کو زمین کی مانند ہونا چاہیے کہ جو کچھ اچھا برا سینۂ زمین پر ہوتا ہے وہ اسے عاجزی کے ساتھ برداشت کرتی ہے، اسی طرح صوفی کو ہونا چاہیے کہ اس سے جیسا بھی اچھا برا برتاؤ ہو وہ اسے اخلاص اور عاجزی کے ساتھ برداشت کرے۔

قطب عالم نے فرمایا، صوفی وہ ہے جو باطن کی کثافت سے پاک ہو جائے، اسے (پراگندہ) خیالات سے گھن آنے لگے، وہ حق تعالی کی محبت میں طبعی میلانات سے بے تعلق ہو جائے اور اس کے نزدیک سونا اور مٹی کا ڈھیلا برابر ہوں۔

(ایک بار مجلس میں) بیان کیا گیا کہ ابو عبداللہ خفیف نے کہا، مجھ سے رویم نے فرمایا اے بیٹے! اپنے علم کو نمک اور اپنے ادب کو آٹا خیال کرو (اس قول میں) یہ اشارہ ہے کہ اگرچہ علم کم ہو لیکن ادب بہت زیادہ ہونا چاہیے۔ یہ (قول) ادب کے شرف اور اس کی عظمت کی دلیل ہے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ طاعت و عبادت سے جنت تک رسائی ہوتی ہے۔ لیکن

طاعت میں ادب کرنے سے خالق جنت تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ تمھیں معلوم ہے کہ اگرچہ ابلیس بہت عبادت گزار تھا لیکن ترک ادب کے باعث جب اس نے یہ کہا، انا خیر منه (میں اس سے بہتر ہوں، سورہ ص : ۷۶) مردود ہو گیا اور آدم علیہ السلام کو اگرچہ مصیبت سے دوچار ہونا پڑا لیکن ادب کا خیال رکھا اور کہا۔ ربنا ظلمنا انفسنا (اے ہمارے رب ہم نے اپنا بڑا نقصان کیا، اعراف : ۲۳) تو مقبول ہو گئے۔

(مجلس میں) بیان کیا گیا کہ حلم یہ ہے کہ تم دوسرے کا بوجھ اٹھاؤ اور اس پر اپنا بوجھ نہ ڈالو۔

قطب عالم کا حلم اور تحمل زمانے میں مشہور ہے۔ اللہ تعالی بہتر جانتا ہے کہ آپ نبی علیہ السلام کی حدیث پر کس طرح عمل کرتے تھے، چنانچہ جس شخص نے آپ کا برتاؤ دیکھا ہے، وہ اس امر کی گواہی دے سکتا ہے۔ میں (شیخ سعد خیر آبادی) یہاں ایک واقعہ نقل کرتا ہوں۔

ایک روز ایک حجام شراب کے نشے میں دھت، ہاتھ میں اینٹ اٹھائے گالیاں بکتے ہوئے حضرت قطب عالم کے سامنے کھڑا ہو گیا، اور اپنی وحشت و دشنام طرازی میں مشغول رہا۔ قطب عالم اس کی اس نازیبا حرکت پر مسکراتے رہے۔ حاضرین مجلس کو حجام کی اس گستاخی پر بے حد غصہ آیا (لیکن مجبوراً بیٹھے رہے) اس اثنا میں آپ نے سونے کا ایک ٹکڑا نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھا اور اسے گلے لگایا۔ حجام آپ کے اس کریمانہ عمل اور اپنی گستاخی پر بے حد نادم ہوا اور آپ کے پیروں پر گر پڑا۔ تھوڑی دیر بعد خاموشی سے چلا گیا۔

آپ کے حلم و انکسار کے ایسے بہت سے واقعات ہیں، اگر تحریر کیے جائیں تو طوالت کا باعث ہوں گے۔

(مجلس میں) ذکر آگیا کہ حسن خلق کی نشانی یہ ہے کہ مخلوق کی زیادتی کو

برداشت کیا جائے اور عفو و در گزر سے کام لیا جائے، چنانچہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ خواجہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ دریائے دجلہ کے ساحل پر وضو کرنے گئے۔ آپ نے قرآن شریف اور کپڑے ایک طرف رکھ دیے اور خود وضو کرنے میں مصروف ہو گئے۔ ایک عورت نے وہ قرآن شریف اور کپڑے اٹھا لیے اور چلنے لگی۔ خواجہ معروف نے اسے دیکھ لیا اور پوچھا اے بہن میں معروف کرخی ہوں، خوف کی کوئی بات نہیں ہے یہ بتا تیرا کوئی بیٹا ہے جو قرآن شریف پڑھے؟ عورت نے کہاں نہیں، آپ نے پوچھا کہ شوہر ہے؟ عورت نے جواب دیا نہیں۔ شیخ معروف کرخی نے فرمایا، اچھا بہن کپڑے تو لے لے اور قرآن شریف میرے لیے چھوڑ دے۔

اس سلسلے میں قطب عالم نے فرمایا کہ ایک دن امام احمد بن حنبل اپنی دستار آگے رکھ کر وضو کر رہے تھے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور آپ کی دستار اٹھا کر چلنے لگا۔ امام نے اسے کہا، اے عزیز! میں نے یہ دستار تم کو بخش دی، تم بھی کہو میں نے قبول کی تاکہ یہ دستار تم پر حلال ہو جائے۔

(مجلس میں) یہ قول بیان کیا گیا کہ جس نے اللہ تعالی کی معرفت حاصل کی، اس نے اپنی زبان گونگی کر لی (خاموش رہا)۔

اس محل پر شیخ سعد نے قطب عالم سے دریافت کیا، ایک بزرگ نے فرمایا کہ جس نے اللہ کی معرفت حاصل کی وہ خاموش رہا، دوسرے بزرگ نے فرمایا جس نے اللہ کی معرفت حاصل کی اس نے اپنی زبان دراز کر لی۔ کیا ان دونوں قولوں میں ظاہری تضاد نہیں ہے؟

جواب میں آپ نے فرمایا کہ ایک بزرگ نے اسے اللہ تعالی کی ذات سے متعلق خیال کیا اور دوسرے بزرگ نے اسے اللہ تعالی کی صفات پر محمول کیا۔ پس مطلب یہ ہوا کہ جس نے اللہ تعالی کی ذات کی معرفت حاصل کی اس نے اپنی زبان گونگی کر لی،

جس نے اللہ تعالی کی صفات کی معرفت حاصل کی اس نے اپنی زبان دراز کی۔ اس اعتبار سے جو شخص معرفت صفات کے درجے میں ہے اسے مقام "تلوین" حاصل ہے اور جو شخص معرفت ذات کے درجے میں ہے اسے مقام "تمکین" حاصل ہے۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ موسی علیہ السلام مقام تلوین میں تھے اس لیے خاموش نہ رہ سکے اور بول اٹھے رب ارنی انظر الیک (اے میرے پروردگار تو اپنے تئیں مجھے دکھا کہ میں تیری طرف ایک نظر دیکھوں، اعراف: ۱۴۳) اسی طرح حسین منصور بھی مقام تلوین میں تھے، خاموش نہ رہ سکے اور "انا الحق" پکار اٹھے۔ حق تعالی نے موسی علیہ السلام کی درخواست قبول نہ کی بلکہ لن ترانی (تم ہم کو ہرگز نہ دیکھ سکو گے) کے زخم سے مجروح کیا اور حسین منصور کو سولی پر پہنچا دیا۔

ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم مقام تمکین میں تھے اس لیے خاموش رہے، نہ دیدار کی درخواست کی نہ کوئی سبب پیدا ہوا، جو چاہا وہ مل گیا۔

(مجلس میں) ذکر آگیا کہ اگر دریافت کیا جائے کہ ایمان کیا ہے تو اس کے جواب میں کہا جائے کہ ایمان رسول کی، اور جو فرشتے کے ذریعے رسول پر بھیجا گیا ہے اس کی اور بھیجنے والے یعنی اللہ کی تصدیق کرنا ہے، ان تمام باتوں میں جو بھیجی گئی ہیں، یہ ایمان مجمل ہے اور ایمان مفصل رسالہ مکیہ میں مذکور ہے۔ وہ آمنت باللہ و ملائکتہ و کتبہ .... آخر تک ہے۔

ایمان مجمل یہ ہے کہ تم تصدیق کرو کہ میں اللہ پر ایمان لایا جیسا کہ وہ اپنے اسما اور صفات کے ساتھ ہے اور میں نے تمام احکام کو قبول کیا۔

قطب عالم ہر روز دوپہر سوتے وقت اور رات کو حضور قلب کے ساتھ یہ کلمات پڑھتے تھے اور دوسرں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے، و اتواب الیہ و اقول اشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و اشھدان محمداً عبدہ و رسولہ اس کے بعد تین

بار یہ دعا پڑھتے تھے، اللھم انی اعوذبک من ان اشرک بک شیئا ماانا اعلم واستغفرک لمالا اعلم و اتوب الیہ و اقوال لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یعنی اے ہمارے رب میں اس بات سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ کسی کو تیرے ساتھ شریک کروں اور جو میں جانتا ہوں اور تیری بخشش چاہتا ہوں اس سے جو میں نہیں جانتا اور توبہ کرتا ہوں اور کہتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں ـــــ فقہا کے نزدیک ایمان مجمل کافی ہے لیکن اہل کلام کے نزدیک ایمان مفصل معتبر ہے۔

ابو بکر سلمی نے اپنی تصنیف تمہید میں کہا ہے، حقیقت یہ ہے کہ ایمان مفصل ہی معتبر ہے، پس ایمان مفصل ہی کی تصدیق کرنی چاہیے تاکہ اس میں تمام امور شامل ہو جائیں اور شہادت دینے والا شکوک کے دائرے سے نکل سکے۔

(مجلس میں) بیان کیا گیا کہ مردوں سے خواہ وہ مومن ہوں یا کافر، چھوٹے ہوں یا بڑے، منکر نکیر کا سوال کرنا سچ ہے۔ کوئی شخص پانی میں ڈوب کر مرا ہے یا درندے نے پھاڑ کھایا ہے، دو خوف ناک اور بے رحم شکل کے فرشتے اس کے پاس آئیں گے اور اسے بٹھا کر پوچھیں گے، من ربک، من نبیک و مادینک (تیرا رب جو کون ہے، تیرا نبی کون ہے اور تیرا دین کیا ہے) اگر وہ بندہ نیک بخت ہوگا تو کہے گا ربی اللہ و نبی محمد رسول اللہ و دینی دین الاسلام (میرا رب اللہ ہے، میرے نبی محمد رسول اللہ ہیں اور میرا دین اسلام ہے)

(مجلس میں) بیان کیا گیا کہ نبی علیہ السلام اطاعت گزاروں کی شفاعت فرمائیں گے تاکہ ان کی طاعت قبول ہو، اور گنہ گاروں کی شفاعت فرمائیں گے تاکہ انھیں دوزخ کے عذاب سے رہائی دلائیں (آپ کے طفیل) صدیقوں، ولیوں اور عالموں کو بھی شفاعت کا مقام عطا کیا جائے گا۔ اس روز جس کسی کو حق تعالی کی بارگاہ میں منزلت حاصل

ہو گی، وہ اللہ کے حکم سے اپنے گھر کے لوگوں، قرابت داروں، دوستوں اور جاننے والوں کی شفاعت کریں گے۔

قطب عالم نے فرمایا، اگر کسی شخص نے دنیا میں کسی کو وضو کے لیے پانی دیا ہو، اور اسے دوزخ میں ڈال دیا گیا ہو، اور وہ وضو کرنے والے کو بیرون دوزخ دیکھے اور اسے پہچان لے اور اس کی واقفیت کی بنا پر وہ اس سے طالب شفاعت ہو اور وضو کرنے والا اس کی شفاعت کرے تو اسے عذاب دوزخ سے رہائی مل جائے گی۔

(مجلس میں) بیان کیا گیا کہ ایک شخص نے جنید سے کہا، باری تعالی کی صفت بیان کیجیے۔ انھوں نے فرمایا، وہ ہے بغیر اپنی ذات کے اور وہ نہیں ہے بجز اپنے آپ کے۔ اس شخص نے (یہ سنتے ہی) جگر شگاف نعرہ لگایا اور گر کر مر گیا۔

در کوئے تو عاشقاں چناں جاں بدہند

کانجا ملک الموت نہ گنجد ہر گز

اے محبوب تیرے کوچے میں عاشق اس شان سے جان دیتے ہیں کہ وہاں موت کے فرشتے کو بھی رسائی حاصل نہیں ہے۔

جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اللہ کی ذات مقدس بغیر شخصیت کے ہے کیونکہ اللہ کو شخصیت کہنا اس کی ذات کو مقید کرنا ہے، پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ اس کی ذات کے سوا کوئی ذات نہیں ہے۔

اس پر قطب عالم نے فرمایا کہ جو نام جب بھی بولا جائے، ہونٹ اور منہ (کی حرکت) کا محتاج ہوتا ہے، لیکن کلمے کو اس قسم کی کی کوئی محتاجی نہیں ہے۔ کلمۃ "ہو" کو بھی بولے جانے میں کسی طرح کی احتیاج پیدا نہیں ہوتی، اس لیے "ہو" کہنے والے کے لیے بھی ضروری ہے کہ اسے کسی غیر سے قربت و راحت حاصل نہ ہو (سب سے بے نیاز ہو جائے)

ایک درویش کسی راستے سے گزر رہے تھے، لوگوں نے ان سے پوچھا آپ کہاں سے آرہے ہیں؟ جوب دیا "ہو"۔ دریافت کیا، کہاں جا رہے ہو؟ جواب ملا "ہو"۔ معلوم کیا کہ آپ کا مقصد کیا ہے؟ درویش نے کہا "ہو"۔ لوگوں نے پھر پوچھا آپ کا معبود کون ہے؟ جواب دیا "ہو"۔ مختصر یہ کہ وہ ہر سوال کا جواب "ہو" دیتے تھے۔

از بس کہ دو دیدہ در خیالت دارم

در ہر چہ نظر کردم توئی پندارم

اے دوست ! میں نے اپنی آنکھیں تیرے تصور کے لیے وقف کر دی ہیں، اب جدھر دیکھتا ہوں تجھے ہی دیکھتا ہوں۔

منقول ہے (مجلس میں) موسی علیہ السلام کو دیدار سے منع کرنے کا ذکر آ گیا۔

اس سلسلے میں قطب عالم نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالی نے موسی علیہ السلام کو اپنے دیدار سے اس لیے منع کیا کہ ہمارے رسول علیہ السلام کی دلداری منظور تھی۔ حدیث میں ہے کہ جب جبریل اس آیت پر پہنچے ولما جا. موسی لمیقا تنا و کلمه ربه قال رب ارنی انظر الیک (الاعراف : ۱۴۳)

اور جب موسی ہمارے وعدے کے مطابق حاضر ہوئے اور ان کا پروردگار ان سے ہم کلام ہوا تو موسیٰ نے عرض کیا اے میرے پروردگار تو اپنے تئیں مجھے دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔

اس سے پہلے کہ جبریل کچھ اور پڑھتے نبی علیہ السلام کا چہرے مبارک پیلا پڑ گیا، آپ کھڑے ہوگئے اور بے تابانہ فرمایا ارای احد قبلی (کیا کسی نے مجھ سے پہلے دیکھا) جب جبریل علیہ السلام نے آگے پڑھا قال لن ترانی (خدا نے فرمایا تم ہم کو ہرگز نہ دیکھ سکو گے) تو آپ کا روئے مبارک اصل حالت پر آگیا اور فرمایا، اب میرا دل خوش مزہ ہوا۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا کہ اللہ تعالی نے تقوے کے ساتھ علم کے سمجھنے کا حکم دیا ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے واتقوا اللہ و اعلموا (البقرہ: ۱۹۶) (اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو) اور ارشاد باری تعالی ہے: واتقوا اللہ و یعلمکم اللہ (بقرہ: ۲۸۲) (اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تم کو سکھاتا ہے)۔

ان آیات میں تقوے کے ساتھ علم کو سمجھنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ پہلے تقوی اختیار کرو تاکہ علم کی سمجھ جیسی کہ درکار ہے پیدا ہوسکے۔ حق تعالی نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو اور عذاب دوزخ سے بچو کہ حق تعالی تمھیں اسلام کے طریقے سکھائیں۔

بہرصورت (اس بیان سے) شیخ قطب الدین دمشقی (صاحب رسالہ مکیہ) کا مقصود یہ ہے کہ حق تعالی کی معرفت کو تقوے پر مبنی سمجھو، جب تک اللہ تعالی کا تقوی پیدا نہ ہوگا کمال عقل حاصل نہ ہوگا۔

شیخ مینا نے فرمایا، جو شخص تقوی اور نیکی اختیار کرتا ہے حق تعالی اسے بعضے علوم بغیر حاصل کیے عطا فرماتے ہیں۔ اس کے فہم و ادراک کی کیفیت ایسی ہو جاتی ہے کہ جس بات کو ایک غیر متقی اور غیر صالح شخص پورے ایک دن میں سمجھ پاتا ہے وہ اسے ایک ساعت میں سمجھ لیتا ہے۔

(مجلس میں) بیان کیا گیا کہ، اس متقی اور صاحب عقل کو راحت و شادمانی حاصل ہو جس نے ہمیشہ باقی رہنے والی آخرت کو اختیار کیا اور فنا ہونے والی دنیا کو ترک کیا، اور جس نے ایسے شخص کی صحبت سے پرہیز کیا جس کے قول و فعل میں، کھانے اور لباس میں تقوے کا شائبہ تک نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ قول و فعل میں، لباس اور کھانے میں تقوے کی شان نمایاں ہونی چاہیے۔ اگر کسی شخص میں اس شان کا تقوی نہیں ہے تو وہ لایق صحبت نہیں ہے۔

قطب عالم نے فرمایا کہ ایک بزرگ خراسان سے سفر کرتے ہوئے سنام میں

وارد ہوئے۔ انھوں نے دریافت کیا کہ یہاں کوئی سید، عالم یا متقی ہیں جن کی زیارت کے لیے میں ان کی خدمت میں جاؤں۔ لوگوں نے سعد الدین مفسر کی نشان دہی کی۔ جب وہ بزرگ وہاں پہنچے تو انھوں نے دیکھا کہ مفسر گوبر اور مٹی کا گارا بنا رہے تھے، بزرگ الٹے پاؤں واپس ہو گئے اور کہنے لگے کہ وہ شخص عالم و متقی کس طرح ہو سکتا ہے جو گندگی کو اپنے در و دیوار کے لیے روا رکھتا ہو، و یحب المتطھرین (بقرہ: ۲۲۲) (یعنی بے شک اللہ صفائی رکھنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا: ان اللہ لایحب المعتدین (المائدہ: ۸۷) (بے شک اللہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا)۔ مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے جن لوگوں کو اپنی دوستی سے محروم رکھا بلکہ ناپسندیدہ قرار دیا ایسے لوگوں کی صحبت میں ہرگز نہیں بیٹھنا چاہیے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی صحبت سے سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

قطب عالم نے فرمایا، اچھی صحبت بہت دیر میں اپنا اثر دکھاتی ہے، جب کہ بری صحبت جلد متاثر کرتی ہے، اس لیے ضروری ہے کہ برے آدمی کی صحبت جلد چھوڑ دی جائے تاکہ وہ جلد اثر انگیز نہ ہو، اور نیک آدمی کے پاس زیادہ عرصہ بیٹھنا چاہیے یہاں تک کہ اس کا اثر نمایاں ہونے لگے۔ حقیقت یہ ہے کہ دونوں طرح کی صحبتیں اپنا اپنا اثر رکھتی ہیں، نبی علیہ السلام نے فرمایا، الصحبتہ توثر یعنی صحبت اثر ڈالتی ہے۔ چنانچہ صحبت سے آدمی کامیاب ہوتا ہے اور صحبت ہی سے تباہ ہوتا ہے۔ اگر نیک شخص کی صحبت اختیار کرے تو کامیاب ہوتا ہے، برے آدمی کی صحبت میں بیٹھے تو تباہ ہو جاتا ہے۔ اہل عقل کے لیے برے آدمی کی صحبت عظیم مصیبت اور سخت عذاب ہے۔

روح را صحبت ناجنس عذاب است الیم

روح کے لیے ناجنس کی صحبت بہت بڑا عذاب ہے۔

قطب عالم نے یہ شعر بھی پڑھا

آب رابین کہ چوں ہمی نالد

دمبدم ز ہمنشین ناہموار

پانی کا مشاہدہ کرو کہ وہ ہر لمحہ اس ہم نشیں سے جو ہموار نہ ہو پریشان رہتا ہے۔

پس کافروں، ظالموں اور مفسدوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر کوئی ضرورت پیدا ہو جائے تو بقدر ضرورت اس کی اجازت ہے۔

تفسیر میں آیا ہے کہ کافروں سے صحبت رکھنا نقصان کا کام ہے۔ ان سے میل ملاپ رکھنے سے دین کی حفاظت دشوار ہو جاتی ہے، البتہ ان کے پاس آنا جانا اور صحبت رکھنا صرف ضرورتاً جائز رکھا گیا ہے، مثلاً اگر کوئی مسلمان ماہر طبیب نہ مل سکے تو کافر طبیب کے پاس جانے میں کوئی مضائقہ نہیں تاکہ وہ نبض دیکھ کر مرض کی صحیح تشخیص کرے۔ یا مثلاً ایسا سامان جس کی مسلمان کو ضرورت ہے اور وہ صرف کافر کے ہاں دست یاب ہے تو اسے خریدنے کے لیے کافر کے پاس جانے میں کوئی حرج نہیں ہے، یا سونا چاندی جسے کوئی مسلمان خالص بنانا نہیں جانتا تو ایسی صورت میں کسی کافر کو دکھایا جاسکتا ہے، کیونکہ وہ خود سونے چاندی کو خالص نہیں بنا سکتا۔

خراں را سے در عروسی نخواند

مگر آں زماں کاب و ہیزم نہ ماند

گدھوں کو کوئی شخص شادی میں نہیں بلاتا مگر یہ جب پانی اور لکڑی مہیا کرنے کی ضرورت پڑ جائے (تو گدھوں سے کام لیتے ہیں)۔

(مجلس میں) بیان کیا گیا کہ جب سالک پر حقیقت روح منکشف کی جاتی ہے تو وہ نور روح کو آفتاب کی شکل میں دیکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب سالک پر عالم بالا کے انوار ظاہر ہوتے ہیں تو وہ ان انوار کو ستاروں، یا آفتاب یا ماہتاب کی صورتوں میں

دیکھتا ہے۔ یہ بھی روحانی انوار ہی ہوتے ہیں جو آسمان دل پر، دل کی پاکیزگی کے مطابق نمودار ہوتے ہیں۔

جب دل پاکیزگی میں اپنے درجہ کمال تک پہنچ جاتا ہے تو اس میں نور روح کے انعکاس کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس مقام پر وہ نور روح کو بشکل آفتاب مشاہدہ کرتا ہے۔ جس قدر دل پاک و صاف ہوتا جائے گا، اسی قدر آفتاب کی روشنی تیز ہوتی جائے گی، حتیٰ کہ ایک وقت ایسا آئے گا جب وہ ایسی روشنی کا مشاہدہ کرے گا جو اس ظاہری آفتاب کی روشنی سے ہزار درجے زیادہ تیز ہو گی۔

پھر بیان کیا گیا کہ جب سالک پر حقیقت قلب منکشف کی جاتی ہے تو وہ نور روح کو ماہتاب کی شکل میں دیکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب دل کامل طور پر پاک و صاف ہو جاتا ہے تو اس مقام پر وہ نور روح کو پورے چاند کی شکل میں دیکھتا ہے، لیکن اگر دل میں تھوڑی سی بھی کدورت باقی ہے تو اسے نور روح پورے چاند کی شکل میں نظر نہیں آئے گا۔

جب سالک پر صفات قلب ظاہر کی جاتی ہیں تو وہ نور روح کو ستاروں کی شکل میں دیکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب دل بقدر ایک ستارے کے پاک و صاف ہوتا ہے تو اسے نور روح اسی قدر نظر آتا ہے جس قدر ایک ستارے میں روشنی ہوتی ہے۔ کبھی وہ ستارے کو آسمان پر چمکتا ہوا دیکھتا ہے اور کبھی فضا میں چمکتا ہوا۔

بہر نوع یہ سب روحانی انوار ہیں۔ اسی بنا پر اہل مقام حضرات نے فرمایا کہ اگر کوئی سالک آفتاب، ماہتاب اور ستاروں کو کسی تالاب، دریا، ندی یا کنویں میں دیکھتا ہے تو یہ بھی روحانی انوار ہیں جو مختلف مقامات سے عکس ریز ہوتے ہیں۔ اگر سالک آفتاب و ماہتاب کا ایک ساتھ مشاہدہ کرے تو جان لینا چاہیے کہ قلب ماہتاب ہے جو نور روح کے عکس سے منور ہوا ہے اور روح آفتاب۔

اس بات کا امکان ہے کہ ان مختلف قسم کے مشاہدات میں جھوٹ داخل ہو جائے، لیکن کلی طور پر جھوٹ کے داخل ہونے کی گنجائش نہیں ہے، کیونکہ مشاہدات میں (کسی نہ کسی درجے میں) حقیقت روح بھی شامل ہوتی ہے، پس جیسا کہ چاہیے تعبیر اور تاویل کرنے والا روحانی مشاہدات اور نفسانی خیالات کی آلایش کو علیحدہ علیحدہ کرلے، پھر اپنی تعبیر اور تاویل بیان کرے۔

لیکن تعبیر اور تاویل کرنا ہر شخص کے بس کی بات نہیں ہے، اس کے لیے شیخ کامل اور عارف شامل کی ضرورت ہے جو ان مشاہدات اور واقعات کی حقیقت کو، جو مبتدیوں کو پیش آتے ہیں، پوری تشریح اور وضاحت سے بیان کرے اور بتائے کہ ان میں روحانی حقائق کون کون سے ہیں اور نفسانی آلایشیں کیا کیا ہیں تا کہ حق اور باطل الگ الگ ہو جائیں اور طالب اپنا مقصود جلد حاصل کرے۔

بعض خلوت میں بیٹھنے والوں نے قطب عالم شیخ مینا کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے کبھی خواب میں اور کبھی بیداری میں مشاہدہ کیا کہ مجھے ہوا میں اڑایا جا رہا ہے، پھر کسی جگہ یا گنبد پر بٹھا دیا۔ میں اس حالت میں بہت گھبرایا ہوا اور خوف زدہ تھا۔ قطب عالم اس سے فرماتے کہ یہ نفسانی خواہشات کی تاریکی سے گزرنے کا نتیجہ ہے۔ دل کو ایسی باتوں کی پروا نہیں کرنا چاہیے اور نہ اسے ذرہ برابر اہمیت دینی چاہیے؛ کیونکہ طلب کا ہدف اور مقصود اس سے کہیں آگے ہے۔

بعض نے عرض کیا، میں نے دیکھا کہ تمام حجرہ عطروں اور خوشبوؤں سے بھرا ہوا ہے، بلکہ منہ بھی خوشبو سے معمور ہے۔ قطب عالم نے فرمایا یہ تمام باتیں بے وقعت ہیں۔ بس لا الہ الا اللہ کے ذکر میں مشغول رہو اور اپنے احوال بیان کرتے رہو۔

بعضے کہتے ہیں کہ جب ہم کسی کے ساتھ تواضع سے پیش آتے ہیں یا قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ہم اپنے سامنے ایک طرح کا نور نمایاں ہوتے ہوئے اور چمکتے

ہوئے دیکھتے ہیں۔ قطب عالم فرماتے قرآن میں نور ہے، ذکر میں نور ہے، وضو میں نور ہے، ہر عبادت حائل نور ہے اور یہ طفلان طریقت کی غذا ہے۔ اس غذا سے طفلان طریقت پرورش پاتے ہیں۔ ہمت اس سے بھی زیادہ بلند ہونا چاہیے تا کہ منور حقیقی تک رسائی حاصل ہو سکے۔

شیطان جب ایسے جاہل کے پاس آتا ہے، جو دینی علوم سے واقف نہیں ہوتا، خواہ غیب سے کوئی بات اس پر ظاہر بھی کی گئی ہو، اس پر ہنستا ہے، اس کا مذاق اڑاتا ہے اور اس کی تحقیر کرتا ہے، اس وقت شیطان عجیب و غریب حرکتیں کرتا ہے۔ اس پر پیشاب کرتا ہے اور اسے اس فریب میں مبتلا کرتا ہے گویا شیشی میں عرق گلاب ہے، اسے اس کے جسم پر ملتا ہے۔ اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ شیطان اس کمزور شخص کو مخلوق کے بہکانے کے کام میں لگا دیتا ہے اور اسے کوئی شعبدہ بتا دیتا ہے جس کے اثر سے مخلوق گمراہ ہو جاتی ہے۔ اسی حقیقت کی بنا پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان پر ایک علم دین جاننے والا ہزار عابدوں سے زیادہ سخت ہوتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد گرامی حق ہے، کیونکہ ایک عالم خواہ وہ عبادت میں سست ہو، اپنے علم سے لوگوں کے ایک بڑے گروہ کو سیدھے راستے پر لگاتا ہے، جب کہ ایک جاہل کثرت عبادات اور مکاشفات کے باوجود مخلوق کو گمراہ کرتا ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ ایک عالم جو اگرچہ عارف نہ ہو، اور عبادت بھی کم کرتا ہو، مخلوق کے لیے نافع ہوتا ہے۔ اور جاہل خواہ بہت زیادہ عبادت گزار ہو، اور صاحب مکاشفہ بھی ہو مخلوق کے لیے مضر ہوتا ہے۔

قطب عالم نے فرمایا، ایک مرتبہ ایک جاہل ایک عالم سے جھگڑا کر رہا تھا کہ ایک عالم کس طرح شیطان پر ایک ہزار جاہل عابدوں سے زیادہ سخت ہو سکتا ہے۔ عالم نے اس سے کہا کہ اگر تمھیں یقین نہیں ہے تو میرے ساتھ چلو، میں تمھیں دکھائے دیتا ہوں۔

وہ عالم پہلے ایک جاہل عابد کے پاس گیا اور اپنے خادم سے کہا جاؤ اور اس عابد سے کہو کہ حق تعالی نے تمھیں سلام بھیجا ہے اور کہا ہے کہ تمھاری طاعت قبول کی گئی، اسی لیے جبریل علیہ السلام کو تمھارے پاس بھیجا ہے۔ وہ عابد یہ سنتے ہی تعظیم بجالانے لیے گھر سے باہر نکل آیا۔ بعدازاں دونوں ایک عالم کے گھر پہنچے، وہ بے خبر پڑا سو رہا تھا۔ اس سے کہا کہ جبریل علیہ السلام آئے ہیں (اور کہتے ہیں کہ) حق تعالی نے تمھیں سلام بھیجا ہے اور تمھارے علم کو شرف قبولیت عطا ہوا ہے۔ یہ سنتے ہی اس عالم نے انھیں مارنے کے لیے اینٹ اٹھالی اور بولا یہاں سے دفع ہو جاؤ کہ نبی علیہ السلام کے بعد جبریل دنیا میں نہیں آئیں گے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا جبریل کسی کے پاس نہیں آئے۔

(یہ واقعہ دیکھ کر) وہ جاہل جس نے عالم کے ساتھ بدخوئی کی تھی، بے حد شرمندہ ہوا، اور اپنے گھر لوٹ آیا اور عالم خوشی اور مسرت سے ہم کنار ہوا۔

منقول ہے کہ بعض باتیں (جو غیب سے دل میں ڈالی جاتی ہیں) یہ ہیں کہ جب سالک نفس اور خواہشات کی کیفیت سے ترقی کر کے عالم حقیقت میں قدم رکھتا ہے اور فناء الفنا کے مقام پر آتا ہے تو سوائے حق تعالی کے کسی چیز کو نہیں دیکھتا اور سوائے حق تعالی کے کسی شے کو نہیں جانتا۔ وہ سوائے حق تعالی کے ہر شے کو حتی کہ اپنی ذات کو بھی فراموش کر دیتا ہے۔ پس (غلبہ حال و مستی میں) اس پر منکشف ہوتا ہے کہ وہ پروردگار ہے، کیونکہ سوائے حق تعالی کے نہ وہ کسی شے کو دیکھتا ہے اور نہ جانتا ہے۔ اسے یقین ہو جاتا ہے کہ بے شک حق تعالی کے سوا کوئی شے نہیں ہے پھر وہ گمان کرتا ہے کہ خدا ہے اور (غلبہ حال و مستی میں) پکار اٹھتا ہے۔ "میں حق ہوں"۔ "سوائے حق کے مکان میں کوئی نہیں ہے"۔ "سوائے حق کے کوئی وجود میں نہیں ہے۔" اور جو شخص سنتا ہے وہ بھی اس کی بات کا اعتقاد کرلیتا ہے۔ یہ کیفیت حلول کی قسم میں سے ہے۔

(جاننا چاہیے کہ) حلول و اتحاد خالص گمراہی ہے (اس سے قطع نظر) اولیائے الہی میں سے جس نے اس طرح کی بات کہی ہے وہ غلبہ حال و مستی کے سبب کہی ہے، کیونکہ وہ ایسے مقام تک پہنچ گئے تھے کہ انھوں نے اپنی خودی کو اور ہر شے کو فراموش کر دیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر خودی فنا نہ ہو اور حال و مستی کا غلبہ نہ ہو تو یہ کہنا کہ سوائے حق تعالی کے گھر میں کوئی نہیں ہے اور کوئی وجود میں نہیں ہے، بذات خود کذب ہوگا اور ان حضرت سے کذب کا صادر ہونا محال ہے، چنانچہ حسین منصور نے جو کچھ کہا وہ مقام فنا میں غلبہ حال کے باعث تھا، اسی طرح بایزید نے "سبحانی ما اعظم شانی" اور دوسروں نے لیس فی الوجود الا اللہ، لیس فی الدار الا اللہ و لیس فی جنتی الا اللہ کہا، وہ سب مقام فنا میں غلبہ حال کے سبب کہا۔ اس حالت میں وہ ایسا کہنے پر معذور تھے۔

بیان کرتے ہیں کہ جب مجنوں نے اپنی خودی کو مٹا دیا، اور اپنے آپ کو فراموش کر دیا اور لیلی کی محبت میں مدہوش ہو گیا تو اس حالت میں لوگوں نے اس سے پوچھا کہ تیرا کیا نام ہے اس نے جواب دیا "میرا نام لیلی ہے۔"

ہاں اے عزیز! صرف باتوں سے یہ مقام سمجھ میں نہیں آتا۔ اس کی حقیقت اس کام کے اہل حضرات ہی جانتے ہیں۔ جو (ہر اندیشے سے) نجات و رہائی پا چکے ہیں۔

ولی کون ہے؟

فصل۔ (مجلس میں) خاص ولی کا ذکر ہوا کہ نبی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالی کے ولی کون ہیں، فرمایا وہ لوگ کہ جب انھیں دیکھو اللہ یاد آجائے۔ اس حدیث کو ابو نعیم نے حلیۃ الاولیا میں روایت کیا۔ اور حدیث قدسی میں ہے اولیاء من عبادی ومن اولیائی ومن خلقی، الذین یذکرون بذکری و نذکر بذکرھم یعنی اولیا میرے بندوں، میرے دوستوں اور میری مخلوق میں سے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو میرا ذکر کرتے ہیں اور میں ان کا ذکر کرتا ہوں۔

قطب عالم نے بارہا فرمایا کہ ولی کی نشانی یہ ہے کہ اس کے دیکھنے سے اللہ یاد آئے اور غیر ولی کے دیکھنے سے دل مردہ ہو جائے۔ حدیث قدسی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا بے شک اولیا میرے بندوں، میرے دوستوں اور میری مخلوق میں سے ہیں۔ وہ مجھے یاد کرتے ہیں، میں انھیں یاد کرتا ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ خاص ولی وہ ہے جو میری یاد میں رہتے ہیں اور میں ان کی یاد میں رہتا ہوں۔

قطب عالم نے یہ بھی فرمایا کہ ولی خاص کے لیے یہ بات روا ہے کہ وہ اپنے ولی ہونے سے واقف ہو، اس لیے کہ یہ ولایت حق تعالیٰ کی بخشش اور نعمت ہے، پس روا ہے کہ اسے اس نعمت کا بھی علم ہو، جس طرح اور بہت سی نعمتوں کا اسے علم ہے۔ دراصل اس کا یہ جاننا اس لیے ضروری ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ حق تعالیٰ کا شکر بجا لائے۔ اور بعضے کہتے ہیں کہ یہ جاننا روا نہیں ہے۔

منقول ہے (مجلس میں) بیان کیا گیا کہ انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابدال چالیس ہیں۔ بائیس شام میں اور اٹھارہ عراق میں، جب کوئی فوت ہو گا تو اللہ کا ایک ابدال اس کی جگہ لے گا۔

قطب عالم نے فرمایا، جب ابدال کسی کو اپنی جماعت میں شامل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے دل کی صفائی کے لیے دودھ میں زعفران ملا کر پکاتے ہیں اور اسے کھلاتے ہیں۔ اس کو وہ ظاہری اثر کہتے ہیں۔ ان کے پاس تقریباً نو درم وزن کی کوئی رس دار چیز کئی رنگوں میں ہوتی ہے۔ سفید، سرخ زرد، سیاہ۔ سیاہ رنگ کی بہت خوش نما ہوتی ہے اور بہت ہی خوشبو دار اور شیریں۔ کھانے میں انتہائی فرحت بخش۔ جب ان سے معلوم کیا گیا کہ یہ چیز کہاں ہوتی ہے تو انھوں نے بتایا کہ صحرائے سینا میں سات آٹھ درخت ہیں، یہ ان درختوں کا پھل ہے۔

فصل۔ کرامت کے بارے میں ذکر کیا گیا کہ ساریہ ایک صحابی تھے۔ حضرت عمر

رضی اللہ عنہ نے ان کو ایک لشکر کا امیر بنا کر نہاوند کی طرف جہاد کے لیے روانہ کیا۔ ساریہ رضی اللہ عنہ سے دشمن کا جس جگہ بھی آمنا سامنا ہوا دشمن نے اطاقت قبول کی۔ (اسی زمانے میں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک جمعے کو خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے منبر سے مشاہدہ کیا کہ دشمنوں کی ایک جماعت پہاڑ کے عقب میں گھات لگائے ہوئے ہے۔ آپ نے اسی وقت منبر سے آواز دی' اے ساریہ پہاڑ' اے ساریہ پہاڑ۔ ساریہ نے حضرت عمر کی آواز سنی۔ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر اور ساریہ کے درمیان پانچ سو کوس کا فاصلہ تھا' اس کے باوجود ساریہ نے آواز سن لی اور دشمنوں کا جو لشکر پہاڑ کے اس طرف چھپا بیٹھا تھا' اس پر حملے کر کے ہلاک کر دیا۔ اس نوع کے واقعات مشائخ کے تذکروں میں بہت ہیں۔

شیخ سعد نے بیان کیا ہے کہ اس فقیر کو رمضان المبارک کے مہینے میں سخت بخار ہوا۔ چند دن فاقے کیے تھے اور بخار کا زور بھی بڑھ گیا تھا۔ رمضان کی اٹھارہ تاریخ کو میری حالت بہت خراب ہوگئی۔ نہ زمین پر چین تھا نہ چارپائی پر قرار۔ کبھی زمین پر لیٹ جاتا' کبھی چارپائی پر چلا جاتا' یہاں تک کہ رات ہو گئی۔ میں نے ایک آدمی قطب عالم کی خدمت میں بھیجا تا کہ وہ میری کیفیت آپ سے عرض کرے۔ ایک شخص ایک ایک سیر وزن کی چند روٹیاں گھی میں تر بتر شکر ملا کر لے کر حاضر ہوا۔ قطب عالم نے ان میں سے ایک روٹی فقیر کے لیئے بھیجی اور حکم فرمایا کہ یہ روٹی تمام کی تمام کھا جاؤ' کچھ باقی نہ رہے۔ میں نے چند فاقے بھی کیے تھے' بخار کا زور بھی تھا' اس دشوار حالت میں کوئی چیز کھانے کی قطعی رغبت نہ تھی' لیکن مرشد کے فرمان کی بجا آوری اور حسن اعتقاد کے باعث ارادہ کرلیا۔ تھوڑا تھوڑا کھاتا رہا حتی کہ تمام روٹی کھا لی' اسی اثنا میں مجھے نیند آ گئی۔ اور تھوڑی دیر بعد بالکل افاقہ ہو گیا۔

جان لیں کہ ان واقعات کو جو مشائخ سے صادر ہوتے ہیں "کرامت" کہا جاتا

ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ معجزے اور کرامت میں کوئی فرق نہیں ہے، کیونکہ دونوں ہی حق تعالیٰ کا فضل ہیں۔ اگر (یہ فضل) کسی ایسے مظہر کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے جس کی پیروی فرض کر دی گئی ہے تو معجزہ کہلاتا ہے اور اگر ایسے مظہر کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے جسے پیروی کرنے کا حکم دیا گیا ہے تو اسے کرامت کہتے ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ دونوں میں یہ فرق ہے کہ انبیا کو معجزے کا اظہار کرنا چاہیے اور اولیا کو کرامت کا اظہار نہیں کرنا چاہیے، لیکن کسی مرید کی ہدایت اور طالب کو رغبت دلانے کے لیے کرامت کا اظہار ضروری ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ یا یہ کہ حق تعالیٰ اس کے ارادے اور اختیار کے بغیر اس پر ظاہر کر دے یعنی غلبہ حال میں ہو، اور بغیر اس کے ارادے اور اختیار کے اس سے کرامت ظاہر ہو جائے۔

یا یہ کہ کسی عاجز اور بے بس کو سہارا دینے کی غرض سے کرامت ظاہر کرے۔

یا یہ کہ شریعت محمدی اور دین اسلام کو نقصان پہنچتا ہوا دیکھے تو کرامت ظاہر کی جاسکتی ہے، جیسے کہ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا قصہ مشہور ہے۔

قطب عالم قدس سرہ نے فرمایا کہ فوائد الفواد میں بیان کیا گیا ہے۔ ایک دفعہ ایک فلسفی خلیفہ وقت کے دربار میں حاضر ہوا، اور اپنی کتابیں بھی اس نیت سے لایا کہ خلیفہ کو راہ حق سے پھیر دے۔ خلیفہ نے بھی اس کے علم سے رغبت ظاہر کی۔ لوگوں نے یہ خبر شیخ شہاب الدین سہروردی کو پہنچائی۔ شیخ نے اس خبر کو بڑی توجہ سے سنا اور فرمایا کہ اگر خلیفہ فلسفی کے مذہب کی جانب مائل ہو گیا تو دنیا میں (کفر کی) تاریکی پھیل جائے گی۔ فوراً مسند سے کھڑے ہو گئے اور خلیفہ کے محل میں تشریف فرما ہوئے۔ اس وقت خلیفہ اس فلسفی کے ساتھ تنہائی میں بیٹھا ہوا، اسی بحث و مباحثے میں مصروف تھا۔ خلیفہ کو آپ کے تشریف لانے کی اطلاع کی گئی۔ خلیفہ نے شیخ کو اندر بلالیا۔ شیخ اندر تشریف لے گئے اور خلیفہ سے دریافت فرمایا کہ اس وقت تم کیا بحث کر رہے تھے؟

خلیفہ نے جواب دیا کہ اس وقت دوسری طرح کی باتیں ہو رہی تھیں اور دانستہ فلسفیانہ بحث کو چھپایا۔ شیخ نے بہت اصرار کیا کہ جو بحث جاری تھی اسے ظاہر کرنا چاہیے۔ بہرحال شیخ کے بے حد اصرار پر فلسفی نے بتایا کہ اس وقت ہم یہ بحث کر رہے تھے کہ آسمان کی گردش طبعی ہے۔ حرکت تین طرح کی ہوتی ہے، طبعی ارادی اور قسری۔

طبعی حرکت یہ ہے کہ کوئی شے از خود طبعاً حرکت کرے، مثال کے طور پر اگر پتھر کو ہاتھ سے چھوڑ دیں تو سیدھا زمین پر آتا ہے۔

حرکت ارادی یہ ہے کہ جس طرف چاہے اپنے مقصود کے مطابق حرکت کرے۔

حرکت قسری یہ ہے کہ کوئی دوسرا شخص کسی شے کو حرکت میں لائے مثلاً جیسے کوئی شخص پتھر کو ہوا میں اچھالتا ہے، اسے حرکت قسری کہتے ہیں۔ پھر جب حرکت میں لانے کا زور کم ہو جاتا ہے تو وہ پتھر اپنی خاصیت کے مطابق زمین پر گرتا ہے۔ اس حرکت کو حرکت طبعی کہتے ہیں۔

اس وقت بحث کا نکتہ یہ تھا کہ آسمان کی حرکت (نہ ارادی ہے نہ قسری بلکہ) طبعی ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے، آسمان کی حرکت، حرکت قسری ہے۔ فلسفی نے سوال کیا کہ یہ کس طرح ہے۔ شیخ نے فرمایا کہ ایک فرشتہ اس صورت و ہیئت کا ہے جو خدائے عزوجل کے حکم کے مطابق آسمان کو حرکت میں لاتا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ فلسفی نے یہ سن کر قہقہہ لگایا۔ شیخ، خلیفہ اور فلسفی کو اس کمرے سے جس میں بیٹھے ہوئے تھے باہر لے آئے اور آسمان کی طرف دیکھا اور عرض کیا کہ اے مالک جو کچھ تو اپنے بندوں کو دکھاتا ہے ان کو بھی دکھا دے۔ اس کے بعد شیخ نے ان سے کہا کہ آسمان کی جانب نگاہ کرو۔ انھوں نے آسمان کی جانب نگاہ کی تو اس فرشتے کو دیکھا جو آسمان کو گردش میں لاتا ہے۔ خلیفہ کا اعتقاد اس مذہب سے اٹھ گیا اور دین

اسلام میں پختہ ہو گیا۔

بہر نوع قطب عالم شیخ مینا کی کرامات جو بزرگوں سے سنی گئیں بہت زیادہ ہیں۔ ان میں سے چند یہاں بیان کی جاتی ہیں۔

منقول ہے کہ ایک شخص قطب عالم کا مرید ہوا۔ قطب عالم نے شیرینی کے اس تحفے کو جو وہ لایا تھا تقسیم نہیں کیا، اور میاں داؤد کو جو آپ کے خادم تھے دے دیا اور حکم دیا کہ اسے زمین میں گاڑ دو۔ میاں داؤد نے جیسا کہ حکم دیا گیا تھا اس کی تعمیل کر دی۔ قطب عالم کی اس خلاف عادت بات پر اہل مجلس بے حد حیران ہوئے۔ کچھ عرصے بعد اس مرید کو چوری کے الزام میں گرفتار کر کے متعلقہ حاکم کے سامنے پیش کیا گیا، جسے شمس خاں کہتے تھے۔ حاکم نے صورت حال کے بارے میں پوچھ گچھ کی تو اس نے کہا میں قطب عالم کا مرید ہوں۔ چونکہ حاکم قطب عالم سے اعتقاد نہ رکھتا تھا اس نے بطور اعتراض اس مرید کو آپ کے پاس بھیج دیا کہ یہ آپ کا مرید ہے۔ قطب عالم نے فرمایا، بے شک یہ شخص میرا مرید ہے لیکن ہم نے اس کی شیرینی صرف نہیں کی، حفاظت سے رکھوا دی ہے۔ پھر میاں داؤد کو حکم دیا کہ اس کی شیرینی لے کر آؤ، اور اس شخص سے کہا کہ اپنی شیرینی لو اور ہماری کلاہ ہم کو واپس کرو۔ وہ بے حد پشیمان ہوا اور عاجزی کرنے لگا کہ میں توبہ کرتا ہوں، آج کے بعد چوری نہیں کروں گا۔ اس کے بعد اس نے توبہ کر لی۔ بے شک اللہ ہی توفیق بخشنے والا ہے۔

منقول ہے کہ شمس خاں قطب عالم سے پختہ اعتقاد نہیں رکھتا تھا۔ ایک دن اس نے اپنے دل میں سوچا (میں جب جانوں کہ) حضرت شیخ مجھے ایسا انار دیں جس کے دانے سرخ ہوں اور جو چار طرف سے پھٹا ہوا ہو، (حالانکہ) انار کا موسم نہ تھا۔ جب شمس خاں قطب عالم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے خادم سے فرمایا کہ حجرے کے فلاں طاقچے میں انار ہے، اسے لے آؤ۔ جب خادم نے انار لا کر پیش کیا تو اس میں وہی

خوبیاں تھیں جو شمس خاں کو مطلوب تھیں۔ قطب عالم نے وہ انار شمس خاں کو دیا اور فرمایا اگر ہمارے پاس انار نہ ہوتا تو ہم تمھیں کہاں سے دیتے۔ فقیروں کا امتحان لینا اچھا نہیں ہے۔ شمس خاں بے حد پشیمان ہوا۔

منقول ہے کہ حضرت قطب عالم کے لنگر خانے میں روزانہ استعمال کے آٹے کی مقدار معین تھی۔ اس کی روٹیاں پکا کر حلیم کے سالن کے ساتھ تقسیم کرتے تھے۔ کھانے کی مقدار اہل خانقاہ کے لیے کافی ہوتی تھی۔ روز کا معمول اس سے زیادہ نہ تھا۔

شمس خاں نے لنگر خانے کے معمولات کا ذکر کئی بار سنا تھا: اس کے سر پر امتحان لینے کا سودا سمایا۔ اس نے اپنا ایک آدمی جاسوسی پر مقرر کر دیا کہ جب لنگر تقسیم کرنا شروع کریں تو ہمیں اطلاع دینا تا کہ ہم بھی وہاں پہنچ جائیں اور مجلس کا حال اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ جاسوس اس ٹوہ میں لگا رہا اور شمس خاں کو اطلاع دی۔ کھانا ختم ہونے کے بعد وہ کچھ لوگوں کے ساتھ قطب عالم کی خانقاہ میں آیا۔ اس وقت چار روٹیاں اور تھوڑا سا حلیم کا سالن جو میاں داؤد خادم کا حصہ تھا. بچا ہوا تھا۔ قطب عالم نے فرمایا کہ کھانے کے برتنوں کو ڈھک دو۔ جب شمس خاں بیٹھ گیا تو قطب عالم نے ہاتھ دھلوانے کے لیے پانی طلب کیا۔ میاں داؤد نے کھانا کم ہونے کے باعث دانستہ دیر کی۔ قطب عالم نے ہاتھ دھونے کے لیے تین بار پانی طلب فرمایا۔ مجبوراً میاں داؤد اپنے شیخ کے حکم کی تعمیل میں طشت اور آفتابہ لے کر آئے اور شمس خاں اور اس کے ہمراہیوں کے ہاتھ دھلوائے۔ آپ نے کھانے کے برتن اپنے سامنے رکھے اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کہہ کر ان کے ڈھکن ہٹائے۔ دستر خواں سے چار روٹیاں نکال کر ہر ایک کے سامنے رکھیں۔ سب لوگوں نے سیر ہو کر کھایا۔ اس وقت شمس خاں. بہت پشیمان ہوا، اور عرض کی کہ میری ایک درخواست ہے، اگر قبول فرمائیں تو عرض کروں۔ قطب عالم کی ذات میں بے حد تواضع تھی، اسے درخواست عرض کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی۔ اس نے عرض کیا

کہ میری استدعا یہ ہے کہ اب جب بھی میں خدمت میں حاضر ہوں، مجھے اپنی ڈاڑھی سے قدم مبارک صاف کرنا قبول فرمائیں۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد میاں داؤد اٹھے اور زبان ہندی میں عرض کیا، ہمارے ہاتھ روزانہ کھانا پکاتے پکاتے جل جاتے ہیں، آپ اسی طرح غیب کے دستر خوان سے کھانا کیوں فراہم نہیں کروا دیتے۔ قطب عالم نے فرمایا، میاں داؤد صاحب، حق تعالیٰ ہمیشہ بندے کی عرض قبول نہیں کرتے، کبھی کبھی قبول فرماتے ہیں۔

منقول ہے کہ شمس خاں کا بڑا بیٹا جذام (کوڑھ) کے مرض میں مبتلا ہو گیا۔ وہ قطب عالم پر سچے دل سے اعتقاد رکھتا تھا۔ اس کے بھائی نے طعنہ دیا کہ شیخ کی صحبت کا عجیب اثر ہے کہ تجھے کوڑھ لگ گئی۔ وہ بے چارہ غم زدہ حالت میں قطب عالم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور بھائی کے طعنے کی کیفیت بیان کی۔ حضرت نے ہندی زبان میں فرمایا بھوری ہے، کچھ غم نہ کر۔ اپنا لعاب دہن اس کے جسم پر ملا۔ حق تعالیٰ نے اسے جذاب کی مصیبت سے رہائی عطا فرمائی اور صحت کلی نصیب ہوئی، لیکن اس کا وہ بھائی جس نے اسے طعنہ دیا تھا بیمار پڑا، اور اسی میں ہلاک ہو گیا۔

منقول ہے کہ شیخ بدھا نام کے ایک شخص قطب عالم کے مرید صادق تھے۔ جوانی کا زمانہ تھا، ڈاڑھی منڈا دی۔ ایک مرتبہ وہ شہر کالپی میں اپنے ایک عزیز سے ملنے گئے، انھیں شیخ فنا کہتے تھے۔ ان بزرگ وار نے شیخ بدھا سے کہا کہ ڈاڑھی منڈانا خلاف شرع ہے، سنت کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ شیخ بدھا نے جواب دیا جب تک میرے شیخ اپنا دست مبارک میرے چہرے پر نہیں رکھیں گے ڈاڑھی نہیں رکھوں گا۔ ان بزرگ وار نے جلال کی نظر سے انھیں دیکھا، شیخ بدھا کھڑے کھڑے گر پڑے اور بے ہوش ہو گئے۔ چھ ماہ تک بیمار رہے، کبھی ہوش میں آتے کبھی بے ہوش ہو جاتے۔ اس حالت میں بھی ان کی توجہ اپنے شیخ پر رہی۔ جب چھ ماہ گزر گئے تو ایک شب قطب عالم خواب میں آئے

اور فرمایا کہ دہی چاول کھاؤ تو بیماری صحت میں تبدیل ہو جائے گی۔ شیخ بدھا جب بیدار ہوئے تو انھوں نے دہی چاول کھانے کی خواہش کی۔ طبیب مانع ہوئے کہ اگر دہی چاول کھاؤ گے تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ شیخ بدھا نے طبیبوں کی بات نہ مانی اور کہا کہ ہمارے مرشد کا حکم ہے، ہم ضرور بجا لائیں گے۔ دہی چاول کھاتے ہی صحت کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ جب صحت کلی حاصل ہوگئی تو شیخ بدھا نے غسل کیا اور سفید کپڑے پہن کر شیخ فتا سے ملنے گئے۔ جب انھوں نے شیخ بدھا کو دیکھا تو زبان ہندی میں کہا، شیخ مینا نے اپنے مرید کی خوب حمایت کی۔ قطب عالم شیخ بدھا پر بے حد شفقت فرماتے تھے۔ اگر شیخ بدھا سفر پر جاتے تو اپنے فرزندوں کو قطب عالم کے سپرد کر کے روانہ ہوتے تھے۔ حضرت بھی شیخ بدھا کے لڑکوں کی ظاہری اور باطنی نگرانی فرماتے تھے، اس حد تک کہ راتوں کو خود اپنے دست مبارک سے ان کے حجرے کا دروازہ بند فرماتے کہ کہیں بھیڑیا حجرے میں نہ آجائے۔

قطب کے متعلق چند واقعات

منقول ہے کہ قطب عالم کی بعض ان زمینوں پر جن میں آپ شراکت دار تھے، چوہوں کی کثرت ہو گئی اور انھوں نے زراعت کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ ان زمینوں کی رعایا بالکل بے بس ہوگئی اور قطب عالم کی خدمت میں کھیتی کی تباہی کا ماجرا عرض کیا۔ قطب عالم نے ایک بلی ان لوگوں کے حوالے کی کہ اسے کھیتوں میں چھوڑ دیں، چنانچہ بلی کو آپ کے حکم کے مطابق زراعت میں چھوڑ دیا۔ بلی نے خود کو ہر قطعہ زراعت میں ظاہر کیا۔ بلی کے خوف سے سارے چوہے وہاں سے غائب ہوگئے اور بقیہ زراعت صحیح سلامت رہی۔

منقول ہے کہ شہر لکھنو میں ایک شخص ملک نورالدین تھا، جو بادشاہ کا مقرب اور صاحب اختیار تھا۔ اس نے قطب عالم کی خانقاہ کے قریب ایک حوض کی بنیاد کھدوانی شروع کر دی۔ اس جگہ مسلمانوں کی بہت سی قبریں تھیں۔ لوگ شکایت کرنے کے لیے

قطب عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا ماجرا آپ سے عرض کیا۔ حضرت نے اسے نصیحت فرمائی کہ تم یہ کام نہ کرو۔ اس نے دنیاوی طاقت کے گھمنڈ میں آپ کی نصیحت نہ مانی۔ قطب عالم نے فرمایا اللہ نے چاہا تو اس حوض کا پانی خنزیر پئیں گے، آدمی نہیں پئیں گے۔ زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ شہر لکھنو وسیع ہوتا گیا اور وہ حوض شہر کے اندر آگیا۔ (گندے) پانی کی ملاوٹ کی وجہ سے وہ حوض ناپاک ہو گیا، اور خنزیر اس کا پانی پینے لگے۔ بعدازاں حوض کا پانی بھی خشک ہو گیا، اور وہ خنزیروں کی سیرگاہ بن گیا، چنانچہ اب بھی یہی حال ہے۔

منقول ہے کہ ایک شخص جن کا نام مولانا بدھا ریش دراز تھا، جامع مسجد لکھنو میں موذن تھے۔ ان کی بیٹی پر جن کا اثر ہو گیا، اور کسی طرح اس سے چھٹکارا حاصل نہ ہوسکا۔ وہ لڑکی اس اثر کے باعث برہنہ رہتی تھی۔ برہنگی کے سبب لڑکی کو ایک حجرے میں بند کر دیا گیا۔ مولانا بدھا ریش دراز جب بالکل عاجز ہو گئے تو جن جن لوگوں کا انھیں علم ہوا سب سے علاج کرایا، لیکن کسی شخص کے عمل سے فائدہ نہ ہوا۔ آخر کار قطب عالم مولانا کی بے چارگی کی حالت پر متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ پانچ چھ بالشت لمبی تانبے کی ایک تختی لے کر آؤ۔ مولانا بدھا نے حکم کی تعمیل کی۔ قطب عالم نے اس تختی پر سرخ روشنائی سے کچھ تحریر فرمایا اور مولانا کو دے کر فرمایا، اسے ہاتھ میں لیے ہوئے عید گاہ میں کھڑے رہو۔ وہاں جنوں کا لشکر آئے گا، تم جنوں کے بادشاہ سے اپنی لڑکی کا حال بیان کرنا تا کہ اسے واقعے کی اطلاع ہو جائے اور وہ اس ظالم کو قرار واقعی سزا دے۔ حسب الحکم مولانا عید گاہ میں تانبے کی اس تختی کو ہاتھ میں لیے کھڑے رہے۔ جنوں کا لشکر وہاں سے گزرا، جب بادشاہ کی سواری آئی تو مولانا نے وہ تختی اسے دکھائی۔ وہ فوراً گھوڑے سے اترا، اور قطب عالم کی تحریر کی تعظیم بجا لایا، پھر مولانا سے حالات معلوم کیے۔ اس نافرمان کو پکڑوا کر بلوایا۔ باوجود اصرار کے وہ سرکش لڑکی چھوڑنے پر راضی نہ

ہوا، بالآخر بادشاہ نے اس کا سر قلم کروا دیا، اور مولانا سے کہا کہ قطب عالم سے میرا سلام عرض کریں اور کہہ دیں کہ میں نے اس نافرمان کو قتل کرا دیا ہے۔

جب مولانا بدھا اپنے گھر پہنچے تو ان کی بیٹی فریاد کر رہی تھی کہ مجھے حجرے میں کیوں قید کیا ہوا ہے، اور میرے کپڑے کیوں چھین لیے ہیں، میرے کپڑے مجھے دو۔ مولانا نے کہا کہ لڑکی کو کپڑے دے دو، کیونکہ وہ نافرمان جس نے فساد پھیلایا ہوا تھا، اپنے انجام کو پہنچا۔ بہرحال لڑکی کو حجرے سے باہر لائے اور کپڑے پہنائے۔ اب اس پر جن کے آسیب کا کوئی اثر نہ رہا تھا۔ اس کے بعد مولانا بدھا ریش دراز قطب عالم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حالات بیان کرنے چاہے، لیکن قطب عالم نے انھیں منع کر دیا اور اس راز کے انکشاف پر راضی نہ ہوئے۔

منقول ہے کہ قطب عالم کے بچپن میں بکسر کے راجہ "رائے تاس" نے شہر لکھنو پر غلبہ کیا اور شہر کے لوگ مجبوراً قلعے میں محصور ہو گئے۔ جب اہل شہر کے محاصرے کو کافی عرصہ گزر گیا تو قاضی فریدوں قوام الحق والدین کے حکم کے مطابق قطب عالم کو لے کر قلعے میں آ گئے۔ قلعے میں مہنگائی اور اناج کی قلت پیدا ہو گئی، اس لیے قاضی فریدوں قطب عالم کے کھانے پینے کی چیزیں لینے کے لیے قلعے سے نکل کر لشکر کفار میں آئے اور اشیائے ضروری حاصل کیں تاکہ قطب عالم بھوکے نہ مر جائیں۔ کافروں کے لشکر میں سے بعضوں نے بتایا کہ ہمارے تیر فلاں سمت میں سیدھے نہیں جاتے، ادھر ادھر ہو جاتے ہیں۔ جو سمت انھوں نے بتائی تھی قطب عالم اسی سمت میں قیام پذیر تھے۔ قاضی فریدوں نے کہا کہ تمھارے تیر ادھر نہیں جائیں گے، کیونکہ وہاں بینا کا قیام ہے۔

منقول ہے کہ بچپن میں قطب عالم قاضی فریدوں کی زیر تربیت تھے۔ کبھی کبھی آپ ہتھیلی میں پانی بھر لیتے، کوئی چڑیا اڑ کر آتی اور آپ کی ہتھیلی پر بیٹھ کر پانی

پیتی۔ قاضی فریدوں بھی چڑیا پکڑ کر قطب عالم کو دیتے کہ جیسا بچوں کا قاعدہ ہے، اس سے کھیلیں۔ (ایک دن) قاضی فریدوں نے محسوس کیا کہ چڑیا بے بس ہے، اڑ نہیں سکتی تو انھوں نے قطب عالم سے کہا کہ بیٹے چڑیا سے کہو اڑ جائے، چنانچہ جب آپ نے اجازت دی تو چڑیا اڑ کر چلی گئی۔ ایسا واقعہ بارہا وقوع میں آیا۔

منقول ہے کہ حضرت بدیع الدین شاہ مدار چند سال شہر جونپور میں بھی قیام پذیر رہے تھے۔ آپ جمعہ کی نماز کے لیے مسجد میں نہیں جاتے تھے۔ سلطان ابراہیم نے بعض علما کو ان کے پاس بھیجا کہ ان سے عرض کریں، اگر آپ نماز جمعہ میں تشریف لایا کریں تو بہت سے لوگوں کو نفع حاصل ہوگا۔ حضرت شاہ مدار نے اس شخص سے جسے سلطان ابراہیم نے بھیجا تھا فرمایا کہ تم فضول باتیں نہ کرو۔ جو کچھ سلطان نے کہا ہے وہ تم مجھ سے کہو اور جو میں تم سے کہوں وہ تم سلطان تک پہنچا دو۔ میری اور سلطان کی باتوں میں ادھر ادھر کی باتیں نہ ملاؤ۔ اس کے بعد شاہ مدار نے فرمایا، سلطان سے کہنا کہ جمعہ تین آدمیوں پر فرض نہیں ہے۔ قاصد نے شاہ مدار کا جواب سلطان کو پہنچایا۔ سلطان نے کہا کہ ان سے دریافت کرو کہ وہ تین آدمی کون سے ہیں۔ شاہ مدار نے جواب دیا کہ ایک مسافر، دوسرے عورت اور تیسرے غلام۔ پیام بر نے یہ تشریح سلطان کی خدمت میں پیش کر دی۔ سلطان نے کہا جا کر معلوم کرو آپ کس گروہ میں شامل ہیں۔ قاصد شاہ مدار کی خدمت میں حاضر ہوا، اور سلطان نے جو بات دریافت کی تھی عرض کر دی۔ شاہ مدار نے جواب دیا کہ ہم مسافر ہیں۔ قاصد نے شاہ مدار کا جواب سلطان کو پہنچایا۔ سلطان نے کہا جا کر پوچھو مسافر کس شخص کو کہتے ہیں۔ حضرت شاہ مدار نے اپنی جانماز اٹھائی، کندھے پر ڈالی اور چل دیے اور فرمایا، مسافر اسے کہتے ہیں۔ پھر جونپور سے شہر لکھنو میں منتقل ہو گئے۔

(جس زمانے میں شاہ مدار لکھنو میں تھے) ایک شخص کی بیوی چھ ماہ تک بیمار

رہی اور لوگ اس عورت کی زندگی سے مایوس ہو گئے۔ وہ شخص اپنی بیوی سے بے حد محبت کرتا تھا، بہت مغموم ہوا۔ کسی نے اسے بتایا کہ شاہ مدار لکھنؤ میں تشریف رکھتے ہیں۔ وہ شخص انتہائی غم کی حالت میں آنکھ میں آنسو بھرے شاہ مدار کی خدمت میں حاضر ہوا، اور اپنی بیوی کی شفایابی کی درخواست کی۔ شاہ مدار نے فرمایا کہ یہاں کی ولایت شیخ مینا کے سپرد کی گئی ہے، تم ان کے پاس جاؤ۔ اس زمانے میں قطب عالم کی شہرت عام نہیں ہوئی تھی۔ اس شخص نے کہا کہ میں تو انھیں جانتا نہیں، وہ کہاں ملیں گے۔ شاہ مدار نے فرمایا کہ وہ شیخ قوام الدین کے روضے میں قیام پذیر ہیں، قاضی شہاب الدین کو اس شخص کے ہمراہ کر دیا اور پتہ بھی بتا دیا تاکہ صحیح جگہ پہنچ جائیں۔ روپوں کی ایک تھیلی اور ایک مصلا بھی قطب عالم کو بھیجا اور فرمایا کہ شیخ مینا سے کہنا کہ اس شخص کی بیوی کے لیے دعا فرمائیں کہ وہ صحت یاب ہو۔ (دونوں قطب عالم کے پاس پہنچے) قطب عالم نے کہا کہ میں کون ہوں کہ آپ کے ہوتے ہوئے دعا کروں۔ آپ دعا کریں میں آمین کہتا ہوں۔ قاضی شہاب الدین نے کہا، آپ دعا فرمائیں، کیونکہ اس کی صحت کا دارومدار آپ کی دعا پر ہے۔ قطب عالم نے وضو کی تجدید کی اور اس جانماز کو جو شاہ مدار نے آپ کو بھجوائی تھی، اپنے آگے بچھایا اور تحیت وضو کی نفل کے لیے کھڑے ہو گئے۔ ادب کے لحاظ سے آپ نے اپنے پیر جانماز پر نہیں رکھے۔ قاضی شہاب الدین نے کہا کہ خدا کے بندے جائے نماز پر پیر رکھیے، آپ خدا کے منتخب بندے ہیں اور جس بندے پر اللہ تعالی کا لطف و کرم ہو اس کے لیے شاہ مدار بھی اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے ہیں۔ قاضی کے اصرار پر قطب عالم نے مصلے پر اپنے پاؤں رکھ دیے اور نماز ختم ہونے کے بعد فرمایا کہ اس عورت کو مرض نہیں ہے، اسے بہت بھوک لگی ہوئی تھی۔ آپ اس کے لیے خشکہ اور سرکہ لائے اور دو تین لقمے خود کھلائے۔ اللہ تعالی کے کرم سے اسی وقت صحت کے آثار نمایاں ہونے لگے۔

منقول ہے کہ قطب عالم شیخ مینا جوانی کے زمانے میں اپنے چچا سے ملاقات کرنے کے لیے جن کا نام کریم الدین تھا، شہر جونپور گئے۔ خواجہ کریم الدین نے جو سلطان ابراہیم کے منشی تھے، جب یہ سنا کہ قطب عالم (ملاقات کے لیے) آرہے ہیں تو بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے آپ کے لیے ایک گھوڑا اور وہ لباس جو قاضی پہنتے ہیں بھجوایا اور ارادہ کیا کہ اپنی کنواری لڑکی کی منگنی آپ سے کر دیں۔ قطب عالم نے بھیجے ہوئے کپڑے نہیں پہنے۔ گھوڑے پر سوار نہیں ہووے۔ پیادہ پا شہر میں آئے اور چچا سے ملاقات کی۔ جو کھانا خواجہ کریم الدین لائے تھے، اسے نہیں کھایا۔ چار پائی پر (جو فراہم کی گئی تھی) نہیں سوئے، زمین پر آرام کیا۔ اہل خانہ اور متعلقین نے خواجہ کریم الدین سے شکایت کی کہ یہ شخص دیوانہ معلوم ہوتا ہے، اس سے بیٹی کی منگنی نہ کریں۔ خواجہ کریم الدین نے کہا وہ ایسا دیوانہ نہیں ہے کہ اس نسبت قرابت کو قبول نہ کرے۔ ہر چند کہ خواجہ کریم الدین نے نسبت قرابت کا اظہار کیا اور بہت مبالغہ کیا، قطب عالم راضی نہیں ہوئے۔ خواجہ کریم الدین نے کہا کہ اس علاقے میں ہمارے قبیلے کا کوئی شخص نہیں ہے، میں لڑکی کا نکاح کس سے کروں، تم بھی راضی نہیں ہوتے۔ قطب عالم نے کہا، اگر اللہ نے چاہا تو لڑکی نہیں رہے گی۔ تھوڑا عرصہ گزرا ہوگا کہ خواجہ کریم الدین کی لڑکی کا انتقال ہو گیا۔ قطب عالم اور خواجہ کریم الدین کی ملاقات راس نہیں آئی۔

اس زمانے میں قطب عالم جونپور میں تشریف فرما تھے، آپ دو مرتبہ مجلس سماع میں (شرکت کے لیے) شیخ ابوالفتح کی خانقاہ میں حاضر ہوئے اور آخر میں کھڑے ہو گئے۔ یہ آپ کی عادت تھی کہ (مجلس کے) آخر میں کھڑے رہتے تھے۔ دونوں مرتبہ شیخ ابوالفتح ان کا ہاتھ پکڑ کر آخر مجلس سے مسند پر لائے اور فرمایا، یہ لکھنؤ کے قطب ہیں۔ پھر شیخ ابوالفتح جونپوری کے حکم سے قطب عالم پایان مجلس سے نکل کر مسند گاہ پر آگئے۔

بعدازاں (اپنی عادت کے مطابق) پایان مجلس میں واپس آ گئے۔ بہت مدت بعد شیخ سارنگ نے قطب عالم کو خرقہ خلافت عطا فرمایا۔

منقول ہے کہ قصبہ جاج مئو میں ایک جوان تھا جسے قاضی چاند کہتے تھے۔ قطب عالم اس سے رغبت رکھتے تھے۔ وہ جوان آپ کے ہاں سے چلا گیا اور کسی کے ہاں ملازم ہو گیا۔ قطب عالم نے اسے کئی مرتبہ بلایا، لیکن تاخیر کی اور خدمت میں حاضر نہیں ہوا۔ بالآخر آپ نے یہ شعر لکھ کر اسے بھیجا۔

بابہر کہ درامیرے می داں کہ نیاسائی

زیر و زبرش سازم زیرا کہ توازمائی

تم کسی امیر کی خدمت میں رہو، جان لو کہ بے راحت رہو گے۔ میں اسے درہم برہم کردوں گا، کیونکہ تم بہر حال ہمارے اپنے ہو۔

(بیان کیا جاتا ہے کہ) اچانک علاقے میں جنگ چھڑ گئی اور جس لشکر میں قاضی چاند ملازم تھا شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا، اور راہ فرار اختیار کی۔ قاضی چاند پریشاں اور سرگرداں ہو کر قطب عالم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ قطب عالم اسے دیکھ کر متبسم ہوئے اور بہت لطف و مہربانی کا اظہار فرمایا۔ قاضی چاند بہت راحت اور فراغت سے رہنے لگا۔

منقول ہے کہ قطب عالم کے ہاں ایک گویا رہتا تھا۔ چونکہ ارباب ذوق گانے والوں کو پسند کرتے ہیں، قطب عالم بھی اس گویے کی جانب راغب تھے۔ یکایک تقدیر نے پلٹا کھایا اور وہ گویا آپ کے آستانے سے جدا ہو گیا۔ ایک روز قطب عالم نے اسے یاد کیا اور فرمایا کہ میرے جی میں ایسا آیا ہے کہ وہ گویا برہنہ اور عاجز ہو کر آئے، میں اسے نیا لباس دوں اور اس کے اخراجات برداشت کروں، ناگہاں اس گویے کو حادثہ پیش آیا۔ اس کے کپڑے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور وہ برہنہ و پریشان حالت میں قطب

عالم کے آستانے پر حاضر ہوا۔ حضرت بہت مہربانی سے پیش آئے، اسے نیا لباس عطا کیا اور نقد رقم اخراجات کے لیے دی۔ بہت زیادہ شفقت فرمائی۔ گویے کو جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت نے اس کے بارے میں یہ یہ کہا تھا تو اس نے خاصی بکواس کی اور ناخوش ہو کر کہا، حضرت آپ نے میرے لیے یہ کیسی نیک فال نکالی۔ قطب عالم نے فرمایا، ہم نے ایسی کیا بری بات کہی تھی کہ اسے کپڑے دیں گے اور اس کی مدد کریں گے۔ یہ نیک فال ہی تھی۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ قوال پھاگن کے مہینے میں ہندی کے یہ بول گا رہے تھے۔

ہو ہو ہولی رے گی پھاگ کو کھیلے ری

قطب عالم پر وجد کی کیفیت طاری ہو گئی اور رقص میں آگئے۔ دشمنوں نے اس واقعے پر طعنے دینے شروع کر دیے کہ شیخ مینا پھاگ کھیلتے ہیں، سب لوگوں نے اس بات کا بتنگڑ بنایا اور کہا کہ یہ غیر شرعی حرکت ہے، توبہ کرنی چاہیے۔ کسی میں یہ مجال نہ تھی کہ یہ بات علی الاعلان آپ کے سامنے بیان کرے۔ ایک سپاہی بہت مضبوط اعصاب کا تھا، وہ قطب عالم کی خدمت میں گیا اور ادب کے ساتھ دوزانو آپ کے سامنے بیٹھا۔ چاہتا تھا کہ وہ بات ظاہر کرے۔ ابھی بات زبان پر نہ آئی تھی کہ قطب عالم نے قوالوں کو حکم دیا کہ ہندی کے وہی بول گائیں۔ قوالوں نے گانا شروع کر دیا۔

ہو ہو ہولی رے گی پھاگ کو کھیلے ری

قطب عالم پر وجد طاری ہو گیا، آپ نے اس شخص کا جو آپ کو آگاہ کرنے آیا تھا، ہاتھ پکڑا اور اسے چند قدم اپنے ساتھ لے گئے۔ وہ بھی ان کلمات کے نشے میں مست اور مدہوش ہو گیا، اور اس قدر بے اختیار رقص کیا کہ سر کے بال پراگندہ ہو گئے، کپڑے پھٹ گئے اور کمر میں لگی ہوئی کٹار دور جا گری۔ بہت دیر کے بعد پرسکون ہوا، اور

اپنے آپ میں آیا۔ تازہ وضو کیا اور تحیت وضو کی نفل ادا کی۔ بہت معذرت کی اور معافی کا خواست گار ہوا۔ اس کے بعد اس جماعت کے پاس آیا جس نے اسے سماع سے باز رکھنے کے لیے بھیجا تھا اور کہا کہ شیخ مینا پھاگ کرتے ہیں، جس میں ہمت ہے وہ انھیں اس سے باز رکھے۔ کسی شخص میں یہ مجال نہ ہوئی کہ آپ کے حضور میں اس معاملے پر گفتگو کر سکے۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک مغلوب الحال دیوانے نے آپ کی خانقاہ کے ایک طالب علم کو تیز نظر سے دیکھا، وہ بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ قطب عالم نے سنا تو حجرے سے باہر نکل کر فرمایا، ہمارے ساتھ بھی یہ دیوانگی ہے۔ قطب عالم کا یہ فرمانا تھا کہ وہ دیوانہ بے ہوش ہو کر گر پڑا اور اس کا جسم سوج گیا۔ قطب عالم کی ایک دودھ شریک بہن تھیں، آپ ان کا بے حد خیال رکھتے تھے۔ جب انھوں نے یہ بات سنی تو غصے میں بھری ہوئی گھر سے باہر آئیں اور بولیں کہ اسے خونی (کیوں) لوگوں کو مارتا ہے۔ قطب عالم نے اپنی چھاگل کا پانی اس دیوانے کو پلایا اور اس کے جسم پر بھی ملا۔ وہ ہوش میں آ گیا اور عذر کر کے چلا گیا۔

منقول ہے کہ ایک شخص نے اپنے کھیت میں کھیرے بوئے، وہ قطب عالم کی خدمت میں اس کی پہلی پیداوار لے کر حاضر ہوا۔ کھیرے کڑوے تھے۔ تمام کھیرے آپ نے خود کھائے اور اہل مجلس میں سے کسی کو نہ دیے۔ اہل مجلس اس خلاف عادت بات پر حیران ہوئے۔ کیونکہ حضرت کی عادت تھی کہ جب کوئی کھانے کی چیز آپ کو نذر کی جاتی تو پہلے اہل مجلس میں تقسیم فرماتے۔ حضرت شیخ سعد نے عرض کیا کہ تمام کھیرے خود تناول کرنے اور کسی کو عطا نہ فرمانے میں کیا حکمت تھی۔ قطب عالم نے جواب میں فرمایا، میاں سعد کھیرے کڑوے تھے، اگر میں کسی کو دیتا تو ان کا کڑوا پن ظاہر ہو جاتا اور یہ بات لانے والے کے لیے باعث رنج ہوتی، اس لیے سب

خود کھا لیے تا کہ کوئی شخص ان کی تلخی سے واقف نہ ہو، اور لانے والا خوش ہو جائے۔

متفرقات کے بیان میں

فصل متفرقات کے بیان میں۔ حضرت شیخ سعد نے قطب عالم شیخ مینا کی خدمت میں عرض کیا کہ جب حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تو خدائے تبارک و تعالی نے بے حرف و آواز فرمایا:

السلام علیک ایھا النبی و رحمة اللہ و برکاته (اے نبی آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت و برکت ہو) اور حضرت رسالت پناہ ہمارے رسول علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

السلام علینا وعلی عباداللہ الصالحین (ہم پر سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر سلامتی ہو) گناہ گاروں کو یاد نہیں فرمایا (اس کی کیا وجہ ہے) قطب عالم نے فرمایا کہ انتہائی انکسار کے سبب گناہ گاروں کو اپنی طرف کھینچ لیا، اور "علینا" میں داخل فرمایا۔

منقول ہے کہ قطب عالم کی عمر شریف چوراسی سال تھی۔ ۲۲ ماہ صفر ۸۸۴ ہجری میں اس دار فانی سے دار البقا کی جانب کوچ فرمایا، کسی نے کہا ہے۔

روز سفر محمد مینائے دیں ہلال

تاریخ بود ہشت صد و ہشتاد و چار سال

دین کے چاند محمد مینا نے جس زمانے میں (دنیا سے) سفر کیا، وہ آٹھ سو چوراسی (سن ہجری) تھا۔

قطب عالم کا ترکہ سات پہننے کے کپڑے، چند اونی عمامے اور تھوڑی سی کتابیں تھیں۔ ان سات کپڑوں کو پھاڑ کر آپ کی قبر شریف کے غلاف بنائے گئے۔

قطب عالم مرض الموت میں چھ ماہ تک مبتلا رہے۔ ان چھ مہینوں کے دوران آپ کسی سے بات نہیں کرتے تھے۔ صرف ایک دوبار بات کر لیتے۔ اپنے پائے مبارک قبلے

کی طرف دراز کر کے بیٹھے رہتے اور آسمان کی جانب نظر جمائے رہتے۔ اس دوران حجرے کے اندر تشریف فرما رہے۔

جب یہ خبر عام ہوئی کہ قطب عالم نے خاموشی اختیار فرمالی ہے تو ایک شخص آپ کے حجرے سے پیراہن پہن کر نکلا اور لوگوں سے کہا کہ قطب عالم نے مجھے یہ خرقہ عنایت فرمایا ہے۔ کسی کو یہ مجال نہ تھی کہ وہ قطب عالم سے اس بارے میں عرض کرے، البتہ حضرت شیخ قطب الدین جو آپ کے بھتیجے اور صاحب سجادہ تھے ایک دو بات کر لیتے تھے۔ انھوں نے شیخ سعد کے ایما پر قطب عالم سے اس معاملے کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت نے فرمایا کہ یہ سب جھوٹ ہے، دو تین مرتبہ دہرایا کہ یہ سب جھوٹ ہے۔

منقول ہے کہ جب قطب عالم کی بیماری نے طول پکڑا، اور ضعف طاری ہو گیا تو کبھی آپ کی وفات کی افواہ آس پاس کے علاقوں میں پھیل جاتی تھی۔ ایک دفعہ سلطان حسین مرحوم نے بہت زیادہ افسوس کا اظہار کیا اور اہل دربار کے ساتھ فاتحہ پڑھی۔ ایک ہندو بھی دربار میں حاضر تھا، اس نے کہا کہ ہمارے پیر فوت نہیں ہوئے ہیں۔ وہ ہندو حضرت کا بہت زیادہ معتقد تھا اور قطب عالم کو اپنا پیر کہتا تھا۔ سلطان حسین اور اہل مجلس اس کی بات سے سخت حیران ہوئے اور اس سے پوچھا کہ تمھیں کیسے معلوم ہوا کہ تمھارے پیر زندہ ہیں۔ اس نے جواب دیا کہ جب یہ غلام آپ سے رخصت ہوا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ انشاء اللہ دوبارہ ملاقات ہو گی۔ قطب عالم کی زبان تقدیر ربانی کا سر چشمہ ہے، جو کچھ وقت رخصت آپ کی زبان مبارک سے نکلا، انشاء اللہ تعالیٰ اس کے خلاف ہر گز نہ ہو گا۔ جب کچھ مسافر لکھنو سے جونپور پہنچے تو ان سے معلوم ہوا کہ قطب عالم حیات ہیں۔ لوگوں نے اس ہندو کے حسن اعتقاد پر آفریں کہی اور وہ پھر قطب عالم کی قدم بوسی سے مشرف ہوا۔

منقول ہے کہ شیخ قوام الدین کو ایک مرتبہ صحیح ذوق حاصل نہ ہوا۔ دل میں سوچا کہ ہمارے گھر میں کوئی چیز تقسیم ہونے سے رہ گئی ہے۔ بی بی خاصہ حاملہ تھیں، انھوں نے دستار کا ایک پیچ بچا لیا تھا کہ بچے کی ولادت کے بعد کام آئے گا۔ شیخ نے فرمایا کہ میں اسی فکر میں تھا کہ شاید کوئی چیز ہے جو ذوق کے حاصل ہونے میں مانع ہے، معلوم ہوا کہ یہی کپڑا تھا۔ اسی وقت دستار کا پیچ کسی شخص کے حوالے کر دیا۔

منقول ہے کہ شیخ قوام الدین ایک رات نیند میں تھے کہ یکایک جاگ اٹھے اور فرمایا کہ گھر میں کوئی چیز ہے جو نیند میں مخل ہو رہی ہے۔ جب چھان بین کی تو پتہ چلا کہ پانی پینے کا مٹی کا پیالہ رہ گیا ہے۔ اسی وقت اٹھا کر ضرورت مند کو دے دیا۔

منقول ہے کہ مخدوم جہانیاںؒ نے شیخ قوام الدین کے مشورے سے شیخ راجو کو اپنا جانشین بنایا اور اپنے فرزند کو جانشین نہیں کیا، چنانچہ یہ واقعہ مشہور ہے کہ مخدوم جہانیاں نے اپنی وفات کے قریب دنوں میں شیخ ممدوح سے دریافت کیا کہ میں اپنے بیٹے کو جانشین بناؤں یا خانقاہ شیخ راجوؒ کے سپرد کروں۔ شیخ نے عرض کیا کہ شیخ راجو خوب ہیں۔ مخدوم جہانیاں اپنے فرزند کو جانشین کرنا چاہتے تھے۔ شیخ مجلس سے اٹھ کر چل دیے تو مخدوم نے خادم کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ سنو وہ کیا کہتے ہیں۔ وہ جاتے جاتے کہہ رہے تھے کہ مخدوم ایسے شخص کو جانشین بنانا چاہتے ہیں جو درست آب دست بھی نہیں لیتا اور مجھ سے فیصلہ کراتے ہیں۔ جب حضرت مخدوم نے ان کی یہ بات سنی تو شیخ راجو کو اپنا جانشین بنایا۔

جب حضرت مخدوم کی بیوی حضرت بی بی کو یہ معلوم ہوا کہ شیخ قوام الدین کے مشورے سے شیخ راجو کو جانشین بنایا گیا ہے تو غصے سے بھر گئیں اور کہا، اے قوام الدین جس طرح تم میرے بیٹوں کو مخدوم کی نعمت حاصل کرنے میں مانع ہوئے ہو، تم بھی فرزند کی نعمت سے محروم رہو گے۔ شیخ یہ سن کر وجد کرنے لگے اور

کہا کہ الحمد للہ ہمارے ایمان کے لیے بددعا نہ کی، اگر بیٹے کی نعمت سے محروم رہے تو کوئی نقصان نہیں ہے۔

منقول ہے کہ ملک سارنگ کی بہن سلطان فیروز شاہ مرحوم کے فرزند سلطان محمد کے عقد میں تھیں۔ آپ سلطان فیروز کے دربار کے امیر تھے اور آپ کو ہر طرح کی دنیاوی دولت اور مرتبہ حاصل تھا۔ جب آپ سلطان فیروز کی خدمت میں تھے تو آپ کی جوانی کا زمانہ تھا۔ اسی زمانے میں حضرت مخدوم جہانیاں اور حضرت شیخ راجو شہر دہلی میں تشریف لائے۔ بادشاہ اکثر و بیشتر کھانا اور چیزیں ملک شیخ سارنگ کے ہاتھوں ان کی خدمت میں بھیجتا تھا۔ ایک روز شیخ راجو نے فرمایا، ملک سارنگ اگر تم پانچ وقت کی نماز باقاعدگی سے ادا کرو تو ہم اپنے آگے کا کھانا تمھیں دیں گے۔ ملک سارنگ نے یہ شرط قبول کر لی، چنانچہ شیخ راجو گاہ بگاہ اپنے آگے کا کھانا شیخ سارنگ کو دیتے تھے۔ جب دوسری مرتبہ یہ حضرات شہر دہلی تشریف لائے تو اس مرتبہ شیخ سارنگ سے فرمایا کہ اگر تم اشراق اور چاشت کی نمازیں ادا کرو تو ہم تمھیں اپنے ساتھ کھانے میں شریک کریں گے۔ ملک سارنگ نے اس حکم کی بھی تعمیل کی۔ چنانچہ حضرت مخدوم جہانیاں اور حضرت شیخ راجو آپ کو اپنے ساتھ کھانا کھلاتے۔ (کچھ عرصے بعد) ملک ممدوح نے شیخ قوام الدین سے ارادت پیدا کی اور ان سے تربیت باطنی حاصل کی۔ بالآخر یہ تربیت اپنا رنگ لائی اور شیخ سارنگ نے کلی طور پر دنیائے دوں کو چھوڑ دیا اور سارا مال و متاع لٹا کر مکہ معظمہ کی زیارت کے لیے روانہ ہو گئے۔ اس سفر میں آپ کے بڑے بیٹے بھی آپ کے ساتھ تھے۔ چونکہ انھیں پیدل چلنے کی عادت نہ تھی، سخت عاجز ہوئے۔ پیروں میں چھالے پڑ گئے اور زخموں کی وجہ سے زمین پر پیر رکھنا مشکل ہو گیا۔ اس مجبوری کے سبب دونوں باپ بیٹے قافلے کا ساتھ نہ دے سکے اور اس سے جدا ہونا پڑا۔ تین روز قافلہ چلتا رہا (چوتھی) شب میں آپ نے بیٹے سے کہا کہ آنکھ بند کر کے دو تین قدم آگے چلو، چنانچہ بیٹے نے ایسا

ہی کیا۔ جب آنکھ کھولی تو قریب ہی آگ کے شعلے دیکھے۔ شیخ سارنگ نے فرمایا کہ گدھوں کو پکڑ کر لے چلو۔ پھر جہاں آگ روشن تھی وہاں پہنچ گئے، دیکھا کہ وہی قافلہ تھا جس سے جدا ہو گئے تھے۔ حق تعالی کا شکر ادا کیا اور قافلے کے ساتھ مکہ معظمہ پہنچے۔

ترک دنیا کے بعد ملک سارنگ نے شیخ یوسف ایرجی سے تلقین حاصل کی، جنھوں نے مخدوم جہانیاں سے تلقین حاصل کی تھی۔

منقول ہے کہ ملک سارنگ ابتدائے سلوک سے سفر کر کے شیخ قوام الدین کی قدم بوسی کے لیے لکھنو آئے تھے۔ جب شیخ کے وصال کا وقت قریب آیا تو شیخ سارنگ موجود نہ تھے۔ شیخ نے فرمایا، اگر شیخ سارنگ موجود ہوتے تو ہم انھیں خرقہ عطا کرتے، اب یہ خرقہ ہم اپنے ساتھ قبر میں لے جائیں گے، اور کسی کو نہیں دیں گے، البتہ بغیر آستین کی ایک کفنی جو درویشوں اور فقیروں کا لباس ہے بطور امانت لوگوں کے سپرد فرمائی کہ اسے شیخ سارنگ کو دے دیں۔ شیخ کی وفات کے بعد جب ملک سارنگ لکھنو آئے تو یہ امانت آپ کے سپرد کر دی گئی۔ آپ اپنے شیخ قوام الدین کی محبت میں اسی علاقے میں آگئے اور سارنگ پور کو جو ایک ویرانہ تھا آباد کیا اور یہیں قیام پذیر ہو گئے۔

بیان کرتے ہیں کہ بادشاہ وقت نے ملک سارنگ کو چند ہزار سونے کے تنکے خانقاہ کے اخراجات کے لیے بھیجے، لیکن آپ نے انھیں قبول نہیں فرمایا اور یہ کہہ کر لوٹا دیے کہ جس دنیا سے اپنے آپ کو چھڑا چکا ہوں، پھر اس کے پھندے میں گرفتار نہیں ہونا چاہتا۔ ہمارے لیے سارنگ پور کا ویرانہ کافی ہے۔

حضرت شیخ راجو نے سلسلہ چشتیہ اور سہروردیہ کا خرقہ اور اسی طرح کی چند چیزیں آپ کے لیے سارنگ پور بھجوائیں۔

شیخ سارنگ اکثر شیخ قوام الدین کے مزار کی زیارت کے لیے لکھنو آتے تھے۔ قطب عالم شیخ مینا یہاں آپ کی خدمت میں حاضر رہتے۔ قطب عالم نے اپنے آپ کو اس

طرح شیخ سارنگ کے تصرف میں دے دیا تھا جیسے مردہ غسال کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ آپ کے حکم سے شیخ مینا، شیخ قوام الدین کے متبرک روضے میں ریاضتیں کرتے تھے اور سارنگ پورہ بھی حاضر ہوتے تھے۔ ایک شب عنایت ازلی کار گر ہوئی۔ ملک سارنگ کے پوتے کا نام بھی مینا تھا۔ آپ نے انھیں آواز دی۔ اس وقت وہ وہاں موجود نہ تھے۔ قطب عالم نے کہا، حاضر ہوں۔ شیخ سارنگ نے پوچھا، کون مینا؟ قطب عالم نے عرض کیا، مینا بن قطب۔ شیخ سارنگ نے کچھ نہیں کہا۔ پھر تھوڑی دیر بعد آواز دی مینا، قطب عالم نے عرض کیا حاضر ہوں۔ فرمایا کون مینا؟ قطب عالم نے عرض کیا، مینا بن قطب۔ تیسری بار پھر شیخ سارنگ نے آواز دی، مینا، قطب عالم نے عرض کیا حاضر ہوں۔ شیخ سارنگ نے پوچھا، مینا کون؟ عرض کیا مینا بن قطب۔ شیخ سارنگ نے اس مرتبہ فرمایا، یہاں آؤ، خدائے تبارک وتعالیٰ نے تمھیں چن لیا ہے، اس کے بعد وہ نعمتیں جن کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی اور جن کا علم حق تعالیٰ ہی کو ہے، شیخ سارنگ نے آپ کو عطا فرمائیں۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ قطب عالم، شیخ سارنگ کی خدمت میں گئے ہوئے تھے۔ موسم بہت گرم ہو گیا، آپ نے ارادہ کیا کہ واپس لکھنو چلے جائیں اور اپنے ویران جھونپڑے میں بسیرا کریں۔ رات ہوئی تو آپ نے شیخ سارنگ سے رخصت کی درخواست کی۔ فرمایا، کل ایک اور صاحب بھی جائیں گے (ان کے ساتھ چلے جانا) قطب عالم نے عرض کیا کہ موسم بہت گرم ہو گیا ہے، دن میں سفر کرنا بہت دشوار ہوگا، اگر رات میں تھوڑا سا راستہ طے ہو جائے تو آسانی رہے گی۔ شیخ سارنگ نے فرمایا اگر اللہ نے چاہا تو کل زیادہ گرمی نہ ہوگی۔ دوسرے دن جب آپ شیخ سارنگ سے رخصت ہو کر چلے تو بادل چھا گئے اور تمام دن یہی کیفیت رہی۔ چنانچہ قطب عالم بہت سہولت سے لکھنو پہنچ گئے۔

منقول ہے کہ شیخ سارنگ نے شیخ عادل بلخی لکھنوی سے کچھ کتابیں پڑھی

تھیں، اس سبب سے آپ کبھی کبھی ان سے ملنے کے لیے جاتے تھے۔ ایک دن آپ ان سے ملاقات کرنے گئے۔ شیخ عادل گھر میں موجود تھے۔ آپ نے کہلوا کر بھجوایا کہ سارنگ آیا ہے۔ شیخ عادل اس وقت خالی الذہن تھے، انھیں کچھ یاد نہ آیا کہ کون سارنگ ہے، اور باہر آنے میں خاصی دیر کر دی۔ دیکھا تو شیخ سارنگ انتظار میں بیٹھے تھے۔ اپنے دیر سے آنے کی معذرت چاہی۔ ان دنوں علما کے درمیان ہدایہ کے ایک مسئلے پر بحث ہو رہی تھی۔ مسئلہ حل نہ ہوا تھا اور بحث جاری تھی۔ شیخ سارنگ نے شیخ عادل سے مسئلے پر بحث کے بارے میں دریافت کیا۔ شیخ عادل نے مسئلہ زیر بحث کی تفصیل بیان کی۔ شیخ سارنگ نے مسئلے کو ایک اور انداز سے بیان کیا اور فرمایا کہ اگر اس طرح مسئلے کو سمجھا جائے تو کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ شیخ عادل نے خوب غور کیا تو مسئلے کا حل وہی تھا جو شیخ سارنگ نے بیان فرمایا تھا۔ شیخ عادل نے دل میں سوچا کہ انسانوں کی طبائع مختلف ہوتی ہیں۔ یہ جواب شیخ سارنگ کے دل میں اتفاقاً آیا ہو گا، لیکن شیخ عادل، شیخ سارنگ کی جانب ضرور مائل ہوئے۔ جب شیخ سارنگ دوسری بار شیخ عادلؒ سے ملاقات کرنے گئے تو اس وقت وہ اتفاق سے مٹھائی کھا رہے تھے، ویسے انھیں مٹھائی سے رغبت بھی تھی۔ انھوں نے شیرینی کا برتن شیخ سارنگ کے سامنے رکھا، لیکن آپ نے بے توجہی دکھائی۔ شیخ عادل نے مکرر فرمایا کہ شیرینی تناول فرمایے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ مٹھائی مشکوک ہے۔ شیخ عادل نے بھی ہاتھ کھینچ لیا۔ تھوڑی دیر بعد حلوائی دوسری مٹھائی لے کر آیا اور عرض کیا کہ پہلی والی مٹھائی واپس کر دیجیے۔ میرے فرزند نے غلطی سے بھیج دی تھی، اسے نہ کھائیں، اب جو لے کر آیا ہوں، تناول فرمائیں۔ اس واقعے کا مشاہدہ کر کے شیخ عادل کے دل میں حق تعالیٰ کی محبت پیدا ہوئی۔ چونکہ ان کی باطنی تربیت شیخ ابوالفتح (جونپوری) کے ہاں مقدر ہو چکی تھی، پہلے ایک قصیدہ اپنے احوال پر مشتمل شیخ ابوالفتح کی خدمت میں ارسال کیا جس میں عرض کیا گیا تھا کہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور ضعف کا یہ حال ہے کہ تمام

ذات جھڑ چکے ہیں۔ عبادات اور مجاہدات مجھ سے نہ ہو سکیں گے، آپ کے لطف و کرم پر بھروسہ ہے۔ اگر ازراہ کرم قبول فرمائیں تو میں غلامی کے لیے حاضر ہو جاؤں۔ شیخ ابوالفتح نے فرمایا کہ برادرم شیخ عادل نے بھاری بوجھ ہم پر رکھ دیا ہے۔ ہم دل سے قبول کرتے ہیں، تشریف لائیں۔ ان کے بدلے ہم وظائف اور عبادات بجا لائیں گے۔

جب شیخ عادل، شیخ ابوالفتح کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انھوں نے دو تین روز بعد خرقۂ خلافت عطا کر کے رخصت فرما دیا۔ اس واقعے سے دوسرے لوگ رشک کرنے لگے۔ شیخ ابوالفتح نے فرمایا کہ شیخ عادل پر قوت آگ اور خشک روئی لے کر آئے تھے، ہم نے پھونک مار کر آگ کو تیز کر دیا۔

منقول ہے کہ ایک مرتبہ شیخ سعدؒ لکھنو آئے اور خیر آباد واپس ہو گئے۔ شیخ سارنگ کے روضے پر حاضر نہ ہوئے۔ شیخ سعد نے شیخ سارنگ کو خواب میں دیکھا۔ آپ نے ہندی زبان میں یہ کلمات فرمائے۔

اہو میت کا ہے چھوویں چاہ ٹوتا دیکھا جھونپڑا

(ہمارا ٹوٹا ہوا جھونپڑا دیکھ کر ملنے نہیں آئے کہ بیٹھنے کی جگہ نہیں ہے)

جب شیخ سعد خواب سے جاگے تو بہت مغموم ہوئے اور بڑے دکھ کے ساتھ روتے رہے۔ پھر شیخ سارنگ کے روضے کی زیارت کے لیے سارنگ پور حاضر ہوئے اور قوالوں سے کہا کہ ہندی کے وہی بول سنائیں۔ بہت دیر تک سماع سنتے رہے، بعدازاں خیر آباد آ گئے۔

خاتمہ

اے عزیز! قطب عالم قدس سرہ نے جیسا کہ اس سے قبل بیان کیا جا چکا ہے کافیہ حضرت قاضی فریدوں سے پڑھی۔ اس کے بعد دوسرے ضروری علوم قاضی

منتخب سے پڑھے۔ قاضی منتخب معذور اور تارک الدنیا تھے۔ قطب عالم نے ہادی و پیشوا ہونے کے بعد عوارف کے گنتی کے چند سبق شیخ اعظم ثانی سے پڑھے۔ مختصر یہ کہ آپ کے مزاج میں اس قدر کسرنفسی تھی کہ درس میں جانے اور سبق پڑھنے میں عار محسوس نہ فرماتے تھے۔ جب آپ درس لینے کے لیے جاتے تو وہاں شہر کے خاص و عام جمع ہو جاتے۔ فتوحات اور نذرانے پیش کرتے۔ آپ تمام نذرانے اپنے استاد بزرگ وار کو پیش کر دیتے۔ حضرت شیخ سعد، قطب عالم کے اس طرح درس میں جانے سے شرمندگی محسوس کرتے تھے اور انھیں آپ کا درس میں جانا پسند نہ تھا۔ جب صبر نہ ہو سکا تو عرض کیا، ہمارے مخدوم آپ سے وہ مقصود پوشیدہ نہیں ہے جس کے لیے صاحب عوارف نے عوارف تحریر فرمائی، علاوہ ازیں عوارف کی بعض عبارات جن کو کسی سے سمجھنے کی ضرورت درپیش ہوتی ہے، وہ حقائق بھی آپ پر منکشف ہیں۔ اس دن کے بعد سے پھر آپ درس حاصل کرنے نہیں گئے اور عوارف کا سبق لینا ترک فرما دیا۔

قطب عالم شیخ مینا کو شیخ سارنگ نے دونوں سلسلوں کا خرقہ جو انھیں حضرت شیخ راجو سے ملا تھا، عنایت فرمایا: یعنی سلسلہ چشتیہ اور سہروردیہ کا خرقہ۔ ایک خرقہ وہ تھا جو شیخ راجو نے شیخ سارنگ کو عطا کیا تھا، اور دوسرا خود اپنا تھا جو آپ نے قطب عالم کو بخشے۔

شجرہ مشائخ چشت رحمہم اللہ تعالی

شیخ محمد المعروف شیخ مینا۔

شیخ سارنگ۔

مخدوم خواجہ ابوالفضل محمد بن احمد بن حسین الحسینی البخاری المعروف شیخ راجو۔

مخدوم جہانیاں جلال الدین حسین بن احمد بن حسین الحسینی البخاری۔

خواجہ نصیر الدین محمود بن یوسف رشید اودھی۔

خواجہ نظام الدین محمد بن احمد بدایونی۔

خواجہ فرید الدین مسعود سلیمان اجودھنی۔

مخدوم خواجہ قطب الدین بختیار اوشی۔

خواجہ معین الدین حسن سجزی۔

خواجہ عثمان ہرونی۔

خواجہ حاجی شریف زندنی۔

مخدوم خواجہ قطب الدین مودود چشتی۔

مخدوم ناصر الدین ابو یوسف چشتی۔

خواجہ ناصح الدین ابو محمد چشتی۔

خواجہ قدوۃ الدین ابو احمد فرسافہ۔

خواجہ ابی اسحاق شامی۔

خواجہ ممشاد علو دینوری۔

خواجہ ہبیرہ بصری۔

خواجہ حذیفہ مرعشی۔

خواجہ ابراہیم ادہم بلخی۔

خواجہ فضیل عیاض۔

خواجہ عبدالواحد بن زید۔

خواجہ حسن بصری۔

امیرالمومنین علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ۔

خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وعترتہ باتوداشت

شجرۂ سہروردیہ

شیخ محمد المعروف بہ شیخ میا بن شیخ محمد قطب الدین۔

شیخ سارنگ۔

خواجہ ابوالفضل محمد بن احمد بن حسین الحسینی المعروف بہ شیخ راجو۔

خواجہ جلال الدین مخدوم جہانیاں بن احمد بن حسین الحسینی۔

خواجہ شیخ احمد البخاری۔

مخدوم شیخ جلال الدین حسین الحسینی البخاری۔

شیخ بہاء الدین ابی محمد زکریا۔

مخدوم شیخ شہاب الدین سہروردی۔

خواجہ ضیاء الدین ابی نجیب عبدالقاہر سہروردی۔

مخدوم خواجہ وجیہہ الدین ابی حفص عمر۔

مخدوم خواجہ محمد بن عبداللہ المعروف فہویہ۔

مخدوم ممشاد دینوری۔

خواجہ ابوالقاسم جنید بغدادی۔

خواجہ سری سقطی۔

خواجہ معروف کرخی۔

خواجہ داؤد طائی۔

مخدوم خواجہ حبیب عجمی۔

خواجہ حسن بصری۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ۔

خواجۂ کائنات مفخر موجودات سید المرسلین خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلی آلہ واصحابہ وعترتہ۔

شیخ سارنگ کے خلفا تین حضرات تھے۔

(۱) شیخ محمد، جو صاحب سجادہ اور آپ کے پوتے تھے۔

(۲) شیخ محمد بن شیخ قطب المعروف بہ شیخ مینا۔

(۳) شیخ حسام الدین صوفی۔

ان تین حضرات کے علاوہ جن لوگوں نے خود کو حضرت شیخ سارنگ کی خلافت سے منسوب کیا وہ محض کذب و افترا ہے۔

قطب عالم شیخ محمد المعروف بہ شیخ مینا کے خلیفہ دو حضرات تھے۔

(۱) شیخ قطب الدین جو صاحب سجادہ اور آپ کے بھتیجے تھے۔

(۲) شیخ سعد بن بڈھن۔

ان دو حضرت کے علاوہ آپ کا کوئی خلیفہ نہ تھا۔ شیخ مینا نے ایک خرقہ شیخ راجو کا جو آپ کو شیخ سارنگ کے واسطے سے حاصل ہوا تھا اور ایک خرقہ اپنا حضرت قطب الدین کو عطا فرمایا۔ اسی طرح حضرت شیخ سارنگ کا خرقہ اور ایک اپنا خرقہ شیخ سعد کو عنایت فرمایا۔

شیخ مینا نے شیخ قطب الدین کو اپنا بیٹا بنا لیا تھا اور یہ فرمایا تھا کہ جس شخص سے شیخ قطب الدین راضی رہیں گے، میں بھی اس سے خوش رہوں گا اور جس سے قطب الدین ناخوش ہوں گے، میں اس سے ناخوش ہوں گا۔ اسی باعث شیخ سعد تعظیماً قطب الدین کے ڈولے کو اپنے مبارک کندھوں پر رکھتے تھے۔

حضرت شیخ سعد نے ۹۱۶ھ میں چار حضرات کو اپنی خلافت سے مشرف فرمایا، وہ یہ حضرات ہیں۔

اول۔ شیخ صفی ساکن سائی پور۔

دوم۔ شیخ کدن دانشمند خیر آبادی۔

سوم۔ شیخ معظم گوپاموی۔

چہارم۔ شیخ سید حامد لکھنوی۔

اس کے بعد شیخ سعد نے دو حضرات کو خلافت سے نوازا۔

(۱) شیخ مبارک ساکن ردولی۔

(۲) شیخ علاء الدین ارزانی۔

اس کے بعد آخر میں چار حضرات کو خلافت بخشی۔

(۱) شیخ محمود بن محمد جو آپ کے بھتیجے تھے اور صاحب سجادہ ہوئے۔

(۲) شیخ نصیر الدین برادر زادہ۔

(۳) شیخ ابراہیم برادر زادہ۔

(۴) شیخ ابراہیم بھوجپوری۔

اس کے بعد اپنی وفات کے وقت مندرجہ ذیل پانچ حضرات کو خرقہ عطا فرمایا۔

(۱) شیخ میر سید خورد۔

(۲) شیخ قاضی بخش ساکن دانسوہ۔

(۳) شیخ برہان لاہر پوری۔

(۴) شیخ قاسم۔

(۵) شیخ چاند ساکن اینچولی۔

یہ چند فواید ۱۱۰۱ھ میں میر سید محی الدین ساکن قصبہ امیٹھی نے اخذ کر کے لکھے۔

بزرگوں سے گزارش ہے کہ جس نسخے سے یہ فواید ماخوذ ہیں، وہ برکت سے خالی نہیں ہے۔ جس قدر ممکن تھا تصحیح کر کے تحریر کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ اگر کوئی کمی رہ گئی ہے تو اسے معاف فرمائیں گے۔

اسمائے کتب جن کا ذکر "ملفوظات شاہ مینا" میں آیا ہے

الف

۱۔ ارشاد المریدین۔ مصنفہ شیخ قوام الدین۔

۲۔ ارواح ۔ اس کتاب کے مصنف کا علم نہیں ہوسکا۔

۳۔ اساس الطریقہ۔ شیخ قوام الدین۔

۴۔ اسرار المعانی۔ مصنف کے بارے میں کوئی اطلاع حاصل نہ ہوسکی۔

۵۔ الاصل ۔ مصنفہ صدر الشہید، اور امام محمد بن حسن شیبانی۔

۶۔ اوراد۔ (کتاب الاوراد) شیخ بہاؤ الدین زکریا سہروردی۔

ب

۷۔ بستان (بستان العارفین) مصنفہ امام ابی للیث سمرقندی۔

ت

۸۔ تجنیس (تجنیس المزید)، برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی۔

۹۔ تحفۃ البررہ ۔ شیخ مجدد الدین شرف بن موید البغدادی۔

۱۰۔ تحفۃ الفقہا ۔ علاو الدین محمد بن احمد السمر قندی۔

۱۱۔ تمہید ۔ ابو بکر محمد بن عبدالسعید بن شعیب حنفی سالمی۔

۱۲۔ التہذیب ۔ ابی القاسم علی بن بنداء الرازی الحنفی۔

۱۳۔ تہذیب المذاہب ۔ اس کے مصنف کے بارے میں کچھ معلوم نہ ہوسکا۔

ث

۱۴۔ ثنائے محمدی ۔ مولانا ضیاء الدین برنی

ج

۱۵۔ جامع البرہانی ۔ برہان الدین محمود بن تاج الدین احمد

۱۶۔ جامع الصغیر ۔ امام محمد۔

۱۷۔ جامع الصغیر عتابی ۔ ابی نصر احمد بن العتابی الحنفی۔

۱۸۔ جوامع الفقہ ۔ ابی نصر احمد بن العتابی الحنفی۔

خ

۱۹۔ خانی یا خانیہ (فتاوی تاتارخانی)، مولانا فرید الدین عالم بن العلا حنفی اندرپتی۔

۲۰۔ خانی یا خانیہ (فتاوی قاضی خاں) فخر الدین بن حسن بن منصور الفرغانی الحنفی۔

۲۱۔ خزانہ جلالی (ملفوظات مخدوم جہانیاں جلال الدین بخاری) مرتبہ احمد مدعوبہ بہا۔

۲۲۔ خزانۃ الفقہ۔ ابو اللیث سمرقندی احمد بن ابراہیم۔

۲۳۔ خلاصہ۔ تصنیف کا نام نامکمل ہے اس لیے مصنف کی نشاندہی ممکن نہیں ہے۔

د

۲۴۔ درر المعانی (تفسیر)، مصنف کے بارے میں علم نہ ہوسکا۔

۲۵۔ دلیل السالکین۔ مصنف کے بارے میں علم نہ ہوسکا۔

ذ

۲۶۔ ذخیرہ، (ذخیرہ کثیرا)، خلاصہ محیط مرتبہ عبدالعزیز بن عمر بن مازہ البخاری الحنفی۔

ر

۲۷۔ راحت القلوب۔ حضرت شرف الدین یحیی منیری۔

۲۸۔ رسالہ مکیہ۔ شیخ قطب الدین عبداللہ بن محمد بن المین اصفہدی۔

س

۲۹۔ سراج الہدایہ ۔ مصنف کے بارے میں معلوم نہیں ہو سکا۔

ش

۳۰۔ شرح آداب (شرح آداب المریدین) سید محمد حسینی بندہ نواز گیسو دراز۔

۳۱۔ شرح آداب (شرح آداب المریدین) شیخ شرف الدین یحییٰ منیری۔

۳۲۔ شرح تعریف ۔ میر سید شریف جرجانی یا قاضی عضد ایجی۔

۳۳۔ شرح رسالہ مکیہ (مجمع السلوک)، شیخ سعد خیر آبادی۔

۳۴۔ شرح عوارف۔ حضرت سید بندہ نواز گیسو دراز سے منسوب ہے۔

۳۵۔ شرح المنار۔ ابو الفضائل ملا سعد الدین دہلوی۔

۳۶۔ شرح المنار ۔ ابو حفص سراج الدین عمر بن اسحاق بن احمد غزنوی۔

۳۷۔ شرح اوراد (کنز العباد فی شرح اوراد) مصنفہ علی بن احمد غوری۔

ع

۳۸۔ عتابیہ۔ ملاحظہ فرمائیں الولوالجیہ۔

۳۹۔ عقیدہ حافظیہ یا شرح عقیدہ مولانا حافظ الدین۔ حافظ الدین ابو البرکات عبداللہ بن احمد بن محمود النسفی۔

ف

۴۰۔ فتاوی ابی اللیث ۔ ابو اللیث سمر قندی احمد بن ابراہیم۔

۴۱۔ فتاوی الحجہ ۔ مصنف کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا۔

۴۲۔ فتاوی سراجیہ ۔ سراج الدین ابو حفص عمر بن احمد بن فارس۔

۴۳۔ فتاوی سراجیہ ۔ سراج الدین علی بن عثمان بن محمد الیتمی الاوشی الفرغانی۔

۴۴۔ فتاوی صوفیہ (فتاوی صوفیہ طریق البہائیہ) فضل اللہ بن محمد ایوب۔

۴۵۔ فتاوی ظہیریہ۔ ظہیر الدین ابی بکر محمد بن احمد البخاری الحنفی۔

۴۶۔ فواید السالکین ۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی سے منسوب ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔

۴۷۔ فواید الفواد۔ حسن علا سجزی (شیخ نظام الدین اولیا کے ملفوظات)

ق

۴۸۔ القنیہ (قنیۃ المنیہ علی مذاہب ابی حنیفہ) امام ابی الرجا نجم الدین مختار بن محمود الزاہدی الحنفی۔

۴۹۔ قوت القلوب ۔ ابو طالب مکی۔

ک

۵۰۔ الکاشف ۔ علامہ حسن بن محمد الطیبی۔

۵۱۔ کافی (کافی فی الفروع الحنیفہ) حاکم شہید محمد بن محمد الحنفی۔

۵۲۔ کفایۃ الفقہا۔ ابی قاسم اسماعیل بن الحسن بیہقی الحنفی۔

ل

۵۳۔ لطایف ۔ مصنف کا نام معلوم نہ ہوسکا۔ (ابوالقاسم القشیری کی ایک عارفانہ تفسیر کا نام بھی لطائف الاشارات ہے)

م

۵۴۔ محیط (المحیط البرہانی فی فقہ النعمانی) برہان الدین محمود بن تاج الدین صدر الشہید۔

۵۵۔ مدارک (مدارک التنزیل و حقایق التاویل) حافظ الدین عبداللہ بن احمد النسفی۔

۵۶۔ مرصاد العباد (مرصاد العباد من المبداء الی المعاد) شیخ نجم الدین رازی المعروف بہ نجم الدین دایہ۔

۵۷۔ مصابیح (مصابیح السنہ) ابو محمد بن حسین بن مسعود بن محمد الفرا البغوی۔

۵۸۔ مطالب۔ (مطالب المومنین) مصنف کا نام معلوم نہ ہوسکا۔

۵۹۔ معدن المعانی۔ حضرت شرف الدین یحییٰ منیری۔

۶۰۔ معرفۃ المریدین۔ مصنف کے بارے میں معلوم نہ ہوسکا۔

۶۱۔ معیار التصوف۔ شیخ قوام الدین۔

۶۲۔ مفاتیح (مفاتیح المسایل و مصابیح الدلایل) حجۃ الدین بلخی۔

۶۳۔ مفتاح الکنوز۔ علی بن الدرہم۔

ن

۶۴۔ النصاب ۔ طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری۔

۶۵۔ نصاب الاحتساب ۔ امام عمر بن محمد بن عوض شامی حنفی۔

۶۶۔ نصاف الاحتساب ۔ مولانا ضیاء الدین سنامی۔

۶۷۔ النوازل ۔ ابی اللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمر قندی۔

و

۶۸۔ الوقایہ (وقایۃ الروایہ فی مسائل الہدایہ) برہان الشریعت محمود بن صدر الشریعت الاول

۶۹۔ الولواجیہ ۔ ظہیر الدین عبدالرشید بن ابی حنیفہ بن عبدالرزاق الولوالجی۔

ہ

۷۰۔ ہدایہ ۔ برہان الدین علی بن ابی بکر المرغینانی الحنفی۔

ملفوظاتِ شاہ مینا رحمۃ اللہ علیہ

شیخ محمدؒ بن شیخ قطب المعروف بہ شاہ مینا لکھنویؒ

ترجمہ

لطیف اللہ

ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ

۲۔ کلب روڈ ○ لاہور